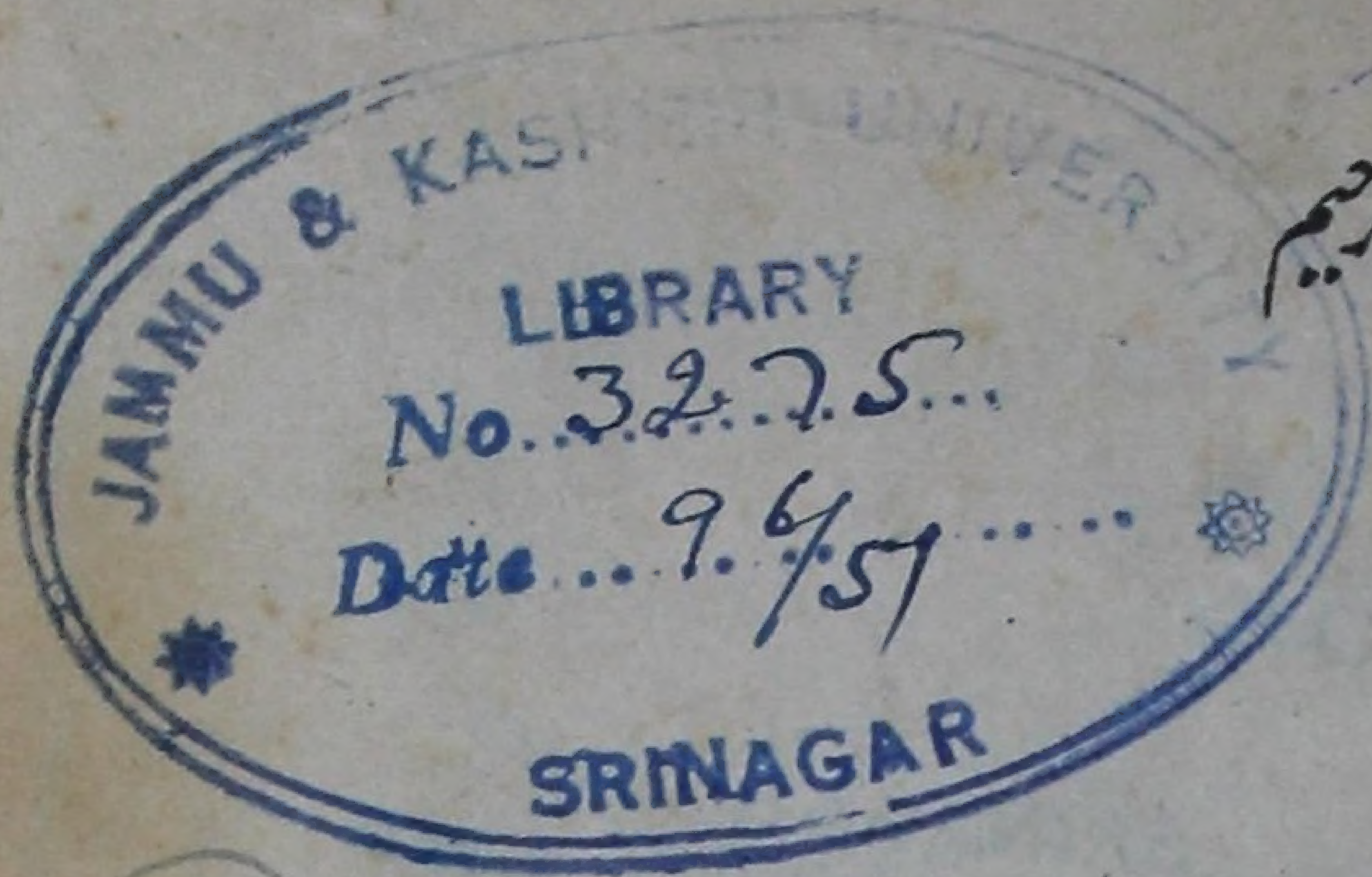
Overdue charges will be levied under rules for each day if the book is kept beyond the date stamed above.

بسم اللہ الرحمن الرحیم



تاریخِ

سلطنتِ خداداد

(میسور)



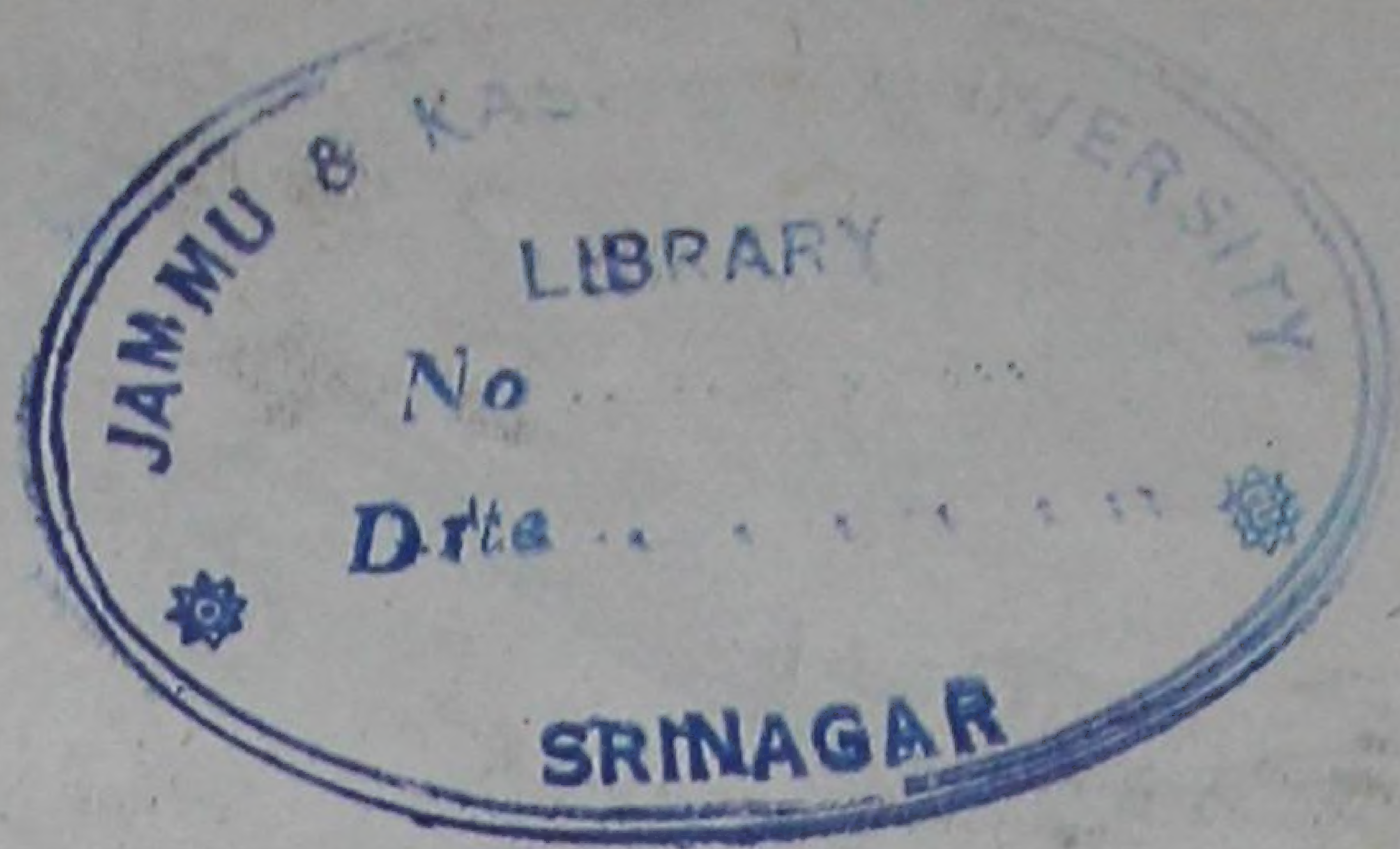
از

محمود خاں محمود بنگلوری

مطبوعہ برقی کوثر پریس معسکر بنگلور

۱۹۳۹ء

اردوم



ملنے کا پتہ

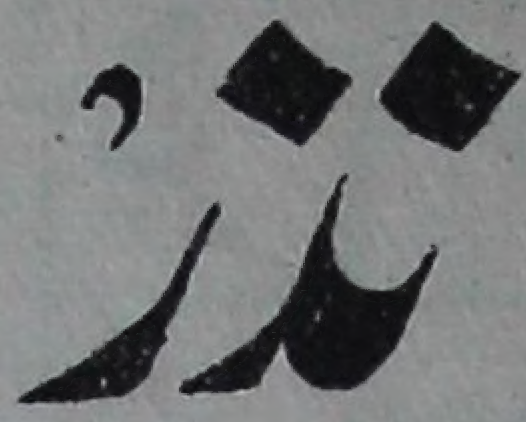
اقبال بک ڈپو نمبر ۱۰۴ اولڈ پور ہوز روڈ

بنگلور۔

پبلشر

یم۔ محمد اسحٰق

سلم بک ڈپو۔ نیو مارکٹ۔ بنگلور سٹی



نذر

آں شہیدانِ محبت را امام آبروئے ہند و چین و روم و شام

نامش از خورشید و مہ تابندہ تر خاکِ قبرش از منُ تو زندہ تر

عشق رازے بود بر صحرا نہاد تو ندانی جاں چہ مشتاقانہ داد

از نگاہِ خواجۂ بدر و حنین فقرِ سلطاں وارثِ جذبِ حسین رضہ

رفت سلطاں زیں سرائے ہفت روز

نوبتِ او در دکن باقی ہنوز علامہ اقبال رح

اس حسنِ عقیدت و احترام سے

جو میرے دل میں ہے۔ اپنی اس ناچیز تصنیف کو تخیل کے ہاتھوں حضور سلطانی میں

جو "شہیدِ اکبر اور سلطان المجاہدین" ہے

پیش کرتا ہوں۔

محمود

فہرست مضامین

فہرسِ تصاویر

دیباچۂ طبعِ ثانی

میرے وہم وگمان میں بھی کبھی یہ بات نہ گذری تھی کہ مجھ جیسے ہیچمدان ذرۂ ناچیز کی تصنیف اس قدر مقبولیت حاصل کریگی۔ کہ اس کی شہرت حدودِ ہند سے نکلکر یوروپ اور امریکہ تک پہونچ جائیگی۔ خودستائی ہوگی اگر میں یہاں ان تبصرات کا اعادہ کروں۔ جو اس کتاب پر ہندوستان اور ممالک غیر کے اخبارات ورسائل میں شایع ہوچکے ہیں۔ ایک طرف جب میں اپنی بے بضاعتی اور دوسری طرف کتاب کی اس مقبولیت کو دیکھتا ہوں تو میرا سر بے اختیار اس خدائے جلِ جلالہٗ وعم نوالہٗ کی بارگاہِ صمدیت میں جھک جاتا ہے جو اپنے بندوں میں جس کسی کو چاہتا ہے۔ عزت بخشتا ہے۔

میں صمیم قلب سے ان تمام مدیرانِ اخبارات ورسائل اور مشاہیر ومورخین کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے کتاب پر اپنے گرانبہا تبصرات سے مجھے ممنون فرمایا۔

کتاب کا پہلا ایڈیشن بہت ہی قلیل عرصہ میں ختم ہوگیا۔ مانگ برابر جاری تھی اور اصرار ہونے لگا کہ دوسرا ایڈیشن جلد از جلد شائع کیا جائے۔ لیکن میرا ارادہ تھا کہ اس سے پہلے سلطنتِ خداداد کے متعلق بقیہ حالات کو ایک دوسری جلد میں شائع کروں اس جلد کا حجم تقریباً ڈھائی سو صفحات ہوتا۔ لیکن جب پہلے ایڈیشن کی مانگ نے مجھے

مجبور کردیا تو میں نے دوسری جلد کا ارادہ ترک کرکے اس کے مضامین کو اسی کتاب میں شامل کردیا۔ اس سے سہولت یہ ہوی کہ کتاب میں ایک تاریخ وار ربط پیدا ہوگیا۔ اس لئے کتاب کا یہ دوسرا ایڈیشن پہلے ایڈیشن سے بالکل مختلف ہے۔ البتہ "سخنہائی گفتنی" اور "مقدمہ" جو سٹہ وع صفحات میں ہیں۔ وہی رہنے دئے گئے جو پہلے ایڈیشن میں موجود تھے۔

اب قریباً چار سال کے بعد کتاب کا دوسرا ایڈیشن ملک کے آگے پیش کیا جارہا ہے۔ یا بالفاظ دیگر سلطنت خداداد کی مکمل تاریخ ایک ہی جلد میں شائع ہورہی ہے اس دوسرے ایڈیشن کیلئے میں نے جس قدر محنت کی ہے۔ اس کا اندازہ کتاب کے مطالعہ سے ہوسکتا ہے۔ اگر ابنائے ملک نے اس سے کوئی سبق سیکھا اور فائدہ اٹھایا تو میں سمجھونگا کہ میری محنت مشکور ہوگئی۔

ناچیز

محمود

بنگلور۔ مورخہ ۷ رجولائی ۱۹۳۹ء



مصنفِ کتاب

سخن ہائے گفتنی

تاریخ سلطنت خداداد لکھنے سے پیشتر اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ ہندوستان کی آج کل کی مروجہ تاریخیں اور خصوصاً عہد عالمگیر اورنگ زیب سے آج تک کی تاریخ کچھ اس طرح لکھی ہوی ہے کہ صحیح حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ اور ایک مورخ کو باوجود کوشش کے بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ جن واقعات کو لکھ رہا ہے۔ ان میں کس قدر صداقت ہے۔ آج کل جتنی تاریخیں مروج ہیں وہ تمام کی تمام ایک ہی رنگ میں اور ایک خاص مقصد کو لی ہوئی ہیں۔ یعنے ہندوستان کے قدیم طرز حکمرانی پر نکتہ چینی ہو اور دیسی حکمرانوں کی برائیاں کھول کھول کر دکھائی جائیں۔ اور واقعات پر کچھ اس طرح پردہ ڈالا گیا ہے کہ اصل اور نقل کی تمیز ہی نہیں ہوتی۔ مدارس میں پڑھانے کے لئے ہر سال نئے نئے مورخین کی تصانیف پیش کی جاتی ہیں۔ مگر وہ دراصل ایک دوسرے کی نقل ہوتی ہیں اور مصنفین کا مقصد تحقیق نہیں بلکہ جلب منفعت ہوتا ہے۔ ان تاریخوں سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضۂ ہندوستان کے متعلق جو نقش ایک ناظر کے دل پر بیٹھتا ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان طوائف الملوکی اور لوٹ مار کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ انسانیت کے نام پر یہاں کے باشندوں کو اس ظلم و ستم سے بچانے کیلئے جن میں وہ گرفتار تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس ملک پر قبضہ کر لیا۔ اگر ہندوستان کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا جاتا تو آج یہ ملک چند وحشیوں کی مامن گاہ بنا ہوا ہوتا۔ بلکہ آج بھی انگلستان میں یہی کہا جاتا ہے کہ ہندوستان پر انگریزی قبضہ صرف ہندوستانیوں کی بھلائی کے

لئے ہے۔ اس لئے کمپنی اپنا روپیہ اور خون بہا کر ہندوستان کی نجات کا باعث ہوئی۔
اور دوسرا الزام دیسی حکمرانوں پر یہ دیا جاتا ہے۔ کہ ان میں حد درجہ مذہبی
تعصب تھا جس کی بنا پر انہوں نے غیر مذہب والوں پر تشدد کیا۔ اور اس سلسلہ میں
علاوہ اور حکمرانوں کے عالمگیر اورنگ زیب اور ٹیپو سلطان شہید خاص طور پر ہدفِ
ملامت بنے ہوئے ہیں۔

دراصل یہ اسی قسم کی تاریخوں کا اثر ہے جو بچوں کے دل میں سرایت کر کے
انہیں ایک دوسرے سے عناد رکھنے کے لئے بچپن ہی سے آمادہ کر دیتا ہے۔ اس لئے ضرورت
ہے کہ ہندوستان کی ایک صحیح اور اصل تاریخ لکھی جائے۔ اور واقعی اگر دیسی حکمرانوں میں
برائیاں موجود ہوں تو انہیں واضح طور پر دکھایا جائے۔ تاکہ دوسرے حکمرانوں کی آنکھیں
کھلیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور انگریزوں کا دعویٰ کس حد
تک حق بجانب ہے۔ اور انہوں نے ملک پر قبضہ کرنے کیلئے کن وسائل سے کام لیا۔
اس قسم کی ایک صحیح تاریخ لکھنے میں جو مشکل ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کی تاریخ کا
مسئلہ ابھی تک حدود سیاست کو چھوڑ کر باہر نہیں نکلا۔ اور خوف کیا جاتا ہے کہ اس قسم
کی کتاب راعی اور رعایا میں منافرت ڈالنے والی نہ سمجھ لی جائے۔ دوسری مشکل یہ
ہے کہ وہ کاغذات جن میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد کی تاریخ منضبط ہے۔ ہندوستان
میں نہیں بلکہ انگلستان میں انڈیا آفس یا پارلیمنٹ میں ہیں۔ جہاں آسانی سے رسائی نہیں ہو سکتی
اور پھر جو کاغذات کہ وہاں بھی مل سکتے ہیں۔ ان کے متعلق بھی خود انگریزی مورخ ہی لکھتے
ہیں۔ چنانچہ مسٹر جیمس مل لکھتا ہے:-

"ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کو اصلی واقعات کے چھپانے میں ید طولیٰ حاصل ہے"۔

اور ایک دوسرا مورخ مسٹر کننگھم لکھتا ہے :-

"حکومت کے تاریخی کاغذات میں اس درجہ رد و بدل کیا جا سکتا ہے کہ وہ موجودہ عارضی سیاست پر چسپاں ہو سکے"

آگے چل کر یہی مورخ لکھتا ہے :-

"جعلی سندات بنائے گئے ہیں۔ جن پر وزارت کی مہر ہوتی ہے۔ تاکہ لوگوں کو یقین آ جائے، ہمیں اس سلسلۂ فریب سے بہت ہوشیار رہنا چاہیئے"

ان مشکلات کا خیال کرتے ہوئے یہ کوشش نہیں کیجاتی کہ ایک صحیح تاریخ لکھی جائے۔ مگر کچھ نہ کئے جانے سے بہتر ہے کہ کچھ کیا جائے اور اس کے لئے جو کچھ مواد مل سکتا ہے۔ وہ ان تاریخوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جن کو چند انصاف پسند مورخین نے لکھا ہے اور اسکے ساتھ ہی موجودہ تواریخ میں بھی بہت کچھ مواد ہے۔ اور ایک نکتہ رس نظر اس ڈھیر میں بھی حق کو باطل سے علیحدہ کر سکتی ہے۔ تاریخ کے مرتب کرنے میں مقامی روایات بھی بہت کچھ مدد دیتی ہیں۔ اور ان کے انتخاب میں بھی احتیاط لازمی ہے۔ انہیں موانع کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہندوستان کی کوئی صحیح تاریخ لکھی نہیں جاتی۔ مگر ایک قوم کے لئے اس کی اپنی تاریخ کی جس قدر ضرورت ہے۔ اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اس لئے امید ہے کہ ہندوستانی مورخ اس ضروری اور اہم کام کو اپنے ہاتھ میں لیں گے۔

سلطنت خداداد میسور کی تاریخ بھی تاریخ ہندوستان کی ایک کڑی ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں مورخ ہوں اور نہ ادیب۔ صرف ایک فرض منصبی اور تاریخ کی اہمیت کا خیال کرتے ہوئے میں نے اس کتاب کی تصنیف اپنے ذمہ لی۔ کتاب کا جہاں تک نواب حیدر علیؒ اور ٹیپو سلطانؒ سے تعلق ہے۔ مکمل ہے۔ اس میں صرف طوالت کے خیال سے

ہر لڑائی کی تفصیل اور مختلف سپہ سالاروں اور سپاہیوں کی چھوٹی چھوٹی کارگذاریاں جو عین لڑائی میں ان سے ہوئیں۔ چھوڑ دی گئی ہیں۔ مگر اس کے عوض یہ ضروری سمجھا گیا کہ اس وقت کی سیاستِ ہندوستان کی تاریخ نہایت وضاحت سے دکھلائی جائے۔ تاکہ واقعات اور نتائج آسانی سے سمجھ میں آجائیں۔ اس لئے کہیں کہیں ان واقعات کو دُہرایا بھی گیا ہے۔

اب اخیر میں صرف اتنا عرض کرنا باقی رہگیا ہے کہ اس تاریخ میں حیدرآباد۔ ارکاٹ۔ میسور وغیرہ کے واقعات بھی جن کا تعلق سلطنتِ خداداد سے رہا۔ دیے گئے ہیں۔ بحیثیت تاریخی واقعات ہونے کے ان سے گریز ناممکن تھا۔ واقعات تاریخی ہیں۔ اس لئے انہیں بھی اسی نظر سے دیکھا جائے۔ مٹنے والے مٹ چکے اور ان کے عیوب و محاسن بھی انہیں کے ہمراہ چلا گئے۔ تاریخ صرف انہیں یاد دلاتی ہے کہ آئندہ آنے والی نسلیں ان سے سبق حاصل کریں۔

محمود

مقدمہ

۱۷۰۷ء میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد عظیم الشان سلطنتِ مغلیہ پارہ پارہ ہوگئی۔ تمام ہندوستان میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ ان حالات میں اگر کسی بہادر سپاہی کے دل میں جس کے لئے قدرت نے خود راستے کھولدئے ہوں۔ اولوالعزمی جانبازی اور جہانگیری کے ولولے پیدا ہوں تو تعجب کی کونسی بات ہے؟ جنوبی ہندوستان کا یہ نامور ہیرو جس کے حالات زندگی ہم قلمبند کر رہے ہیں۔ ایک ایسے وقت میں پیدا ہوا جبکہ ہندوستان میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ اور تمام ملک ہمالیہ سے لیکر راس کماری تک لوٹ مار، قتل و غارتگری کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ اس افتراق انگیز صورت حالات سے ہر شخص متاثر ہوتا اور ایک معمولی سپاہی بھی جو ہتھیار باندھکر گھر سے نکلتا۔ اس کا منشا یہی ہوتا کہ کسی کو لوٹ کر بے شمار دولت حاصل کرے۔ اس زمانے میں لوٹ مار ایک معمولی بات تھی اور یہ کوئی مذموم حرکت نہ سمجھی جاتی تھی۔ اور ایسے وقت میں ایک اولوالعزم انسان کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہ تھا کہ اپنی شمشیر خارا شگاف کی مدد سے ملک پر قبضہ کرکے رفتہ رفتہ تاج و تخت کا مالک بنجائے۔ ہمارا یہ نامور ہیرو بھی اسی زمانہ میں پیدا ہوا۔ اور چونکہ اسکی رگوں میں سپہگرانہ خون دوڑ رہا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی اسکے دل میں اولوالعزمی اور ناموری کے جذبات بھی موجزن تھے۔ اس نے اپنی پوری قوت کو صرف کر دیا۔ کہ دنیا میں اپنا نام ایک جانباز سپاہی اور فاتح کی حیثیت میں چھوڑ جائے۔ اس بہادر سپاہی نے نہ تو انگریزوں کی طرح سیاسی چالوں سے کام لیا۔ اور نہ دوسرے صوبہ داروں کی طرح حرص اور فریب سے کام لیکر اپنے بادشاہی ملک پر قبضہ کیا۔ بلکہ اس نے محض اپنی بہادری۔ استقلال

اولوالعزمی اور عزم بالجزم سے اپنے آپ کو ایک سپاہی کے درجہ سے تاج و تخت کے مرتبہ بلند تک پہنچایا۔ اسکی جنگی تدابیر اور اسکی شمشیر آبدار نے ایک طرف اگر مرہٹے اور نظام حیدرآباد کے قصرِ شاہی میں زلزلے ڈالدیئے تو دوسری طرف نواب کرناٹک اور انگریزوں کے گھروں میں بھی صفِ ماتم بچھادی۔

آج تاریخ ہند ماتم کررہی ہے کہ باوجود اس جنگی فراست و دانائی کے ہمارے اس نامور ہیرو نے ایک ایسی فاش غلطی کی کہ جس کے باعث آج ہندوستان تسفل اور تعبد کی زندگی بسر کررہا ہے۔ اگر مدراس کا عہدنامہ نہ لکھا جاتا تو ہندوستان کی تاریخ آج بالکل مختلف ہوتی۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی (انگریز) کے کارنامے داستان پارینہ سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے مگر قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ جس کا نتیجہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

بہرحال نواب حیدرعلی کی اس غلطی کو ہم اس لئے قابل معافی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ سپاہی تھا جس کو اپنی تلوار پر بھروسہ تھا۔ اسکے علاوہ اسوقت اس نے بہتر یہی سمجھا کہ فرانسیسیوں کے مقابلے میں انگریزوں کا رہنا بھی ملک میں ضروری ہے۔ اسکو کیا معلوم تھا کہ اسکی یہ کارروائی آئندہ چلکر تاریخ ہند میں اتنا بڑا انقلاب پیدا کردیگی۔ کہ تمام ہندوستان ملکیوں کے قبضہ سے نکلکر غیرملکیوں کے قبضہ میں چلاجائیگا۔ اور خود اسکی نسل تاج و تخت سے محروم کردیجائیگی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ زمانے کی ستم ظریفی دیکھئے کہ جس دشمن کو اس نے شکست دیکر قابلِ اعتناء نہ سمجھا اور اس کے ساتھ

"افعی کشتن و بچہ اش رانگاہ داشتن"

کے مقولہ پر عمل کیا۔ اسی نے اسکی نسل کے ساتھ اس مقولہ پر

"کار خردمنداں نیست"

کا حاشیہ چڑھایا۔

بہر صورت یہ ہمارا نامور ہیرو گوشۂ گمنامی سے نکلکر ناموری کی اس حد تک پہونچتا ہے جو اسکے لئے روز ازل سے مقدر ہو چکی تھی۔ وہ دنیا سے جس وقت متعارف ہوا تو معمولی سپاہی تھا اور جس وقت اسے آغوش لحد کے سپرد کیا گیا تو وہ ایک نامور فاتح اور مالک تاج و تخت تھا۔ اور اپنے پیچھے شجاعت اور بسالت کی دھاک کچھ اس طرح بٹھا گیا کہ آج جنوبی ہند کا بچہ بچہ اس کو حیدر علی کے نام سے نہیں بلکہ "بہادر" کے لقب سے یاد کرتا ہے۔ اور حقیقت میں وہ بہادر ہی تھا۔ جنوبی ہندوستان نے بہادری کا ایسا بے مثل نمونہ کبھی نہیں دیکھا تھا اور یہی وجہ اس کے نام کی ہے۔

اس نامور ہیرو کی سوانح زندگی شروع کرنے سے پہلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ عام طور پر تاریخوں میں اسکی سخت گیری اور غارتگرانہ اقدامات کے متعلق جو اعتراضات کئے گئے ہیں۔ ان پر کچھ لکھوں، اور انگریزی مورخین نے اسکو "غاصب سلطنت میسور" جو مشہور کر رکھا ہے۔ اسکی کماحقہ تردید کروں۔

یہ صحیح ہے کہ نواب حیدر علی خاں نہایت سخت گیر حاکم تھا۔ اور جب کبھی میدان جنگ میں اترتا تھا تو لوٹ مار کا حکم دیکر شہر اور دیہات تباہ کر دیتا۔ بلکہ کھیتیوں کو بھی جلا کر خاک سیاہ کر دیتا تھا۔ وہ زمانہ ہی ایسا تھا کہ ہر شخص لوٹ مار اور غارتگری کو اپنی گذر اوقات کا وسیلہ سمجھتا تھا۔ نواب حیدر علی کو جنگ میں دشمنوں کا مقابلہ کرنا تھا۔ اور شہروں اور دیہات میں بسنے والے لوگ ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے کہ جس طرف کا پلہ بھاری ہو۔ اس طرف ملجائیں۔ اور چونکہ نقل و حرکت اور وسائل حمل و نقل کے وہ وسیع ذرائع موجود نہیں تھے جو آج اس زمانہ میں موجود ہیں۔ اس لئے ان لوگوں پر قابو پانے کیلئے یہ ضروری تھا کہ انہیں

بے کس اور بے دست و پا بنا دیا جائے۔ کہ یہ لوگ موقع پا کر دشمن کے ساتھ ملکر فساد نہ کریں اور قوتِ مسلّطہ کیلئے فتنہ کا باعث نہ ہوں اور اس کے علاوہ اسوقت چونکہ جنگ کی کامیابی کا انحصار غلّہ اور دیگر اسباب معیشت پر تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ غنیم کو کوئی چیز ہاتھ نہ لگے۔ یہ ایک سخت غلطی ہے کہ ہم اس زمانہ کو موجودہ زمانہ کے ساتھ تطابق دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ریل۔ تار۔ ٹیلیفون جہاز اور طیاروں نے دنیا کی طنابیں کھینچکر رکھدی ہیں۔ اگر دنیا کے کسی ایک حصّہ میں جنگ ہو تو دنیا کے اطراف و اکناف سے ریل اور جہازوں کے ذریعہ سامانِ خورد و نوش اور سامانِ حرب لایا جاتا ہے۔ مگر اس زمانہ میں اس قسم کے ذرائع مفقود تھے۔ اور جو کچھ حاصل کیا جاسکتا تھا۔ اسی محدود علاقہ میں حاصل کیا جاتا تھا۔ جہاں جنگ ہوا کرتی تھی۔ اس نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے۔ تو حیدر علی نے جو کچھ کیا اس میں وہ حق بجانب تھا۔ انگریز مورخین سے بجا طور پر یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ انگریزی فوجیں اس وقت کہاں سے رسد حاصل کیا کرتی تھیں؟ اور حیدر علی کو انگریزی علاقہ سے رسد نہ ملنے کیلئے انگریز کیا کرتے تھے؟ اس امر کو ہم ماننے کیلئے تیار ہیں کہ حیدر علی سخت گیر تھا اور ان قوموں سے جو اسکی اطاعت سے منحرف ہوتی تھیں سختی سے باز پرس کرتا تھا۔ دنیا کی تاریخ ایسے ہی واقعات سے بھری پڑی ہے۔ حکمران قومیں اپنے دشمنوں سے یہی سلوک کرتی آئی ہیں۔ اگر نواب حیدر علی نے بھی اس قانون پر عمل کیا تو وہ ہدف مطاعن کیوں بنایا جاتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں جس کو تہذیب و ترقی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ اور اخلاق و انسانیت کا وعظ ہمارے ناصحین مشفق اس شد و مد سے دیا کرتے ہیں۔ دیکھیں کہ آج کل بھی یوروپین مدعیانِ تہذیب و انسانیت اپنی نافرمان و سرکش رعایا سے کیا سلوک کرتی ہیں۔ یہ تو اب ایک معمولی بات ہوگئی ہے کہ نہتی آبادیوں پر اژدر دم توپوں سے گولے اور عقاب پرواز طیاروں کے ذریعہ بم برسائے

جائیں۔ لہلہاتے ہوئے کھیتوں کو جلا کر خاک سیاہ کرنا آج بھی اسی طرح جائز ہے جسطرح صدی دو صدی پیشتر تھا۔ مگر تعجب ہے کہ حیدر علی اپنی نافرمان رعایا کو سزا دے تو وہ سخت گیر اور ظالم کا نام پائے۔ اور مدعیانِ تہذیب اپنے فعل کو عین رحم و انسانیت قرار دیں

نواب حیدر علی کے مظالم کی تصویر کا ایک رخ دکھلانیوالے اس حقیقت سے بھی واقف ہیں کہ میدانِ جنگ میں حیدر علی ایک تند مزاج، جبار و قہار سپہ سالار تھا، تو امن کے وقت وہ ایک نہایت حلیم، رحمدل اور انصاف پسند بادشاہ تھا۔ اور جس وقت دشمن پر قابو پا جاتا تو پھر اس کا دل اس طرح موم ہو جاتا کہ تواضع اور مدارات کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا۔ اس کا نامور امیر البحر علی راجہ جو اسکی بحری فتوحات کا باعث تھا۔ ایکوقت جب جزائر مالدیپ کے راجہ کو گرفتار کر کے اسکی آنکھیں نکلوا ڈالیں تو حیدر علی نے اسے فوراً معزول کر دیا۔ اور باوجود فاتح ہونے کے اپنے شکست خوردہ حریف راجہ سے معذرت خواہ ہوا۔ اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا جائے کہ مدراس میں جسوقت انگریزوں کا وجود اور عدم اسکے اشارۂ چشم و ابرو کی ایک ادنیٰ جنبش پر منحصر تھا تو اس نے انکے ساتھ کیا سلوک کیا۔

حیدر علی پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ:-

"غاصبِ سلطنتِ میسور"

ہے۔ جس نے راجہ کی ملازمت میں رہکر اسی کے تاج و تخت پر ناجائز قبضہ کر لیا۔ یہ سچ ہے۔ کہ حیدر علی نے میسور کی زمامِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔ مگر کن وجوہ کی بنا پر اس نے ایسا کیا؟ یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ سلطنتِ میسور کی وسعت اور عظمت حیدر علی کے قوتِ بازو کی رہین منت ہے۔ اور باوجود اس عرق ریزی، جانفشانی اور وفاداری کے راجہ میسور اپنے

سپہ سالار کو یہ صلہ دیتا ہے کہ اسکے قید یا قتل کرنیکا حکم جاری کرتا ہے حالانکہ خود اسکے وزراء جب اسکے خلاف سازش کر کے محلات پر گولہ باری کرتے ہیں. تو وہ حیدر علی ہی تھا. جس نے تاج و تختِ میسور کو بچایا. تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ میسور کا راجہ اپنی رانیوں اور وزراء کے ہاتھ میں ایک کٹھ پتلی تھا۔ اور جو اسکو سکھلایا جاتا وہی کرتا۔ اس حالت میں کہ جب وزراء خود نواب حیدر علی کے بنائے ہوئے تھے۔ اور ان نمک حراموں نے خود اسکے خلاف سازش کر کے اسکی جان لینا چاہی. تو حیدر علی سا اولوالعزم سپاہی یہ کب گوارا کر سکتا تھا کہ اس کی قوت بازو سے حاصل کی ہوئی سلطنت اسقدر آسانی کے ساتھ دوسروں کے قبضہ میں چلی جائے۔ اس موقع پر اس نے وہی کیا جو ایک دانشمند انسان جو بار بار ٹھوکریں کھانے کے بعد کر سکتا ہے. چنانچہ یہی ہوا کہ حیدر علی نے خود زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی. مگر راجہ کو بطور ایک باجگذار والئی ریاست کے تین لاکھ کی آمدنی کا ملک دیکر اپنی نگرانی میں رکھا. راجہ کے اعزاز و مراتب وہی قایم رکھے گئے جو اسکو پہلے سے حاصل تھے۔

کیا موجودہ تہذیب و تمدن کی تاریخ اس قسم کا کوئی ثبوت پیش کرتی ہے؟ کون نہیں جانتا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے نوابان ارکاٹ و اودھ. راجگان ناگپور و ستارہ سے کس قسم کا سلوک کیا۔ اگر حیدر علی بھی یہی دل و دماغ لیکر آتا. تو اس کیلئے یہ آسان تھا کہ راجگانِ میسور کے خاندان کا نام و نشان مٹا دیتا یا اس کو شہر بدر کر دیتا۔

اسکے علاوہ دنیا کی تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ ابتدائے آفرینش سے ابتک جتنے حکمران خاندان ہوے ہیں۔ ان میں بانیانِ حکومت ہمیشہ غاصب ہی ہوتے چلے آئے ہیں اور یہی وجہ دنیا میں حکومتوں کے عزل اور نصب کی ہے. قدرت کا قانون ہمیشہ اٹل رہا۔ اور اب بھی اسی طرح اٹل ہے. گذشتہ زمانہ کو چھوڑ کر اگر صرف موجودہ حکمران خاندانوں

کو لیا جائے اور ان کے بانیوں کی سوانحات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر بانیٔ حکومت دوسرے خاندان کی حکومت غصب کرکے ہی سر برآرا ہوا۔ اگر حیدر علی پر ہی یہ الزام آسکتا ہے تو اس کو سوائے تعصب کے اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔

انگلستان میں کرامول، فرانس میں نپولین، روس میں لینن، ترکی میں مصطفےٰ کمال، ایران میں رضا شاہ، افغانستان میں نادر شاہ، جنوبی ہند میں سلطنت وجیانگر کا بانی ہری ہر اول اور آخر میں رام راج اور ترملا جنکی شہرت کا ڈنکا بج رہا ہے۔ کیا یہ تمام کے تمام غاصبانِ حکومت نہیں؟ لیکن الزام دینے سے بیشتر دیکھا جاتا ہے کہ اسوقت کے حالات کیا تھے۔ جن سے مجبور ہو کر انہوں نے ایسا اقدام کیا اور آیا انکی ذات ملک و قوم کیلئے فائدہ مند ہوئی یا نہیں؟ اگر حیدر علی پر غاصب کا الزام آسکتا ہے تو آج دنیا کے تمام حکمران خاندان بھی غاصبانِ حکومت ہی مانے جائیں گے۔ ورنہ شکم مادر ہی سے کوئی بھی تاج و تخت اپنے ساتھ نہیں لایا۔ اور نہ حکومت و سلطنت نے ہمیشہ کیلئے کسی خاندان میں بقا کا درجہ حاصل کیا ہے۔ اگر تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتار کر اس نظریئے کے ماتحت انصاف سے حیدر علی کو دیکھا جائے اور اسکے سلوک پر بھی نظر ڈالی جائے تو بہ نسبت اور بانیانِ سلطنت کے حیدر علی کا کیرکٹر نہایت ارفع و اعلےٰ ہے۔

اب اخیر میں صرف اس غلط فہمی کو دور کرنا باقی ہے۔ جس میں ابھی تک ہمارے بہت سے بھائی مبتلا ہیں۔ ذات۔ پات۔ نسل اور خون کے امتیاز کو اسلام مٹا چکا ہے مگر با وجود اس کے وہ ابھی تک نواب حیدر علی اور اس کے خاندان کو اس بنا پر حقیر سمجھ رہے ہیں۔ کہ وہ ایک نایک تھا۔ اور لطف یہ کہ وہ لفظ نایک کو ایک خاندانی نام تصور کر بیٹھے ہیں حالانکہ نایک ایک فوجی عہدہ تھا۔ جو میسور میں فوجی افسر کو دیا جاتا تھا۔ اور چونکہ ہمارا بہ...

بھی ابتدا میں فوجی افسر تھا۔ اسی لئے اسوقت اس کو نایک کا خطاب دیا گیا۔ اور یہی وہ خطاب ہے جس کو آج انگریزوں نے بھی اپنی فوج میں رائج کر لیا۔ آج انگریزی فوج ہی کی ترکیب دیکھئے کہ کس وضع سے ہوتی ہے۔ سپاہی۔ نایک۔ حوالدار۔ جمعدار اور صوبیدار ایک انگریزی پلٹن کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ انگریزوں نے یہ خطابات ملک کے مختلف حصوں سے لئے اور فوج میں رائج کر دیے۔ نایک تو خاص فوجی خطاب تھا جو میسور میں رائج تھا۔ حوالدار اور جمعدار دکنی سلطنتوں (بیجاپور وغیرہ) میں سیول عہدہ داروں کیلئے مخصوص تھے۔ جو آج افسران پولس اور جمع بندی یعنے سرکاری محصول وصول کرنیوالوں کو دیا جاتا ہے۔ یوں بھی تو آج ایک ضلع کے افسر کو جس کے فرائض اولین میں جمع بندی ہے۔ کلکٹر کہا جاتا ہے۔ جسے اردو میں جمعدار ہی کہہ سکتے ہیں سلطنتِ مغلیہ اپنے صوبوں کے سب سے بڑے افسر کو صوبہ دار کا خطاب دیتی تھی۔ اور یہی آج انگریزی فوج میں ایک ایسے افسر کو جو ڈیڑھ سو روپیہ تنخواہ لیتا ہو۔ دیا جاتا ہے اور اسکے ماتحت پچہتر یا سو سپاہی ہوتے ہیں۔

یہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی پالیسی تھی کہ تسخیر قلوب اس طریق سے کرے۔ کہ لوگ محض نام و نمود کی خاطر اسکی وفاداری کا دم بھرنے لگیں۔ اور بڑے بڑے خطابات کا اس طرح فوج میں دیا جانا ہی وہ راز ہے۔ جو اس وقت انگریزی دیسی فوج کی بھرتی کا سبب بنا۔

اس کلیہ کی تحت حیدر علی کی ترقی نایک سے ہوی۔ اور چونکہ اس وقت میسور میں صوبہ داری رائج نہ تھی (کیونکہ ریاست ہی اس قدر چھوٹی تھی کہ بہ مشکل ایک تحصیل کہلا سکتی تھی) اس لئے صوبہ دار کس طرح ہو سکتے تھے ہم

دنیا کی تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ مشاہیرِ عالم کی ابتدا بالکل معمولی طریق پر ہی ہوئی ہے۔ اسیطرح حیدر علی کا آبائی پیشہ بھی سپہ گری تھا۔ اور حیدر علی بھی ابتدا میں معمولی سپاہی بنا۔ میسور کو اب تک ناز ہے اور ہمیشہ رہیگا کہ اسکی خاک سے ایک ایسا سپاہی اٹھا جسکی شہرت ہندوستان سے نکلکر فرانس اور انگلستان کے قشون قاہرہ تک پہونچی۔ اور اس کی تلوار کی جھنکار سے ہندوستان کی ریاستوں اور سلطنتوں میں تو ایک طرف، سات سمندر پار انگلستان کے سر بفلک ایوانوں میں زلزلے پڑ گئے۔

اپنی قسمت پر تو اے میسور بے حد ناز کر
خاک سے اٹھا ہے تیری ایک فخر روزگار

خدا کی شان ہے کہ یہ بچہ جو ایک معمولی گھرانے اور ایک گمنام گاؤں میں پیدا ہوتا ہے۔ اپنے بے پناہ عزم و استقلال سے تخت میسور پر قابض ہو کر کل جنوبی ہندوستان پر حیدری جھنڈا لہراتا ہے۔ اور جنوبی ہندوستان میں شاہانِ مغلیہ کی حشمت و جلال کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ اور اسکی زبردست شخصیت یہاں تک تاریخ ہندوستان پر اپنا اثر ڈالتی ہے کہ اسکی وفات کی خبر سنتے ہی مرہٹے جو اسوقت علاقۂ بمبئی میں انگریزوں سے جنگ کر رہے تھے۔ اور انگریزوں کی ہستی جنرل گوڈارڈ کی شکست سے انکے رحم پر منحصر ہو چکی تھی۔ ہتھیار ڈال کر صلحنامۂ سالبئی پر دستخط کر دیتے ہیں۔ جسکی وجہ انگریزوں کے قدم علاقۂ بمبئی میں نہایت مضبوطی سے جم جاتے ہیں۔

ہندوستان کا یہ نامور ہیرو اپنی بہت سی خصوصیات میں ظہیر الدین بابر بانئ سلطنتِ مغلیہ سے ملتا جلتا ہے۔ شہنشاہِ بابر میں جو خوبیاں تھیں وہ کم و بیش حیدر علی میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور جس طرح بابر پر عرصۂ حیات تنگ ہو رہا تھا۔ اسی طرح

حیدر علی کو بھی مہالک و مخاطر کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ؎

گہے برطارمِ اعلیٰ نشینم　　گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

حیدر علی کا سب سے نمایاں وصف یہ ہے کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکساں ہر دلعزیز تھا۔ اسکے حالاتِ زندگی مسلمانوں نے بھی لکھی ہے اور انگریزوں اور ہندوؤں نے بھی۔ اور سب کے سب معترف ہیں کہ اسکی نظر میں ہندو اور مسلمان دونوں ایک تھے۔ اور اس کے دل میں ہر مذہب و ملت کیلئے احترام تھا۔ اسکی حیرتناک ترقی۔ اسکے شجاعانہ کارنامے اسکی مذہبی بے تعصبی اور رواداری کے افسانے آج بھی زبان زد خلائق ہیں۔

حیدر علی کے بعد ابو الفتح ٹیپو سلطان سریر آرائے سلطنت ہوا۔ علم و فضل اور دانشمندی کے لحاظ سے ٹیپو سلطان کا درجہ اسقدر اعلےٰ ہے کہ متعصب سے متعصب مورخ بھی تعریف کرتا ہے کہ خاک ہندوستان سے اٹھکر سب سے پہلے جس شخص نے

"ہندوستان۔ ہندوستانیوں کیلئے ہے"

کا کلمۃ الحق بلند کیا۔ وہ سلطان ہے۔ اس کی وسیع النظری دیکھ چکی تھی کہ ہندوستان کی تباہی کا اصل راز یہاں کی مختلف قوموں کی نا اتفاقی میں پنہاں ہے اور یہ بھی اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ انگریزوں کے دلوں میں ہندوستان کی نسبت کیا خیال ہے۔ اور آئندہ انکے منصوبے کیا ہیں۔ حیدر علی بیشک ایک جنگجو سپاہی تھا۔ مگر اس میں رواداری بھی حد درجہ تھی۔ مگر سلطان کی عاقبت بین نظریں دیکھ رہی تھیں۔ کہ اس رواداری کا نتیجہ کیا ہونیوالا ہے۔ لہٰذا جس وقت عنانِ حکومت اسکے ہاتھ آئی تو اس نے اپنی پوری توجہ اتحاد بین المسلمین اور اتحاد بین الاقوامِ ہند پر صرف کر دی۔ ملک کی صنعت و حرفت پر پوری توجہ کی کہ ہندوستان کہیں غیر ممالک کا محتاج نہ ہو جائے۔ سلطان کے یہی عزم و ارادے

تھے. جس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو سلطان کا مخالف بنا دیا. اور اسی مخالفت نے اسکو تمام عمر جنگوں میں مصروف رکھا. مگر باوجود اسکے سلطنتِ خداداد میسور نے صنعت و حرفت اور دیگر فنوں میں جو ترقی کی وہ میسور کو کبھی حاصل نہ ہو سکی. ایسٹ انڈیا کمپنی جان چکی تھی کہ اگر سلطان کو اپنے ارادوں میں کامیاب ہونے دیدیا جائے. تو پھر ہندوستان پر ہرگز قبضہ نہیں ہو سکتا. اس لئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے حیدر آباد اور مرہٹوں کو اپنا لے کر جو کچھ کیا اس کی خود تاریخ شاہد ہے. اس لحاظ سے کہ سلطان ہی وہ پہلا شخص ہندوستان میں گذرا ہے جو استعمار فرنگ سے ہندوستان کو آزاد اور محفوظ رکھنا چاہتا تھا. یا بالفاظ دیگر ہند کا سچا خیر خواہ اور محب تھا. اس لئے تاریخ میں اس کو ایک ایسا بلند مرتبہ حاصل ہے. جو ہندوستان میں اب تک کسی حکمران کو نصیب نہیں ہوا.

دنیا کی تاریخ بمشکل ٹیپو سلطان کا نظیر پیش کر سکے گی. کیونکہ سچے تاریخی حالات آج اسکا ثبوت دے رہے ہیں کہ اسکی عظیم الشان شخصیت ہندوستان میں کیا کرنا چاہتی تھی. اگر زمانہ اس اولوالعزم سلطان کے ارادوں کو پورا ہونے دیتا تو آج ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی. اگر لمحاتِ فرصت میں تاریخ پر اور ٹیپو سلطان کے حالات پر غور کیا جائے تو حیرت ہو جائیگی کہ سلطنتِ خداداد کے زوال سے کتنا بڑا انقلاب ہندوستان پر آیا.

ہندوستان پر سیادت کیلئے انگریز. فرانسیسی. نظام الملک حیدر آباد اور مرہٹوں میں کس طرح کی کشمکش تھی. ان کو خاص سلطان کے حالات میں واضح کر دیا گیا ہے. باوجود ان سخت مصائب میں مبتلا ہونیکے وہ ملک کی ترقی اور رعایا کی فارغ البالی سے بے خبر نہیں تھا. چنانچہ پروفیسر جائیسر (جنہوں نے ریسرچ کی ہے) لکھتے ہیں کہ:-

" اس کے حریف ہمیشہ اس کے مٹانے پر آمادہ اور اندرون سلطنت اس کے خاص

افسر ہمیشہ اس کے زوال کے لئے سازشیں کرتے رہے۔ مگر یہ سلطان ہی کا دل و گردہ تھا کہ سترہ سال تک ان سب کا نہایت خوبی اور کامیابی سے مقابلہ کیا۔"

سلطان نے بار بار کوشش کی کہ نظام الملک اس سے ملجائے۔ مگر افسوس کہ اس نے اپنی سلامتی اسی میں دیکھی کہ غیروں سے ملکر اس شیر کو مٹا دیا جائے۔ نمکحرام وزرا کی غداری اور دشمنوں کی سازشوں کی وجہ سے آخر سلطنتِ خداداد صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔ اس شیر کی لاش پر جب جنرل ہارس آیا تو فرطِ خوشی سے پکار اٹھا کہ:۔

"آج ہندوستان ہمارا ہے۔"

ان الفاظ میں کتنی صداقت پنہاں تھی۔ ذیل کے واقعات اس کا ثبوت دے رہے ہیں۔ اور ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں، کہ کس طرح جنرل ہارس کا لفظ لفظ سچا ثابت ہوا ہے:۔

سنہ ۱۷۹۹ء:۔ تسخیر سرنگاپٹم یعنے زوالِ سلطنتِ خداداد۔ الحاق جنوبی ہند۔ اور میسور میں رزیڈنٹ کا تقرر

سنہ ۱۸۰۰ء:۔ کڑپہ، کرنول، بلاری، اننت پور اور تنجاور پر انگریزی قبضہ،

سنہ ۱۸۰۱ء:۔ کرناٹک سے نواب ارکاٹ کو نکالکر مدراس پہنچا دیا گیا۔ اور کرناٹک کا الحاق انگریزوں نے کرلیا۔

سنہ ۱۸۰۱ء:۔ صوبجاتِ اودھ پر انگریزی قبضہ۔

سنہ ۱۸۰۲ء:۔ مرہٹی سلطنت کا خاتمہ۔ سورت کا عہدنامہ۔ دربار پونا میں انگریزی رزیڈنٹ کا تقرر۔ بڑودہ پر قبضہ۔ اور گجرات کا الحاق

سنہ ۱۸۰۳ء:۔ حیدرآباد میں رزیڈنٹ کا تقرر۔ حیدرآباد انگریزوں کا باجگذار بن گیا۔ ناگپور میں رزیڈنٹ کا تقرر

بندھیل کھنڈ پر انگریزوں کا قبضہ۔

آگرہ اور دہلی پر انگریزوں کا قبضہ

جیپور اور جودہپور پر انگریزوں کا قبضہ

گوالیار میں رزیڈنٹ کا تقرر

۱۸۱۳ء :۔ مراشس پر قبضہ

نیپال میں رزیڈنٹ کا تقرر

۱۸۱۶ء :۔ شملہ۔ مسوری۔ نینی تال۔ لنڈہوری پر قبضہ

۱۸۱۷ء :۔ ناگپور پر قبضہ

۱۸۱۸ء :۔ پونا کے پیشوا کی معزولی اور ملک پر انگریزی قبضہ

۱۸۲۹ء :۔ آسام پر قبضہ اور برما میں رزیڈنٹ کا تقرر

جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے۔ تاریخ اس کا ثبوت دے رہی ہے۔ واقعی انگریزوں کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ ۶ر فروری ۱۸۰۰ء کو کلکتہ میں جشن شان کا جلوس نکلا۔ اور انگلستان میں جو خوشیاں منائی گئیں۔ وہ اس کا بیّن ثبوت ہیں۔ سر جان ایبنس۔ ٹرونھر۔ جو اس وقت کلکتہ کا چیف جسٹس تھا۔ اپنی خوشی کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے :۔

"ٹیپو کی طاقت ہی ہماری فوجوں کو شکست دینے کیلئے کافی تھی۔ یہ اس زمانہ میں خاص طور پر قابل توجہ تھی۔ اس کے مرتے ہی ہندوستان میں ہمارا (انگریزوں کا) قبضہ ہمیشہ کے لئے ہو گیا۔"

کیا عجب ہے کہ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد قدرت نے اہل ہند کو ایک اور سنہری موقع دیا ہو۔ کہ وہ حیدر علی اور اس کے فرزند ٹیپو سلطان کی غیر معمولی صلاحیتوں سے متمتع

ہوں۔ مگر یہ ملک کی بدقسمتی تھی کہ اس نے قدرت کے اس عطیہ سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اسے برباد کر کے چھوڑا۔

کہا جاتا ہے کہ سلطان نہایت سختی سے انتقام لیتا تھا۔ مگر کیا آج حکمران قومیں اپنے دشمنوں سے انتقام نہیں لیا کرتیں؟ تاریخ اس کی شاہد ہے کہ اسی جذبۂ انتقام سے دیوانہ ہو کر کچنر نے مہدی سوڈانی کی ہڈیاں تک قبر سے نکال کر جلا ڈالیں۔ غدر ۱۸۵۷ء میں انگریزی افسروں کے ہاتھوں جو کارروائیاں ہوئیں انکی یاد ابھی دلوں سے محو نہیں ہوئی ہے۔ مگر تاریخِ سلطنتِ خداداد میں ایک مثال بھی اس قسم کی دیوانگی کی نہیں ملتی۔

جس طرح نواب حیدر علی غیر متعصب تھے۔ اسی طرح ٹیپو سلطان کے دل میں بھی ہر مذہب و ملت کے لئے عزت تھی۔ جس کا ثبوت آج ملک کے تمام معابد و منادر دے رہے ہیں۔ گو مدارس کی مروجہ تواریخ لاکھ بھی پردہ ڈالنا چاہیں۔ مگر اصلی تاریخی واقعات اس طرح چھپانے سے نہیں چھپ سکتے۔ سرنگاپٹم و سرینگری کے منادر و جاگیرات زبانِ حال سے سلطان کے الطاف و عنایات کا ذکر پکار پکار کر رہی ہیں۔ اور یہی وہ حسن سلوک تھا کہ اس کی شہادت پر بلا لحاظِ مذہب و ملت ہر ایک نے ماتم کیا۔

باپ اور بیٹے کے یہی وہ کارنامے تھے جو ان کے نام کو اس طرح زندہ رکھے ہوئے ہیں کہ گویا وہ ابھی تک ہمارے درمیان ہیں۔ اور انہیں وہ بلند مرتبہ حاصل ہے۔ کہ آج بھی ان کے مزارات پر عقیدت و احترام کے پھول برسائے جاتے ہیں۔

محمود

مسلمان میسور میں کب آئے ؟

اس قدر زمانہ گذرنے کے بعد یہ ٹھیک طور پر پتہ نہیں لگایا جا سکتا کہ میسور میں مسلمان پہلے پہل کس زمانہ میں آئے؟ یوں تو جنوبی ہندوستان کی تاریخ ہمیں بتلاتی ہے۔ کہ ملک عرب میں جس وقت اسلام کا ظہور ہوا۔ ملیبار و کوکن میں بھی اسی زمانہ میں اس مذہب کی داغ بیل پڑ گئی تھی۔ ضلع ملیبار جنوب میں اور کوکن ملک میسور کے شمال میں واقع ہیں۔ اس لئے قرین قیاس ہے کہ اولیاءاللہ اور دوسرے مبلغین اسلام کی کوششوں سے ملک میسور میں بھی کچھ لوگ اسلام لائے ہوں۔

انکی موجودگی کا ثبوت مغربی سیاح ابن بطوطہ کی تحریر سے ملتا ہے کہ جب ملک کافور میسور پر حملہ آور ہوا تو راجہ بلالا دیو سوم کے پاس بیس ہزار مسلمان سپاہی موجود تھے ابن بطوطہ لکھتا ہے :-

"راجہ بلال دیو (حاکم دھورسمند۔میسور) کے پاس بیس ہزار مسلمانوں کی فوج تھی۔ جن میں زیادہ تر جنگی قیدی اور غلام تھے۔" (ابن بطوطہ از مولوی محمد حسین یم ۔ اے)

اب سوال یہ ہے کہ یہ جنگی قیدی اور غلام کہاں سے آئے۔ ہوے سالا سلطنت کی تاریخ اس کا جواب دیتی ہے کہ بلالا دیو نے کوکن پر کئی بار فوج کشی کی تھی۔ اور اس فوج کشی کے سلسلہ میں کوکن کے مسلمان قید ہو کر آئے۔ اس لئے یہ ایک غلط خیال ہے کہ میسور میں مسلمانوں کی ابتدا ملک کافور کے حملہ سے ہوئی۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ ان کو جو اہمیت حاصل ہوئی وہ ملک کافور کے حملہ کے بعد سے ہوئی۔ اور اسی لئے مورخین نے میسور میں مسلمانوں

کی آمد ملک کافور کے زمانہ سے بتلائی ہے۔

میسور پر مسلمانوں کا سب سے پہلا حملہ ۱۳۱۰ء میں ہوا۔ اس وقت دہلی کے تخت پر سلطان علاؤالدین خلجی داد سلطنت دے رہا تھا۔ اس زمانے میں انتہائے جنوب میں مدورا کے تخت کے لئے دو بھائی ویر پانڈے اور سندر پانڈے لڑ رہے تھے۔ ویر پانڈے کی تائید پر ہوے سالا راجہ بلالا سوم تھا جبکی راجدہانی ملک میسور میں تھی۔ اور اس کا پایۂ تخت دوار کا سمندرم یعنے موجودہ ہلے بید میں تھا۔ سندر پانڈے نے یہ دیکھکر سلطان علاؤالدین خلجی سے مدد چاہی جس نے ملک کافور کو جنوب پر فوج کشی کرنے کیلئے بھیجدیا۔ ملک کافور نے مدورا آتے ہوئے راجہ بلالا سوم کے پایۂ تخت پر حملہ کیا۔ جنگ میں راجہ کو شکست ہوی۔ ملک کافور یہاں سے ٹمکور، بانا وار۔ بنگلور اور ہسور کے راستے سے مدورا پر بڑھا۔

کافور کے حملے کے بعد ۱۳۱۶ء میں پھر مسلمان اس ملک پر شہنشاہ محمدؐ بن تغلق کے زمانہ میں حملہ آور ہوئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند سال بعد ہوے سالا سلطنت صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔

اگرچہ مسلمانوں کے یہ دو حملے میسور پر ہوئے۔ مگر ان سے پتہ نہیں چلتا کہ کوئی مسلمان خاندان یہاں آباد ہوا ہو۔ ۱۴۰۶ء میں سلطنتِ وجیانگر کے راجہ دیورایا کی بیٹی کی شادی بہمنی سلطان فیروز شاہ سے ہوی۔ اس سلسلہ میں بعض مسلمان خاندان بہمنی سلطنت دکن سے نقل مکان کر کے وجیانگر کی فوجی ملازمت میں داخل ہوگئے۔ اور اس طرح مسلمانوں کا ایک قلیل حصّہ اضلاع بلاری۔ کڑپہ وغیرہ میں پھیل گیا تھا اور ممکن ہے کہ موجودہ حدود میسور میں بھی کوئی خاندان آباد ہوگیا ہو۔ لیکن وجیانگر کے راجہ کرشنا دیورایا کے عہد میں ان تمام مسلمانوں کو جلاوطن کردیا گیا۔ اسکے بعد میسور کا نام تاریخ میں ۱۵۶۵ء میں آتا ہے۔ جبکہ جنوبی

ہندوستان کی سب سے بڑی سلطنت وجیانگر کا خاتمہ تالیکوٹہ کی جنگ میں ہوگیا. اب تک تو مسلمان دریائے کرشنا کے شمال میں ہی تھے۔ فتح وجیانگر کے بعد انکے لئے جنوبی راستہ کھل گیا. بیجاپور کی اسلامی فوجیں ۱۵۷۰ء میں پلگنڈہ تک پہنچ گئیں اور اس طرح میسور کے شمالی حصہ میں مسلمان آباد ہو گئے۔ اور یہاں انکی حکمرانی قایم ہوگئی. گو اسکے بعد مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے حملے اطراف میں ہوتے رہے. مگر ۱۶۳۶ء میں بیجاپور سلطنت مغلیہ کا باجگذار بن گیا. جس کے بعد ہی بیجاپور کی اسلامی فوج رن دولہ خاں کے ماتحت جنوب کی طرف بڑھی. اور تری گرہ بسواپٹن. ہری ہر پر قابض ہوگئی. کاولدرگ فتح کرنیکے بعد سرنگاپٹم پر حملہ ہوا. جو اس وقت پائے تخت تھا. سرنگاپٹم گو اس وقت فتح نہیں ہوا. مگر اسلامی فوج نے ۱۶۳۸ء میں ماگڑی بنگلور اور ساوندرگ پر اپنا قبضہ جما دیا. اب یہ افواج مشرق کی طرف بڑھیں. اور ۱۶۳۹ء میں کولار ہوسکوٹ، ویلور اور چنجی پر قابض ہوگئیں پھر یہ فوجیں پائین گھاٹ سے میسور پر آئیں. ڈوڈبالاپور سرا اور چیلدرگ ۱۶۴۴ء میں مسلمانوں کے ہاتھ آگئے. مفتوحہ علاقہ کو صوبۂ کرناٹک. بالا گھاٹ کا نام دیا گیا. اور شہر سرا کو گورنر کا صدر مقام بنایا گیا. یہ وہ وقت ہے کہ مسلمان بیجاپور سے آکر یہاں آباد ہونا شروع ہو گئے. مشرق میں جو فتوحات ہوی تھیں. ان کو پائیں گھاٹ کا نام دیا گیا۔

اس موقع پر چونکہ سیواجی کا باپ شاہ جی اسلامی عساکر کے ساتھ تھا. اور عمدہ خدمات انجام دے چکا تھا. اس لئے بنگلور بطور جاگیر شاہ جی کو دیدیا گیا. اور اس طرح مرہٹے بھی آکر آباد ہونے لگے۔

چونکہ جنوبی ہند کی اسلامی ریاستیں ایک دوسرے کے ساتھ ہمیشہ آمادۂ فساد رہتی تھیں. اور مرہٹوں سے ملکر سلطنت مغلیہ سے بغاوت کرتی رہتی تھیں. اس لئے

اورنگ زیب عالمگیر ۱۶۸۴؁ء میں جنوبی ہند پر حملہ آور ہوا۔ اور ۱۶۸۶؁ء میں بیجاپور کی سلطنت کا خاتمہ کرتے ہوئے تمام جنوبی ہند پر قابض ہوگیا۔ عالمگیر نے جنوب کے انتظام کیلئے دو صوبہ داریاں قایم کیں۔ ایک ارکاٹ کی اور دوسری سرا کی۔ سرا کا صوبہ بالاگھاٹ میں تھا۔ جس میں میسور واقع ہے۔ سرا کا پہلا مغلیہ گورنر قاسم خاں تھا۔ جس نے میسور فتح کیا تھا۔ اسکے بعد ذوالفقار خاں گورنر ہوا۔ اس کے عہد میں مسلمان میسور کے تمام اطراف واکناف میں پھیل گئے۔ بیجاپور کے مسلمان پہلے ہی سے کچھ آباد تھے۔ اور اب بیجاپور کے سقوط سے وہاں کی کثیر آبادی مغلیہ فوجوں کے ساتھ اضلاع بلاری۔ اننت پور اور میسور میں اٹھ آئی۔ اس لئے میسور میں جس قدر بھی مسلمان آباد ہیں۔ ان میں قریباً نود ۹۰ فی صدی آبادی بیجاپور کے مسلمانوں کی ہے۔

نوٹ:۔ سرا۔ بنگلور سے ۷۰ میل شمال مغرب میں واقع ہے۔ موجودہ آبادی قریب پانچہزار کے ہے۔ سلاطین بیجاپور و سلطنت مغلیہ کے صوبہ داروں کا دارالحکومت رہنے کے باعث اس زمانہ میں یہاں پچاس ہزار مکان آباد تھے۔ سلاطین مغلیہ کا اخیر صوبہ دار دلاور خاں کا محل نہایت شاندار اور مغلیہ طرز تعمیر کا بہترین نمونہ تھا۔ اب بھی اس جگہ ۵۲ مساجد کے آثار نظر آتے ہیں۔ عہد بیجاپور کی مسجد کے علاوہ شہنشاہِ اورنگ زیب عالمگیر کی مسجد اور عیدگاہ اب بھی اچھی حالت میں باقی ہیں۔ یہاں عالمگیر اورنگ زیب کی ایک بیٹی کا بھی مزار ہے۔ سوائے اس مسجد اور عیدگاہ کے تمام شہر اور مساجد وغیرہ ویران پڑے ہیں۔ اور جا بجا کھنڈر اور ٹوٹے پھوٹے مزار اور محلات ایک وسیع رقبہ میں نظر آتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

تاریخ دکن و جنوبی ہند

سلطنتِ خداداد میسور کو دکن اور جنوبی ہند میں جن طاقتوں سے واسطہ رہا ہے۔ جب تک ان کی ایک مجمل تاریخ نہ لکھی جائے۔ سلطنتِ خداداد کی سیاست یا ملک کی اس وقت کی تاریخ سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اس لیے ذیل میں یہ "تاریخ دی جاتی ہے۔

تاریخ میسور

موجودہ ریاستِ میسور جس کا رقبہ ۲۹۴۶۹ مربع میل ہے۔ اور جس کے حدود پر اضلاع بلاری۔ اننت پور اور علاقہ بمبئی شمال میں۔ اضلاع چتور و سیلم اور کوئمتور مشرق میں۔ نیلگری اور ملیبار جنوب میں۔ کورگ۔ کنارا اور علاقہ بمبئی مغرب میں ہے۔ اس کی تشکیل زوال سرنگاپٹم کے بعد ۱۷۹۹ء میں ہوئی۔ اس سے پیشتر ریاستِ میسور صرف اس علاقہ کا نام تھا۔ جو موجودہ دارالریاست میسور اور اس کے مضافات ۳۳ دیہاتوں پر مشتمل تھا اس لئے مورخین نے تاریخ میسور میں اس تمام رقبہ کو جو موجودہ حدود ریاست کے اندر ہے تاریخ میں شامل کر لیا ہے۔

اگرچہ راماین اور مہابھارت میں اس سرزمین کا ذکر آیا ہے۔ مگر تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے جو خاندان یہاں حکمران تھا وہ موریا خاندان تھا۔ چندر گپتہ اور اشوک کے زمانے میں شمالی ہند سے بدھ مذہب کے مبلغین مہیش منڈلا آئے۔ اس زمانہ میں موجودہ

شہر میسور کا نام مہیش منڈلا تھا۔ تاریخ کے لحاظ سے یہ زمانہ اس قدر تاریک ہے۔ کہ ۳۰ ء بعد مسیح تک یہ پتہ بالکل نہیں چلتا۔ کہ یہاں کے حکمرانوں کے نام کیا تھے۔ ۳۰ء بعد مسیح یکے بعد دیگرے اور بیک وقت اس سرزمین پر ستنواناس، مہاولی گنگا، چلوکیا، ہوے سالا اور یڈواخاندان حکمران ہوتے آئے ہیں۔ ۱۰۶۶ء میں موجودہ ریاست میسور کا رقبہ چھ ریاستوں پر منقسم تھا۔ ۱۳۳۶ء میں جنوبی ہندوستان کی وہ زبردست ہندو سلطنت عالم وجود میں آئی۔ جس کا نام تاریخ میں وجیانگر مشہور ہے۔ علاقہ میسور بھی اس سلطنت کے زیر اثر آگیا جنوبی ہندوستان اور میسور میں مسلمانوں کی آبادی کم ہونے کا باعث یہی سلطنت وجیانگر ہے جو تین سو سال یعنے ۱۵۶۵ء تک مسلمان حملہ آوروں کے درمیان حائل رہی۔ سلطنتِ وجیانگر کا ایک گورنر سرنگا پٹم میں مقیم رہتا تھا۔ جو مختلف ریاستوں پر نگرانی کرنے کے علاوہ ان سے خراج بھی وصول کرتا تھا۔ زوالِ سلطنتِ وجیانگر کے بعد اس تمام علاقہ پر سلاطین بیجاپور کا قبضہ ہو گیا۔ جن کے گورنر کا صدر مقام شہر سرا تھا۔ ۱۶۸۷ء میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی فوجیں بیجاپور کا خاتمہ کر کے اس علاقہ پر قابض ہو گئیں۔ چونکہ اس علاقہ کے علاوہ جنوبی ہندوستان کا بہت بڑا حصہ بھی عالمگیر کے زیر اثر آگیا۔ اس لیئے جنوب میں ایک مستقل صوبہ قایم کیا گیا۔ اور اس صوبہ کا صدر مقام سرا تھا۔

شہنشاہِ عالمگیر اورنگ زیب کی وفات کے بعد جب سلطنت مغلیہ کو زوال آنا شروع ہوا تو شہر سرا مرہٹوں اور مسلمانوں کا آماجگاہ بنا رہا۔ اور چونکہ مرہٹے شہنشاہِ مغلیہ سے فرمان حاصل کر چکے تھے۔ لہٰذا انہوں نے ان ریاستوں سے خراج وصول کرنا شروع کر دیا۔

ان تمام ریاستوں کا نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے یکے بعد دیگرے خاتمہ کر دیا

صرف ایک ریاستِ میسور جس پر خاندان اوڈیر حکمران تھا۔ اور جس کی راجدہانی سرنگاپٹم میں تھی باقی رہی۔ نواب حیدر علی کی ملازمت اسی خاندان میں ہوئی۔ اور اس حیثیت سے نواب اور ٹیپو سلطان ہمیشہ اس خاندان کو اپنا مربّی سمجھتے رہے۔ اور یہیں سے انھوں نے ترقی کرتے کرتے سلطنتِ خداداد میسور کی بنیاد رکھی۔ جس کا رقبہ اٹھتّر ہزار میل سے اوپر تھا سلطنتِ خداداد میں ریاست میسور کی حیثیت ایک باجگذار کی رہگئی۔ جس پر حیدر علی اور ٹیپو سلطان نگران تھے۔ مگر راجہ کے اعزاز و مناصب اسی طرح قایم رہے۔ جس طرح پہلے تھے۔ دسہرہ کے موقع پر راجہ کا جلوس اسی شان و شوکت سے نکلتا تھا۔ جس طرح پہلے نکلا کرتا تھا۔ اس موقع پر جو دربار ہوتا تھا۔ اس میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی جانب سے بھی نذر گذاری جاتی تھی۔ نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے لئے یہ بالکل آسان تھا کہ اس ریاست کا نام و نشان مٹا دیتے۔ مگر بحیثیت مسلمان ہونے کے انھوں نے احسان کا بدلہ احسان ہی دیا۔ اور اسی سلوک کا نتیجہ ہے کہ آج بھی خاندان اوڈیر تخت میسور پر حکمران ہے مگر آج کل کی حکمتِ عملی کو کیا کیا جائے کہ مورخین تعصب اور جلب منفعت کا شکار ہوکر حیدر علی کو غاصبِ سلطنت کہہ رہے ہیں۔

موجودہ حکمران خاندانِ میسور کی تاریخ

موجودہ حکمران خاندان اوڈیر کی ابتدا ۱۳۹۹ء سے ہوتی ہے۔ اس کے آگے میسور کی مختصر تاریخ

"تاریخ میسور"

والے مضمون میں دیگئی ہے۔ اس وقت یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس زمانے میں ریاستوں

کا عزل ونصب صرف حکمرانوں کی زندگی وموت سے وابستہ ہوتا تھا۔ موجودہ وقت ہڈناڈ اور کاروگ ہلی میسور کے قریب بالکل معمولی دیہات ہیں۔ ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ریاستیں بالکل معمولی تھیں۔ بلکہ اس قدر چھوٹی کہ ان کو جاگیر کا خطاب دیا جاسکتا ہے مگر اس زمانہ میں دشمن سے حفاظت کرنے کے لئے یہ جاگیردار جن کو پالیگار کہا جاتا ہے فوج بھی ملازم رکھتے تھے۔

تاریخ میسور سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۳۹۹ء میں دوارکا سے دو بھائی وجیارایا اور کرشنارایا جنوب کی طرف آئے۔ اور ہڈناڈ میں جو میسور کے قریب ہے۔ بنیاد ریاست ڈالی۔ یہ ایک دلچسپ کہانی ہے۔ ہڈناڈ کے راجہ کے مرنیکے بعد اسکی بیٹی دیواجی منی سے ایک قریبی علاقہ کاروگ ہلی کا راجہ شادی کرنا چاہتا تھا۔ مگر نیچ ذات ہونے کی وجہ سے رانی اس رشتہ پر راضی نہیں تھی۔ راجہ کاروگ ہلی نے ہڈناڈ پر قبضہ کر لیا اور جبراً شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ایسے وقت میں وجیارا اور کرشن رایا نے رانی سے سازش کر کے عین شادی کے موقع پر کاروگ ہلی کے راجہ کو قتل کر دیا۔ جس کے بعد کاروگ ہلی کی فوجیں منتشر ہو گئیں۔ اور وجیارایا سے اس لڑکی کی شادی قرار پائی۔ اور یہ ہڈناڈ کا راجہ بن گیا۔ اور اس طرح ہڈناڈ کی حکومت وجیارایا کے خاندان میں منتقل ہو گئی۔ سلطنت وجیانگر جب تک رہی۔ ہڈناڈ کی ریاست اسکی باجگذار رہی۔ مگر جب وجیانگر کا زوال ہوا اس وقت نمراج وڈیار نے علم آزادی بلند کر کے سرنگاپٹم کو ۱۵۶۶ء میں دارالحکومت بنایا اس کے بعد ہی میسور میں مسلمانوں کی آمد شروع ہو گئی۔ اور ریاست میسور سلاطین بیجاپور کی باجگذار بن گئی۔ ۱۶۸۷ء میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے ان علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اور یہ ریاست سلطنت مغلیہ کی باجگذار بن گئی۔ ۱۶۹۶ء میں مرہٹے سرنگاپٹم پر حملہ آور ہوئے

مگر انہیں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ چونکہ اس وقت شہنشاہِ ہندوستان عالمگیر اورنگ زیب جنوبی ہندوستان میں تھا۔ اس لئے راجہ چکدیوارایا اوڈیر نے اپنا رسوخ بڑھانے کیلئے دربارِ عالمگیر سے اطاعت ووفاکیشی کے طور پر تحائف روانہ کئے۔ جس کے صلہ میں دربارِ عالمگیر نے اس کو خطاب جگدیوا ملا۔ نوبت ونقارہ رکھنے کا حکم ہوا۔ اور راجہ کے بیٹھنے کیلئے ہاتھی دانت کا ایک تخت بھی دیا گیا (جو ابھی تک میسور میں ہے) دلّی کے انحطاط پر ایک طرف تو حاکم سرا نواب بن بیٹھا۔ اور دوسری طرف میسور کے راجہ خودمختار ہو گئے۔

۱۷۲۴ء میں ارکاٹ کا پہلا نواب سعادت اللہ خاں نواب سرا کی امداد سے سرنگاپٹم پر حملہ آور ہوا۔ اور ایک کروڑ روپیہ زرنقد وصول کیا۔ اس کے دو برس بعد ۱۷۲۶ء میں مرہٹی فوجوں نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا۔ اور بے شمار مال ومتاع لیکر واپس ہوئے ان حملوں نے حکومت کو کمزور کر دیا۔ ۱۷۲۰ء میں راجہ کا انتقال ہو گیا۔ اور وزراء نے اسکے ایک متبنی لڑکے کو گدی نشین کیا۔ جو ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنکر رہا۔

اس راجہ کے بعد اس کا متبنی لڑکا چامراج اوڈیر راجہ ہوا۔ اور اس نے وزیروں کو معزول کر دیا۔ جس کی وجہ سے وزراء نے سازش کر کے راجہ کو قید کر دیا۔ اور ایک تین سالہ لڑکے کو اس کا متبنی بنا کر اسی کے نام سے حکومت کرنے لگے۔ اس لڑکے کا نام کرشنا راجہ اوڈیر تھا۔ ۱۷۲۹ء میں وزیر ننجراج جو دراصل ڈکٹیٹر تھا مر گیا۔ اور اسکی جگہ کراچری ننجراج وزیر بنا۔ اور اسی کے عہد میں نظام الملک ناصر جنگ سرنگاپٹم پر حملہ آور ہوا تھا۔ ۱۷۵۹ء میں پہلی دفعہ میسوری فوجیں حدودِ میسور سے نواب محمد علی والاجاہ کی امداد کیلئے باہر نکلیں۔ اور جنگِ ترچناپلی میں حصہ لیا۔ حیدر علی بطور ایک افسر کے اس جنگ میں شریک تھے۔ جس

کا بیان واقعاتِ حیدر علی میں آئیگا۔ ذیل میں آگاہی کے لئے خاندانِ میسور کا شجرہ دیا جاتا ہے۔

موجودہ حکمرانِ خاندانِ میسور کا سلسلۂ نسب

۱۔	یدورایا وجیا	سنہ ۱۳۹۹ء	سے	سنہ ۱۴۲۳ء تک
۲۔	چام راج اوڈیر اول	سنہ ۱۴۲۳ء	"	سنہ ۱۴۵۸ء "
۳۔	تمراجہ اوڈیر اول	سنہ ۱۴۵۸ء	"	سنہ ۱۴۷۸ء "
۴۔	چامراجہ اوڈیر دوم	سنہ ۱۴۷۸ء	"	سنہ ۱۵۱۳ء "
۵۔	چامراجہ اوڈیر سوم	سنہ ۱۵۱۳ء	"	سنہ ۱۵۵۲ء "
۶۔	تمراجہ اوڈیر دوم	سنہ ۱۵۵۲ء	"	سنہ ۱۵۷۱ء "
۷۔	چامراجہ اوڈیر چہارم	سنہ ۱۵۷۱ء	"	سنہ ۱۵۷۶ء "
۸۔	چامراجہ اوڈیر پنجم	سنہ ۱۵۷۶ء	"	سنہ ۱۵۷۸ء "
۹۔	راجہ اوڈیر اول	سنہ ۱۵۷۸ء	"	سنہ ۱۶۱۷ء "
۱۰۔	چامراجہ اوڈیر ششم	سنہ ۱۶۱۷ء	"	سنہ ۱۶۳۷ء "
۱۱۔	راجہ اوڈیر دوم	سنہ ۱۶۳۷ء	"	سنہ ۱۶۳۸ء "
۱۲۔	کنٹی روا نرسم راجہ اوڈیر	سنہ ۱۶۳۸ء	"	سنہ ۱۶۵۹ء "
۱۳۔	ڈوڈ دیو راجہ اوڈیر	سنہ ۱۶۵۹ء	"	سنہ ۱۶۷۲ء "
۱۴۔	چک دیوا راجہ اوڈیر	سنہ ۱۶۷۲ء	"	سنہ ۱۷۰۴ء "
۱۵۔	کنٹی روا اوڈیر	سنہ ۱۷۰۴ء	"	سنہ ۱۷۱۵ء "

۱۶	دوڈ کرشنا راجہ اوڈیر	۱۷۱۵ء	سے	۱۷۳۱ء تک
۱۷	چامراجہ اوڈیر ہفتم	۱۷۳۱ء	"	۱۷۳۴ء "
۱۸	کرشنا راجہ اوڈیر	۱۷۳۴ء	"	۱۷۶۶ء "
۱۹	نبجراجہ اوڈیر	۱۷۶۶ء	"	۱۷۷۰ء "
۲۰	چامراجہ اوڈیر ہشتم	۱۷۷۰ء	"	۱۷۷۶ء "
۲۱	چامراجہ اوڈیر نہم	۱۷۷۶ء	"	۱۷۹۶ء "
۲۲	کرشنا راجہ اوڈیر سوم	۱۷۹۶ء	"	۱۸۳۲ء "

نوٹ:۔ کرنل ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔ کہ اوڈیر جمع ہے وڈیا کی۔ جو کنٹری زبان کا ایک لفظ ہے۔ جسکے معنے صاحب یا مالک کے ہوتے ہیں۔ اور اس وقت سلطنتِ وجیانگر میں یہ خطاب ایک چھوٹے ضلع کے گورنر کو دیا جاتا تھا۔ جس کے ماتحت ۳۳ دیہات ہوتے تھے۔ (تاریخ رئیس)

سلطنتِ خداداد کا خاتمہ ۱۷۹۹ء میں ہوگیا۔ راجہ کرشنا راجہ اوڈیر سوم کو موجودہ ریاستِ میسور دیوان پورنیا کی نگرانی میں دی گئی۔ ۱۸۳۲ء میں راجہ کو معزول کر کے ایسٹ انڈیا کمپنی نے ریاست کا انتظام ایک کمیشن کے سپرد کر دیا۔ یہ انتظام پچاس سال تک قایم رہا۔ اور اسکے بعد پھر ریاست اسی خاندان میں مہاراجہ چامراجہ اوڈیر کو تفویض کردی۔

تاریخِ نوابانِ ارکاٹ

خاندانِ نایطہ

نواب محمد سعید عرف سعادت اللہ خاں
سنہ ۱۷۱۰ء سے سنہ ۱۷۳۲ء

دوست علی (برادر زادۂ نواب سعادت اللہ خاں)
سنہ ۱۷۳۲ء سے سنہ ۱۷۴۰ء

صفدر علی
سنہ ۱۷۴۰ء سے سنہ ۱۷۴۲ء

محمد سعید
سنہ ۱۷۴۰ء سے سنہ ۱۷۴۳ء

دختر
اس لڑکی کی شادی حسین دوست خاں عرف چندا صاحب سے ہوئی۔

خاندانِ انوری

انوار الدین
سنہ ۱۷۴۳ء سے سنہ ۱۷۴۹ء

محفوظ خاں

محمد علی والاجاہ
سنہ ۱۷۴۹ء سے سنہ ۱۷۹۵ء

عبدالوہاب خاں

عمدۃ الامراء
سنہ ۱۷۹۵ء سے سنہ ۱۸۰۱ء

یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ شہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب نے جب جنوبی ہندوستان کو فتح کیا۔ تو جنوبی ہند میں دو صوبہ داریاں قائم کیں۔ ایک تھرا کی اور دوسری ارکاٹ کی۔ ۱۷۱۱ء تک ارکاٹ اور سرا ایک ہی صوبہ دار کے ماتحت تھے۔ لیکن اس سال انتظامی نکتہ نظر سے سرا پر ایک دوسرے صوبیدار کا تقرر رہا۔ جس کا نام امین خاں تھا۔ سعادت اللہ خان جو ارکاٹ اور سرا دونوں صوبوں کا صوبیدار تھا۔ اس تقرر کے خلاف تھا۔ مگر امین خاں اپنی زندگی تک سرا کا صوبیدار رہا۔ اس کے بعد اس کے جانشین کمزور نکلے۔ اس وقت نظام الملک آصف جاہ صوبیدار دکن نے دخل دیکر سرا کی صوبیداری بھی سعادت اللہ خان کو تفویض کردی۔ اور طاہر خاں سعادت اللہ کی جانب سے سرا کا صوبہ دار مقرر رہا۔

سعادت اللہ خان کا خاندان ۱۷۴۳ء تک ارکاٹ میں حکومت کرتا رہا۔ اس خاندان کے آخری سالوں میں یعنے ۱۷۴۰ء میں محمد سعید نامی ایک صغیر سن لڑکا نواب بنا۔ لیکن اس کے اہل خاندان نے اسکی مخالفت کی۔ ان مخالفتوں سے فائدہ اٹھاکر ایک دوسرے شخص انوارالدین نامی نے آصفجاہ نظام الملک اول کی تائید سے ارکاٹ کی امارت حاصل کرلی۔ (یہی انوارالدین خاندان والاجاہی کا بانی ہے) انوارالدین کی مخالفت پر محمد سعید کا ایک رشتہ دار حسین دوست عرف چندا صاحب تھا۔ ۱۷۴۸ء میں جب نظام الملک اول کا انتقال ہوا تو تخت کیلئے ناصر جنگ اور مظفر جنگ میں جنگ چھڑ گئی۔ اس سے فائدہ اٹھاکر انوارالدین نے ناصر جنگ کا ساتھ دیا تو چندا صاحب نے مظفر جنگ کا۔ مظفر جنگ ارکاٹ کو آیا۔ کہ چندا صاحب کو ارکاٹ کی نوابی دلائے ۱۷۴۹ء میں آمبور کی جنگ میں انوارالدین کا خاتمہ ہوگیا۔ اور اس کا بیٹا محمد علی والاجاہ فرار ہوکر ترچناپلی میں مقیم ہوا۔ اسکے بعد جب ناصر جنگ محمد علی کی مدد کیلئے جنوب میں آیا تو مظفر جنگ نے ہتھیار ڈالدیئے۔ اور محمد علی والاجاہ ترچناپلی سے نکلکر ارکاٹ کو آیا۔ اب چندا صاحب

فرار ہوکر پانڈیچری میں پناہ گزین ہوا۔ لیکن اس عرصہ میں کڑپہ کے پٹھانوں نے غداری کرکے ناصر جنگ کو شہید کردیا۔ مظفر جنگ کو رہائی نصیب ہوئی۔ چنداصاحب پھر ارکاٹ کا نواب بنا۔ اور محمد علی ترچناپلی کو فرار ہوگیا۔ چنداصاحب نے ترچناپلی کا محاصرہ کرلیا۔ محمد علی نے مدراس کی ایسٹ انڈیا کمپنی سے مدد مانگی۔ یہ امداد چنداصاحب اور حیدرآباد دونوں کے خلاف تھی۔ اس امداد کے صلے میں ملک کرناٹک کا ایک بہت بڑا حصہ کمپنی کو تفویض کردیا گیا۔ ہندوستان میں اب تک کمپنی کی کوئی زمین نہیں تھی۔ یہی علاقہ کرناٹک ہے۔ جہاں کمپنی کی حکومت کی اوّل بنیاد پڑی۔

جنگ جس قدر طول پکڑتی گئی۔ کمپنی بھی نواب کو روپیہ قرض دیتی رہی۔ نواب والاجاہ محمد علی کا خیال تھا کہ چنداصاحب کو مٹاکر آپ خود ایک مستقل حکمران بنجائے۔ اس لئے اس نے مظفر جنگ (حیدرآباد) کے خلاف بھی سازش کی۔ جسکی وجہ سے حیدرآباد میں پھر سازشوں کا بازار گرم ہوگیا۔ اور حکمرانوں کا عزل ونصب شروع ہوا۔ یہانتک کہ ۱۷۶۱ء میں بسالت جنگ کو معزول کرکے نظام علیخاں تخت نشین ہوا۔ مگر عین اسی وقت میسور میں ایک نئی طاقت ظہور میں آئی جو حیدرعلی کی تھی۔ اب نواب بسالت جنگ نے سِرا کی صوبہ داری بھی اسکے تفویض کردی تھی۔ اب محمد علی کی توجہ حیدرآباد سے ہٹ کر حیدرعلی کی جانب ہوگئی۔ کمپنی میں یہ طاقت نہیں تھی کہ حیدرعلی کے مقابل صف آرا ہو اس لئے حیدرآباد کو بھی شامل کرلیا گیا۔

ہندوستان کی آزادی کا ستارہ ڈوب رہا تھا۔ اور قسمت گردش میں آچکی تھی۔ محمد علی والاجاہ اور نظام الملک میر نظام علی خاں انگریزی بساطِ سیاست کے دو مہرے تھے۔ انہوں نے عمریں بھی طویل پائیں تاکہ ان کے ہاتھوں سلطنتِ خداداد مٹ جائے۔ اور ہندوستان پر اغیار کا تسلط ہوجائے۔ محمد علی کا انتقال ۱۷۹۵ء میں ہوا۔ اور نظام علیخان کی وفات ۱۸۰۳ء میں ہوئی لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ

"آزادی کا خواب دیکھنے والے خود محکوم بن گئے۔ اور اپنے ساتھ کل ہندوستان بلکہ اپنی آئندہ نسلوں کو بھی طوق غلامی پہنا گئے۔"

انگریز اور فرانسیسی

یورپ سے ہندوستان میں جو قومیں آئیں۔ ان میں جرمن فلمش۔ ڈچ اور پرتگالیوں کو اس قدر کامیابی نہیں ہوئی۔ جس قدر انگریزوں اور فرانسیسیوں کو ہوئی۔ حیدرعلی کو ان موخرالذکر دو قوموں سے تعلق رہا ہے۔ ان دونوں قوموں نے ہندوستان کی نا اتفاقی اور خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر یہ وطیرہ اختیار کیا۔ کہ ملک کے راجاؤں اور نوابوں کو ایک دوسرے کے خلاف ابھار کر مال وزر کے عوض اپنی فوجوں سے مدد دینا شروع کی۔ جس کی وجہ سے ان کے قدم ملک میں جم گئے۔ جس زمانہ کی تاریخ ہم لکھ رہے ہیں۔ اس وقت انگریزی کمپنی کا انتظام وارن ہیسٹنگس کے ہاتھ میں تھا۔ اور فرنچ کمپنی ڈوپلے کے ماتحت تھی۔

فرانسیسیوں نے اپنی تمام توجہ جنوبی ہندوستان پر مرکوز کر دی۔ مگر انگریز۔ بنگالہ بمبئی جنوبی ہند میں ہر طرف ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے۔

سلطنتِ مغلیہ کے زوال پر مرہٹے اور نظام الملک کی معرکہ آرائیاں بنگالہ میں میر قاسم و میر جعفر کی ریشہ دوانیاں ۱۷۴۸ء میں نظام الملک اول کی وفات کے بعد حیدرآباد کی سازشیں اور کرناٹک میں نواب کا خواب آزادی ان تمام واقعات نے مِل مِلا کر انگریزوں اور فرانسیسیوں کے لئے ایک وسیع اور کھلا میدان مہیا کر دیا۔ جس میں دونوں قومیں فراخدلی سے اس خوان یغما پر

"چہ دشمن چہ دوست"

او

گھبرا اتر آئے۔ ہندوستان کی قسمت میں انگریزوں کی محکومی لکھی ہوئی تھی۔ انگریز کامیاب ہو گئے۔ ۱۷۶۱ء میں فرانسیسی اقتدار کا ہندوستان میں ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ اور اب صرف انگریز ہی مرد میدان رہ گئے۔ اب بنگالہ میں میر قاسم و میر جعفر۔ علاقہ بمبئی میں چند مرہٹہ ریاستیں دکن اور جنوبی ہند میں حکمران۔ حیدر آباد اور محمد علی نواب ارکاٹ نے ان کے اشارہ چشم و ابرو پر رقص کرنا شروع کر دیا۔ اور اس طریق پر اپنی غلامی کے محضر پر اپنے ہاتھوں سے دستخط ثبت کر دئے۔

مرہٹے۔ حیدر آباد اور نوابان ارکاٹ

زوالِ سلطنتِ مغلیہ پر مرہٹے اور نظام الملک حیدر آباد نے شہنشاہی کے حصول کیلئے قسمت آزمائی شروع کر دی۔ جس میں اول الذکر اس حد تک کامیاب ہوئے کہ ایک وقت پنجاب سے لیکر بنگالہ تک اور جنوبی ہندوستان میں تنجاور تک ان کا اقتدار قایم ہو گیا۔ یہاں تک کہ ۱۷۶۰ء میں نظام الملک کے قبضہ میں صرف حیدر آباد اور اس کے مضافات رہ گئے۔ اگر اس کے دوسرے ہی سال میدانِ پانی پت میں مرہٹوں کی قسمت کا فیصلہ نہ ہو جاتا تو عجب نہیں کہ کل ہندوستان میں مرہٹی سلطنت قایم ہو جاتی۔

جنوبی ہندوستان (صوبہ کرناٹک) میں نوابان ارکاٹ شاہانِ مغلیہ کی نیابت کر رہے تھے۔ مگر جب تک مرکزی سلطنت دہلی میں کچھ نہ کچھ قوت باقی تھی۔ اس وقت تک نوابانِ ارکاٹ کی نامزدگی صوبہ دار دکن ہی کرتا تھا۔ مگر دہلی کی رہی سہی قوت بھی ۱۷۳۸ء میں نادر شاہ کے ہاتھوں ٹوٹ گئی۔ اور ادہر نظام الملک حیدر آباد مرہٹوں سے دست بگریبان ہو گیا۔ ۱۷۴۸ء میں نظام الملک کی وفات سے چند سال پیشتر مرہٹوں نے کرناٹک پر

قبضہ کرلیا۔ بڑی مشکل اور خونریز جنگوں کے بعد نظام الملک نے مرہٹوں کو اس ملک سے بے دخل کرتے ہوئے میر انوارالدین کو ارکاٹ کی نوابی پر مقرر کیا۔ مگر اس کے چند دن بعد ہی نظام الملک کی وفات ہوگئی۔ اور حیدر آباد کے تخت کیلئے بھائیوں ہی میں آویزش شروع ہوگئی۔ یہ پیشتر لکھا جا چکا ہے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر حسین دوست خاں عرف چندا صاحب نے مظفر جنگ کی حمایت میں ارکاٹ کی نوابی کا دعویٰ کر دیا۔ مظفر جنگ اور چندا صاحب دونوں نے مل کر ارکاٹ پر چڑھائی کی۔ اور آمبور میں انوارالدین کا خاتمہ ہوگیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ انگریزوں اور فرانسیسیوں نے ان لڑائیوں میں کس قدر حصہ لیا۔ یہ سچ ہے کہ فرانس والے اس وقت مظفر جنگ اور چندا صاحب کی حمایت پر تھے۔ لیکن کس لئے؟ اسکے جواب میں انگریزی تاریخیں خاموش ہیں۔ لیکن خود محمد علی والا جاہ کے حالات بتا رہے ہیں کہ انوارالدین شروع ہی سے انگریزوں کا طرفدار تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انوارالدین کے والد نے جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہاز میں حج کا سفر کیا تھا تو انگریزوں نے نہایت خاطر تواضع کی تھی۔ اس تواضع کا جواب انوارالدین نے اس طرح دیا کہ اس کے نواب مقرر ہونے پر جب انگریز اور فرانسیسی دونوں نے دعوت دی تو اس نے صرف انگریزوں کی دعوت قبول کی۔ نواب والا جاہ محمد علی اپنی ایک یادداشت میں لکھتا ہے:۔

"والد من نظر بر ہمہ رابطہ دیریں اول دعوت انگریزاں قبول فرمودند، نزد انگریزاں رفتند و اخلاص ایں قوم مضمر داشتند۔"

یہی نہیں بلکہ مدراس کے قریب میلاپور کی جاگیر بھی دیدی۔ اور جب فرانس والوں اور انگریزوں میں جنگ چھڑ گئی تو انوارالدین نے انگریزوں کی تائید بھی کی۔ انگریز و فرانسیسی جب سے

ہندوستان میں تجارت کیلئے آئے تھے۔ ان میں تجارتی رقابت کی وجہ سے اکثر جنگیں ہوا کرتی تھیں لیکن ان جنگوں کا اثر صرف انہیں تک محدود رہتا تھا اور اس میں ملکی حکمران حصہ نہیں لیتے تھے۔ اسی طرح فرانسیسیوں نے چاہا کہ انوارالدین ان جنگوں میں حصہ نہ لے۔ چنانچہ ڈوپلے نے جو پانڈیچری کا گورنر تھا۔ اپنے ایک خط میں انوارالدین کو لکھا :-

"آں مشفق را لازم است کہ نفع و نقصان ہر دو فرقہ مساوی دارند۔ و باعانت یکطرفہ نہ پروازند۔" (تحفۃ الاخبار)

لیکن اس کے بعد جب انوارالدین نے انگریزوں کو مدد دی۔ تو فرانس والوں نے چندا صاحب کی حمایت کی۔ آمبور کی جنگ میں چندا صاحب اور مظفر جنگ کی فتح اور انوارالدین کی شکست و موت نے فرانس والوں کے اقتدار کو بہت بڑھا دیا۔ یہ دیکھکر انگریزوں نے ناصر جنگ اور محمد علی کا ساتھ دینا چاہا۔ بلکہ خود محمد علی نے ان سے مدد مانگی تھی۔ لیکن ناصر جنگ انگریزوں کے بالکل خلاف تھا۔ کیونکہ اسکی دُور رس نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ اس قوم کے عزم و ارادے کیا ہیں۔ اس نے کڑپہ کے پٹھان نواب کو حکم دیا کہ مدراس پر حملہ کر کے انگریزوں کو ملک بدر کر دے۔ لیکن محمد علی کی عیاری اور چالاکی نے اس وقت انگریزوں کو بچا لیا۔ ناصر جنگ اسی سال شہید ہو گیا۔ اور مظفر جنگ رہا ہو کر تخت نشین ہوا۔ جسکی وجہ سے فرانسیسی اقتدار اور ترقی کر گیا۔ معلوم تو ایسا ہو رہا تھا کہ انگریز چند دن کے مہمان ہیں۔ لیکن اسی وقت والاجاہ محمد علی نے جو ترچناپلی میں پناہ گزین تھا۔ ان سے مظفر جنگ اور چندا صاحب کے خلاف مدد مانگی۔ اور دوسری طرف فرانس کی گورنمنٹ نے اپنے اولوالعزم گورنر ڈوپلے کو واپس بلا لیا۔ جس کی وجہ سے فرانسیسی اقتدار ہمیشہ کیلئے ختم ہو گیا۔ اس امداد کے عوض والاجاہ محمد علی نے کرناٹک کے پندرہ تعلقات کمپنی کو دینا منظور کیئے۔

چونکہ اس زمانہ میں حکومتوں کا انحصار پایہ تختوں کے اعدام یا استقلال پر ہوتا تھا۔ لہٰذا مدراس کے انگریزی گورنر کو یہ سوجھی کہ اگر کسی طرح چندا صاحب کے پایہ تخت ارکاٹ پر قبضہ کر لیا جائے۔ تو چندا صاحب ترچناپلی کا محاصرہ اٹھا لیگا۔ اور اس کی نوابی خطرہ میں پڑ جائیگی۔

چنانچہ انگریزی فوج نے کلایو کے ماتحت ۱۷۵۱ء میں ارکاٹ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد چندا صاحب اور فرانسیسیوں کو کسی جنگ میں کامیابی نہیں ہوی۔ بلکہ چندا صاحب اس کے دوسرے سال ہی سازشوں کا شکار ہو کر شہید ہو گیا۔

محمد علی انگریزوں کی حمایت یا انکی بندوقوں کے سایہ تلے ارکاٹ کا نواب بن گیا۔ اور نگرانی کیلئے میجر لارنس بطور رزیڈنٹ مقرر رہا۔ محمد علی کو انگریزوں کی دوستی اور خاطر اس قدر منظور تھی کہ جب بنگالہ میں انگریزوں کی ہستی نواب سراج الدولہ کے رحم پر منحصر ہو گئی تو اس نے اپنی فوجوں کو بنگالہ بھیجا۔ صاحب "قصر والاجاہی" نے لکھا ہے:۔

"ہمگی فوج بندگان عالی متعینہ قلاع و مقامات کرناٹک سوائے فوج مایحتاج قلعہ ہسترنگر ہمراہ مسترکلیہ س بسواری جہازات برائے مہم کلکتہ روانہ شدہ بود"

محمد علی کی ان خدمات کے صلہ میں انگریزوں نے بھی کوشش کر کے مغلیہ سلطنت سے اسکے لیئے کرناٹک کا فرمان حاصل کیا۔ اسکے بعد نظام الملک نظام علی خاں سے بھی فرمان حاصل کر لیا گیا۔ ان فرمانوں کی وجہ سے محمد علی کا دماغ آسمان تک پہونچ گیا۔

"ماڈرن میسور" کا مصنف لکھتا ہے:۔

"ان فرمانوں کے حاصل ہونے سے وہ اپنے آپ کو کرناٹک کا واحد مالک سمجھنے لگا۔ اب اسکی نظریں میسور پر اٹھیں۔ جہاں اس کا ایک حریف پیدا ہو چکا تھا۔ اور یہی وجہ ان جنگوں

کی ہے۔ جو حیدر علی و ٹیپو سلطان اور انگریزوں میں ہوئیں۔ یہی نہیں بلکہ محمد علی کی نظریں حیدر آباد پر بھی تھیں۔ جہاں اس نے سازشوں کا جال بچھا رکھا تھا"۔ غرضیکہ اس طرح محمد علی کے ہاتھوں سرزمین ہند میں غلامی کا بیج بویا گیا۔ اور ہندوستان غلام بنکر رہگیا۔

ماخذ

نواب حیدر علیخان بہادر بانی سلطنت خداداد میسور اور ٹیپو سلطان کے حالات جن کتابوں میں ملتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر انگریزوں کی تصانیف ہیں۔ جن کے نام ذیل میں دئے جاتے ہیں۔

۱۔ برٹش ملٹری بیاگرافی مطبوعہ لنڈن ۱۸۴۱ء
۲۔ آتھنٹک مموریس آف ٹیپو سلطان مطبوعہ کلکتہ ۱۸۴۰ء
۳۔ مارکوئس آف ولزلی۔ ڈسپاچز " کلکتہ ۱۸۲۶ء
۴۔ ہسٹوریکل اسکیچ آف سوتھ انڈیا
۵۔ تاریخ حیدر علی۔ مصنفۂ لیون بی بورنگ
۶۔ تاریخ میسور۔ از کرنل ولکس
۷۔ تاریخ میسور۔ مصنفۂ موسیو ولمٹ مطبوعہ لنڈن ۱۸۴۶ء
۸۔ تاریخ میسور۔ از لوئیس رئیس
۹۔ سفرنامۂ بچانن۔
۱۰۔ ماڈرن میسور۔ از مسٹر شاما راؤ ایم۔ اے سابق انسپکٹر جنرل محکمۂ تعلیم میسور مطبوعہ میسور ۱۹۳۲ء
۱۱۔ سیاحت نامۂ کپتان لٹل۔ از ایڈورڈ مور۔ مطبوعہ لنڈن ۱۷۹۴ء

۱۲ - ایمپائر اِن ایشیا ۔ از میجر ٹارنس ایم ۔ پی ۔ (ممبر پارلیمنٹ)

ان کے علاوہ چند اور بھی انگریزی کتب ہیں ۔ جن کا ماخذ پہلی سات کتابیں ہیں ان میں سے دو کتابیں خاص ٹیپو سلطان سے تعلق رکھتی ہیں ۔ اور بقیہ سات میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے مشترکہ حالات ہیں ۔ تاریخ میسور ۔ از کرنل ولکس ایک نہایت ضخیم کتاب ہے ۔ اور مصنف خود اقرار کرتا ہے کہ وہ جس وقت میسور کا کمشنر تھا تو زوالِ سلطنتِ خداداد پر چند ہی سال گذرے تھے ۔ اس لئے بہت سے ایسے لوگ زندہ تھے ۔ جنہوں نے اس عہد کے حالات دیکھے اور سنے ہوئے تھے ۔ اِس لئے اس کی کل کتاب تقریباً ان سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہے ۔

تاریخ حیدر علی مصنفہ لیون بی بورنگ کا ماخذ زیادہ تر کرنل ولکس کی تاریخ میسور اور دو انگریزی کتابیں ہیں ۔ اور فارسی و اردو میں جو کتابیں اس موضوع میں شائع ہوئیں ان کے نام حسب ذیل ہیں :-

۱ کارنامۂ حیدری ۔ بزبانِ فارسی ۔ مصنفہ عبدالرحیم کلکتہ

۲ ۔ حملات حیدری ۔

۳ ۔ چارجنامہ تصنیف ملا فیروز (نظم بزبان فارسی)

۴ ۔ تاریخ حمید خانی ۔ از منشی حمید خاں ۔ میر منشی لارڈ کارنوالس

۵ ۔ فتوحات حیدری ۔ از لالہ کھیم نرائن دہلوی

۶ ۔ نشان حیدری ۔ از مورخہ میر حسن علی کرمانی ۔ تصنیف ۱۸۰۶ء بمقام کلکتہ ۔

(۷) حیدر علی و ٹیپو سلطان از مولانا اشرف علی مرحوم دہلوی ۔

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ میرے پاس محفوظ ہے : تاریخ نشان حیدری شہادت ٹیپو سلطان کے سات سال بعد کلکتہ میں جہاں شہزادگانِ ٹیپو سلطان مقیم تھے ۔ مورخ دربار سلطانی سے

لکھائی گئی۔ اور اس کے چالیس سال بعد حملات حیدری کلکتہ ہی میں مرتب ہوئی۔
میں نے ان سب کتابوں کو دیکھا ہے۔ اور اس کے علاوہ چند قلمی نسخے بھی میری نظر سے گذرے ہیں۔ ان میں ایک نامۂ حیدری ہے۔ جو کسی نے اس وقت کی دکنی زبان میں بمقام فرنچراکس (جو سرنگاپٹم کی شمالی جانب ہے) زوال سلطنت کے ایک سال بعد لکھی تھی۔ مگر افسوس کہ یہ بالکل اختصار کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ اور ایک ناتمام کتاب بزبان فارسی ہے۔ جس میں حیدرعلی کے حالات تو ہیں مگر ٹیپو سلطان کے حالات صرف میسور کی تیسری جنگ تک ہیں۔ اور مصنف کا نام درج نہیں۔ ہفت خوان حیدری ایک اور کتاب ہے۔ جس میں اگرچہ تاریخی واقعات مذکور ہیں۔ لیکن ان میں مصنف کی حسن عقیدت کو بہت بڑا دخل ہے۔ اور بعض جگہ مذہبی رنگ بہت زیادہ غالب ہے۔

اپنی اس کتاب کی تصنیف کیلئے میں نے جہاں مذکورۂ بالا کتابیں مطالعہ کیں۔ وہاں قریب قریب وہ تمام لٹریچر بھی میری نظر سے گذرا ہے۔ جو مختلف اوقات میں بعد تحقیق و تفتیش ملک کی مختلف ادبی انجمنوں میں پڑھا گیا۔ جس میں زیادہ تر متھک سوسائٹی کے کاغذات ہیں۔ ان کے علاوہ میں نے انگریزی تاریخوں میں تاریخ رولرس آف انڈیا۔ تاریخ ہند مصنفہ میکلیر۔ تاریخ ہند مصنفہ مارسڈن۔ تاریخ ہند از ڈی لافوسی۔ تاریخ ہند از شاستری۔ تاریخ ہند از تھامپسن اور رئیز آف کرسچن پوران انڈیا بھی دیکھی ہے اور جننگٹ فارسی۔ اردو۔ اور انگریزی تاریخوں میں کسی واقعہ کی صحت کا اطمینان نہیں کرلیا گیا۔ کوئی واقعہ نہیں لکھا گیا۔ اور باوجود اسکے جہاں کہیں اختلاف باقی رہا۔ وہاں حوالہ دیدیا گیا ہے۔

ان تمام امور کے علاوہ حیدرعلی و ٹیپو سلطان کے اوصاف، عادات و اقوال کے متعلق مقامی روایات سے بھی جو لوگوں کو ابھی تک ازبر یاد ہیں۔ مدد لیگئی ہے۔ اور جہاں تک

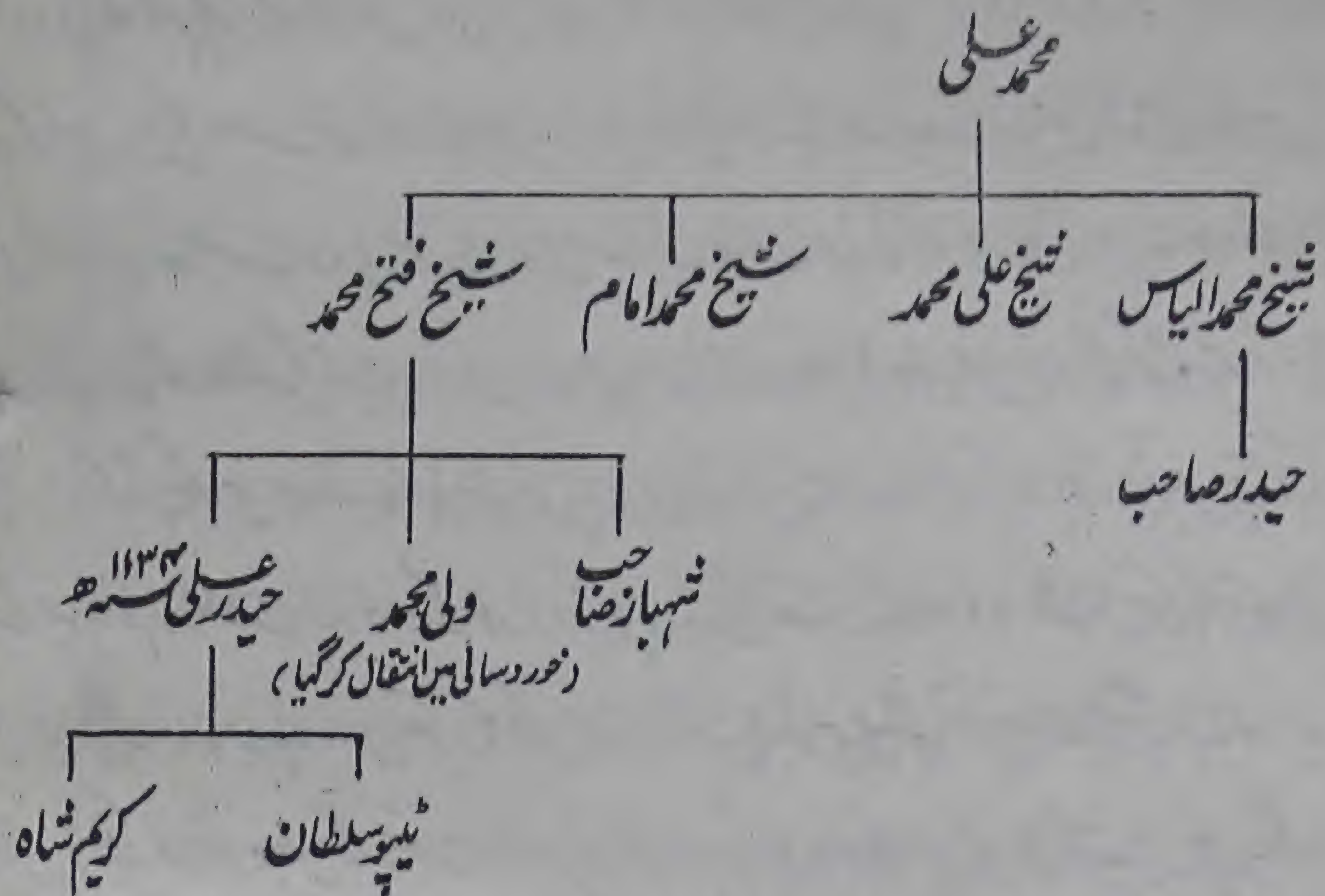
امکان میں تھا۔ انکے متعلق تحقیق و تفتیش کا کوئی پہلو چھوڑا نہیں گیا۔ اور جب تک کافی یقین نہیں ہو گیا۔ ایک لفظ بھی نہیں لکھا گیا۔

حوالجات کے سلسلہ میں جن اردو فارسی کتابوں کے نام اوپر دیئے گئے ہیں ان میں دو اور کتابوں کے نام چھوٹ گئے ہیں۔ ان میں ایک کا نام "نظام علیخاں" اور دوسری کا "میر عالم" ہے یہ کتابیں تاریخ سلطنت خداداد کا پہلا ایڈیشن شائع ہونیکے بعد حیدر آباد میں شائع ہوئیں۔ ان کتابوں کے مصنف مولوی سراج الدین صاحب طالب حیدر آبادی ہیں۔ میں نے بالاستیعاب ان کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ اور ان سے بھی اس دوسرے ایڈیشن میں مدد لی گئی ہے۔

کتاب کے اس دوسرے ایڈیشن میں چند نئی تصاویر کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ان میں حیدر آباد کے میر عالم اور سلطنتِ خداداد کے غدار وزیر پورنیا کی تصاویر کے علاوہ سلطان کی آخری عمر کی بھی ایک تصویر ہے۔ اس تصویر کا عکس انڈیا آفس لائبریری کی تصویر سے لیا گیا ہے اور یہ یقین کرنیکے کافی وجوہ ہیں کہ بہ نسبت دوسری تصاویر کے جو عام طور پر تاریخی کتب میں ہیں یہ تصویر سلطان کے اصلی خد و خال سے بہت زیادہ مماثلت رکھتی ہے۔ نواب حیدر علی کی جوانی کی ایک تصویر پہلے ایڈیشن میں موجود ہے۔ لیکن آخری عمر کی کوئی تصویر ابتک نہیں ملی تھی۔ عام طور پر بازاروں میں یا تاریخی کتب میں جو تصویر ہے وہ اصلیت سے بالکل تعلق نہیں رکھتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ نواب حیدر علی کے کارنامے سنکر کسی مغربی مصوّر نے ایک فرضی تصویر کھینچ دی۔ گھنی داڑھی اور مونچھوں کے علاوہ ایک مضحکہ خیز پگڑی بھی بتلائی گئی ہے۔ تمام مورخین متفق الرائے ہیں کہ نواب بہادر کے داڑھی تھی نہ مونچھ۔ اب کتاب کے اس دوسرے ایڈیشن میں دریا دولت کی مغربی دیوار پر جو نقش ہے اسکا ایک عکس دیا جاتا ہے۔ اسمیں نواب بہادر کا جلوس اور انہیں ہاتھی پر سوار دکھایا گیا ہے۔ یہ تصویر چونکہ سلطان کے عہد میں کھینچی گئی تھی۔ اسلیئے اسکے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔

نسب نامۂ نواب حیدر علی و ٹیپو سلطان

شیخ ولی محمد (وارد گلبرگہ از عرب)



کرنل ولکس اپنی کتاب تاریخ میسور میں لکھتا ہے۔ کہ حیدر علی کے آبا و اجداد پنجابی تھے۔ بعض مورخین انہیں افغانی النسل کہتے ہیں۔ صاحب نشانِ حیدری لکھتے ہیں۔ کہ حیدر علی کے ابا و اجداد صحیح النسل عرب اور قبیلہ قریش سے تھے۔ اس خاندان کا ایک بزرگ مکّہ سے چلکر بغداد میں آبسا۔ اور وہاں سے تلاش معاش میں ہندوستان آیا۔ بغداد سے دہلی کو جو بڑی راستہ ہے۔ وہ ایران اور پنجاب سے ہوکر گذرتا ہے۔ لہذا ممکن ہے کہ دورانِ سفر میں وہ پنجاب میں بھی ٹھہرا ہو۔ اور اس وجہ سے اس کے پنجابی ہونے کی غلط فہمی پیدا ہوی ہو۔ دہلی سے چلکر وہ گلبرگہ آیا۔ جہاں اس کے بیٹے محمد علی کی شادی حضرت شاہ بندہ نواز کی درگاہ کے متولی کی بیٹی سے ہوی۔ اور اسی جگہ ولی محمد کا انتقال ہوا۔ محمد علی گلبرگہ سے چلکر بیجاپور آکر ٹھہرا۔ اب اسکے ساتھ اس کی بیوی

اور چار لڑکے تھے۔ زوال بیجاپور کے بعد اس خاندان نے کولار کی طرف نقل مکان کیا۔ جہاں محمد علی کے بہت سے شناسا مقیم تھے۔ (مصنفِ نشانِ حیدری لکھتا ہے کہ بیجاپور سے صرف تین لڑکے آئے۔ اور چھوٹا لڑکا کولار میں پیدا ہوا۔ اور اس کی والدہ قصبۂ کولار ہی کی ایک سیدہ لڑکی تھی)

کولار میں شیخ محمد علی کا جب انتقال ہوگیا۔ تو یہ لڑکے تلاش معاش میں نکلے۔ شیخ محمد الیاس اپنی بی بی اور فرزند حیدر کو کولار میں چھوڑ کر تنجاور چلا گیا۔ دوسرے بھائی شیخ ولی محمد اور شیخ امام کرناٹک جاکر وہیں ملازم ہوگئے۔ صرف چوتھا بھائی فتح محمد کولار میں رہا چندسال کے بعد حیدر صاحب بن شیخ الیاس نے راجۂ میسور کی ملازمت حاصل کرلی۔ بھتیجے کے ملازم ہونے کے بعد شیخ فتح محمد بھی راجۂ میسور کی فوج میں عہدۂ نائکی پر مقرر ہوئے۔ حیدر صاحب کا انتقال ہوگیا۔ اور فتح محمد میسور سے کولار واپس آگیا۔ جہاں ۱۱۳۱ھ و ۱۱۳۲ھ میں اس کے ہاں دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک شہباز دوسرا ولی محمد۔ ولی محمد چند دن میں انتقال کرگیا۔ اور شیخ فتح محمد دوبارہ تلاش ملازمت میں سرا پہنچا۔ جہاں صوبہ دار سرا نے اسے بالاپور کے قلعہ داری پر مقرر کیا۔ اس ملازمت کے دوران میں بمقام بودی کوٹہ اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام حیدر علی رکھا گیا۔

حیدر علی کی والدہ کے نسب کے متعلق تاریخوں میں اختلاف ہے۔ نشانِ حیدری میں لکھا ہے۔ کہ حیدر علی کی والدہ سید برہان الدین پیرزادہ تنجاور کی لڑکی ہے۔ انکے بطن سے تین لڑکے ہوئے۔ ایک بچپن ہی میں انتقال کرگیا۔ اور دوسرے کا نام شہباز اور تیسرے کا نام حیدر علی ہے۔ اس لڑکی سے فتح حیدر کی شادی کولار میں ہوی تھی۔ لیکن حملاتِ حیدری کا مصنف لکھتا ہے کہ حیدر علی کی والدہ کا نام مجیدہ بیگم ہے۔ جو فتح محمد کی دوسری بی بی ہیں۔ اور یہی دوسری روایت صحیح ہے۔

نواب حیدر علی خاں کی والدہ مجیدہ بیگم میر اکبر علیخاں زمیندار سِہرا کی لڑکی ہیں۔ صوبہ دار سِرا نے میر اکبر علی خاں کو زمین کی واجب الادا رقم کی ادائیگی کیلئے لکھا۔ انہوں نے چھ ماہ کی مہلت طلب کرتے ہوئے تمسک لکھ دیا۔ اور چھ ماہ ہونے کے پیشتر ہی انکا انتقال ہوگیا۔ بعد چھ ماہ کے وصولیٔ رقم کے لئے سِہرا سے طلبی آئی تو میر اکبر علی خاں مرحوم کی بیوی اس رقم کو ادا نہ کرسکیں۔ طلبیٔ رقم کیلئے شیخ فتح محمد ہی آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ حالت دیکھکر پیغام دیا کہ اگر مجھ کو دامادی میں قبول کرلو تو میں یہ رقم اپنی جانب سے ادا کرتا ہوں۔ چنانچہ میر اکبر علیخاں کی بیوہ نے قبول کرلیا اور اس طرح مجیدہ بیگم فتح محمد کے نکاح میں آئیں۔

لارڈ ولنشیا لکھتا ہے کہ حیدر علی عربی النسل تھے۔ مگر بورنگ جو کہ حددرجہ متعصب مورخ ہے لکھتا ہے کہ مسلمانوں میں جب کوئی بڑے درجے کو پہونچ جاتا تو اس کا نسب نامہ تیار ہوجاتا ہے۔ ان تمام امور سے قطع نظر ہم صرف یہ کہیں گے کہ سلطان اور حیدر علی مسلمان تھے۔ اور حسب و نسب میں کسی اعتبار سے کم نہیں تھے۔ مگر ہمارے چند مسلمان بھائی ہیں جو ابھی تک ذات و نسب کو طغرائے امتیاز سمجھ رہے ہیں۔ اور آج بھی نواب حیدر علی اور سلطان کے نسب نامہ پر لے دے کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ قوم نایک سے تھے۔ لیکن یہ ثابت نہیں کرتے کہ نایک کونسی قوم ہے اور کہاں ہے اور اسکی تاریخ کیا ہے؟ میسور میں فوج کے سپہ سالار کو نایک کہا جاتا تھا۔ اسوجہ سے نواب حیدر علی کے نام کے ساتھ نایک مشہور ہوگیا۔ ورنہ یہ کسی قوم کا نام نہیں ہے۔

زوالِ سلطنت خداداد کے اسباب میں یہ بھی ایک بڑا سبب ہے کہ اہل نوائط سلطان کے خلاف ہوگئے تھے۔ جبکہ سلطان اپنے نسبتی برادر کی شادی بدرالزماں خاں نائطہ کی بیٹی سے کرنا چاہتا تھا۔ ذات و نسب کے امتیاز کا جنون یہاں تک بڑھا کہ ایک اسلامی سلطنت کی بربادی بھی انکے نزدیک ایک بالکل بے حقیقت شئے تھی۔ سلطان کے جن امراء و وزراء نے لارڈ ولزلی سے سازش

کی۔ وہ نام نہاد عالی نسبی و ذات کے دعویدار تھے۔ اور انکے نزدیک سلطان کا سب سے بڑا گناہ یہ تھا کہ وہ اپنے ایک عزیز کا رشتہ ایسے خاندان سے کرنا چاہتا تھا۔ جسے اپنی عالی نسبی پر نہایت فخر اور غرور تھا۔ اللہ اللہ۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ ایک حبشی زادے کو، ایک غلام کو صحابہ کرامؓ بلکہ خاص خاندان نبوت بھی اپنی بیٹیوں کو مناکحت میں دیتے تھے!

اسلام دنیا میں اس لئے آیا کہ ذات۔ نسل اور خون کے امتیاز کو مٹا کر تمام بنی نوع انسان کو ایک سطح پر کھڑا کر دے۔ مگر اسلام کے نام لیوا آج جس طریقہ پر اس تعلیم پر عمل کر رہے ہیں۔ اسکا بین ثبوت نہ صرف سلطنتِ خداداد، بلکہ اور اسلامی سلطنتوں اور حکومتوں کی بربادی سے بھی ملتا ہے۔ مسلمانوں کی باہمی نااتفاقی وافتراق میں بھی اسی ذات ونسب کے امتیاز کو ایک بہت بڑا دخل رہا ہے۔ ایک طرف تو ان میں سے چند لوگوں کو گھمنڈ ہے۔ کہ وہ اشراف خاندانوں سے ہیں اور ان میں نجابت وشرافت کا خون دوڑ رہا ہے۔ دوسری طرف اگر انکے اعمال کا جائزہ لیا جائے تو اس میں کچھ بھی شک نہیں رہتا۔ کہ اس لحاظ سے انکا دعویٰ بالکل صحیح ہے۔ انکے خون میں عرب کے ممتاز قبائل کے مورثین اعلیٰ بولہب، بوجہل اور ابی عبداللہ منافق کے خون کا اثر بہ نسبت اور دوسرے اثر کے زیادہ ہے۔ اور نسل میں خون کا اثر لازمی ہے۔

حیدر علی و ٹیپو سلطان عرب ہوں یا پنجابی یا دکھنی۔ لیکن ان کے مسلمان ہونے میں شک نہیں۔ اور اسی لحاظ سے تاریخ اسلام اور مسلمان ان پر ناز کرتے ہیں اور ہمیشہ کریں گے شرافت ونجابت کا انحصار خون ونسب پر نہیں۔ بلکہ ہر انسان کے اپنے اعمال واخلاق پر ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

حیدر علیؒ کی ابتدا

(از تاریخ رئیس - اس تاریخ کا ماخذ کرنل ولکس کی تاریخ ہے)

حیدر علی کے آباواجداد پنجابی تھے۔ ان میں محمد بہلول نامی ایک شخص پنجاب سے نکل کر گلبرگہ میں آیا۔ اور وہاں اقامت اختیار کی۔ یہاں اسکے دو لڑکے محمد علی اور محمد ولی کی شادی ہوئی۔ جس کے بعد یہ سرا آکر محکمۂ محصول میں ملازم ہوگئے۔ یہاں سے پھر یہ دونوں بھائی کولار چلے گئے۔ جہاں محمد علی کا انتقال ہوگیا۔ جس پر چھوٹے بھائی نے تمام اثاث البیت پر قبضہ کر کے بھاوج کو گھر سے نکالدیا۔ مگر ایک شخص جو محکمہ محصول میں نایک تھا۔ اس نے اس غریب بیوہ کو پناہ دی۔ اور جب شہباز جو محمد علی کا لڑکا تھا۔ بڑا ہوگیا تو اس کو بھی اسی محکمہ میں ملازمت دلادی ایک موقع پر جبکہ گنجی کوٹہ کے محاصرہ میں سرا کی اسلامی فوج کو شکست ہوئی تھی تو شہباز نے اپنی جوانمردی سے قلعہ کی دیوار پر چڑھکر علم نصب کر دیا۔ جس سے شکست فتح میں بدل گئی۔ اس کارگذاری سے خوش ہو کر صوبہ دار سرا نے شہباز کو فوج میں نایک کے درجہ پر ترقی دیدی۔ جب سرا کی صوبہ داری میں ردوبدل ہوا تو شہباز پچاس سواروں اور چودہ سو پیادہ لیکر ارکاٹ چلا گیا۔ یہاں اسکی حسب خواہش ملازمت نہ ملی تو وہ فوجدار چتور کے پاس ملازم ہوگیا۔ چند دن یہاں ملازمت کر کے پھر سرا واپس آیا تو اس کو فتح محمد خاں کا لقب دیکر کولار کا فوجدار بنا دیا گیا۔ اور بودی کوٹہ کی جاگیر ملی۔ اس جگہ اس کے دو لڑکے پیدا ہوئے جن کا نام شہباز اور حیدر علی رکھا گیا۔ یہ لڑکے فتح محمد خاں کی تیسری بیوی سے تھے۔ فتح محمد کی پہلی بیوی کولار میں انتقال کر گئی تھی۔ اسکی دوسری بیوی جو ایک اہل نائط

کی لڑکی تھی۔ اس کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد اسی کی چھوٹی بہن سے فتح محمد نے شادی کی۔ اور حیدر علیؒ اسی کے بطن سے ہیں۔ ان لڑکیوں کا قصہ اس طرح ہے۔ کہ اہلِ نوایط کا ایک خاندان تلاشِ معاش میں کوکن سے ارکاٹ جا رہا تھا۔ جبکہ راستے میں ڈاکوؤں نے ان پر تریچرہ کے قریب حملہ کر کے سب کو قتل کر دیا۔ صرف ایک لڑکا دو لڑکیاں اور ان کی ماں بچ نکلیں۔ جو نہایت عسرت و تنگدستی کی حالت میں کولار پہنچے۔ فتح محمدؒ نے یہاں بڑی لڑکی سے شادی کا پیغام دیا۔ جو قبول کر لیا گیا۔ اس کے بعد اس لڑکی کی والدہ اور چھوٹی بہن فتح محمد ہی کے پاس رہنے لگیں۔

صوبہ داریٔ سِرا کیلئے جب عبدالرسول خاں اور طاہر خاں میں جنگ ہوئی تو فتح محمد اور ان کا بڑا لڑکا مارے گئے۔ اس وقت فتح محمد کی تیسری بیوی معہ اپنے دونوں بچے شہباز اور حیدر کے ڈوڈ بالا پور میں رہتی تھیں۔ عباس قلی خاں جو طاہر خاں کا فرزند تھا۔ ڈوڈ بالا پور کا حاکم مقرر ہوا۔ اس نے فتح محمد پر یہ الزام لگایا کہ حکومت کی بہت سی رقم ان پر واجب الادا ہے۔ اور اس کی ادائگی کے لئے شہباز۔ حیدر علی اور انکی والدہ پر ظلم کرنے لگا جس سے تنگ آ کر یہ بنگلور آ گئے۔ جہاں شہباز اور حیدر علی کے ماموں ابراہیم صاحب بنگلور کے قلعہ دار کے ملازم تھے۔ شہباز کے بڑا ہونے پر اُسے بھی وہاں ایک معمولی ملازمت مل گئی۔

اس کے بعد ہی شہباز کو دیون ہلی جانا پڑا۔ راجہ میسور کی فوج دیون ہلی کا محاصرہ کئے ہوئے تھی۔ اس کی کمک کیلئے بنگلور کے قلعہ دار نے بھی فوج روانہ کی شہباز اس فوج میں ملازم تھا۔ گو حیدر علی فوج میں ملازم نہیں تھے۔ مگر اپنے بھائی کے ساتھ رہتے تھے۔ دیونہلی ہی وہ جگہ ہے۔ جہاں انکا نیّر اقبال چمکا۔ دیون ہلی کا محاصرہ نو مہینے تک رہا۔

اس عرصہ میں حیدر علی نے اپنے بھائی کے ساتھ ملکر جوانمردی کے وہ جوہر دکھلائے کہ وزیر نندراج نے خوش ہوکران کو میسوری فوج میں بعہدۂ نایک داخل کردیا۔ اور حیدر علی کے زیرِ کمان پچاس سوار اور دو سو پیادے دئے گئے۔

نوٹ:۔ مذکورۂ بالا تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ:۔
کرنل ولکس اور رئیس کا مقصد صرف یہ ہے کہ حیدر علی کے خاندان کو باپ اور ماں دونوں جانب سے گم نام دکھایا جائے۔ (محمود)

نواب حیدر علی کے آغاز کے وقت ریاست میسور کس حالت میں تھی۔

تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ حیدر علی ابتدائی تیس سال کی عمر تک میسور کے راجہ کے ایک معمولی ملازم تھے ۱۷۵۲ء میں وہ ڈنڈیگل کے گورنر مقرر ہوئے۔ اس وقت ریاست میسور کی وسعت شمال میں بابا بڈھن کی پہاڑیوں تک، مشرق میں صوبہ سیرا کو چھوڑ کر بنگلور تک۔ جنوب مشرق میں بارہ محل اور سیلم کا کچھ علاقہ۔ جنوب میں کوئمبتور تک، اور مغرب میں موجودہ حدود میسور پر مشتمل تھی۔ پوری ریاست میں ہر جگہ پالیگار حکومت کر رہے تھے۔ اور یہ کبھی مطیع رہ کر راجہ کو خراج دیتے تھے اور کبھی خود سر ہو جاتے تھے۔ بہر طور ان علاقوں پر راجہ کی سیادت مانی جاتی تھی۔ ۱۷۵۵ء میں گوپال راؤ۔ صوبہ دار سیرا نے تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اور راجہ کے پاس صرف سرنگاپٹم اور اس کے مضافات جو ۳۳ دیہات پر مشتمل تھے۔ رہ گئے۔ نواب حیدر علی جب ۱۷۵۵ء میں ڈنڈیگل سے واپس آئے۔ تو انہوں نے ان تمام علاقوں کو از سرِ نو فتح کیا۔

نوٹ

نہ صرف علاقہ میسور بلکہ دریائے کرشنا سے لیکر جنوب میں مدورا تک ہر جگہ پالیگاروں کی حکومتیں قایم تھیں۔ جن میں بعض تو اس قدر چھوٹی تھیں۔ کہ دو چار میل سے بڑھکر نہیں تھیں۔ اور بعض کی وسعت تیس چالیس میل تک تھی۔ پالیگاروں میں جو سب سے طاقتور ہوتا تھا وہ راجہ کہلاتا۔ اور دوسرے پالیگار اس کی اطاعت کرتے تھے۔ اس طرح تمام ملک میں پالیگاروں کا ایک جال بچھا ہوا تھا۔

حیدر علیؒ

نام

حیدر علی۔

"حملاتِ حیدری" کا مصنف اِس نام کے متعلق اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ حیدر علی کے والد فتح محمدؒ نے ایّامِ حمل میں اپنی بی بی مجیدہ بیگم کو حیدر علی شاہ درویش کی خدمت میں بھیجا اور فرزند کی دعا چاہی۔ حیدر علی شاہ نے دعا دی کہ انشاءاللہ فرزند بلند بخت پیدا ہوگا۔ اس کا نام میرے نام پر رکھا جائے۔

سنۂ پیدائش

۱۱۳۴؁ھ مطابق ۱۷۲۲؁ء ہے۔ اس سنہ پیدائش پر سوائے مصنف کارنامۂ حیدری کے کل مورخین کا اتفاق ہے۔ جو سنہ پیدائش ۱۱۲۹؁ھ بتلاتا ہے۔ مگر رفتار واقعات کے لحاظ سے ۱۱۳۴؁ھ ہی صحیح ہے۔ بودی کوٹہ میں جو کتبہ قلعہ میں لگا ہوا ہے۔ اس میں بھی ۱۱۳۴؁ھ ہی لکھا ہوا ہے۔

مقامِ پیدائش

بودی کوٹہ۔ ضلع کولار۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ضلع کولار میں کولار شہر کے قریب واقع ہے۔

عہدِ طفلی

جس وقت حیدر علی پیدا ہوئے تو ان کے والد شیخ فتح محمد صوبہ دار سرا عابد خاں کے ماتحت منصب دو ہزار پیادہ اور پانچسو سوار معہ فیل ونقارہ وعَلَم پر سرفراز تھے۔ اس لئے حیدر علی کا عہد طفلی نہایت آرام وآسایش سے گذرا مگر یکا یک زمانہ نے پلٹا کھایا۔ جس وقت حیدر علی کی عمر قریب پانچ سال کی ہوئی تو



نواب حیدر علی رح

سرا میں صوبہ داری کیلئے عبدالرسول خاں بن عابد خاں اور نواب طاہر محمد خاں کے درمیان لڑائی چھڑ گئی۔ شیخ فتح محمد عبدالرسول خاں کے طرفدار تھے۔ اس جنگ میں عبدالرسول خاں کو شکست ہوئی۔ فتح محمدؓ مارے گئے۔ اس وقت اہلیہ فتح محمدؓ اپنے دونوں چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ (جن میں بڑے لڑکے شہباز کی عمر دس سال کے قریب تھی۔ اور حیدرعلی جن کی عمر پانچ سال کے قریب تھی۔) بالاپور میں رہتی تھیں۔ حاکم بالاپور عباس قلی خاں جو نواب طاہر محمد خاں کا طرفدار تھا۔ فتح محمدؓ کے مارے جانے کی خبر سن کر حیدرعلی کی والدہ سے اٹھارہ ہزار روپیہ اس بناء پر طلب کیا کہ فتح محمدؓ کی طرف سے یہ رقم سرکار کو واجب الادا ہے۔ لیکن جب اس رقم کی ادائگی نہ ہوسکی تو اس نے گھر کا تمام اثاثہ لوٹ لیا۔ حتیٰ کہ کپڑے اور اناج بھی نہ چھوڑا۔ اور فتح محمد کے دونوں لڑکوں کو یعنے شہباز اور حیدرعلی کو دو بڑے بڑے نقاروں میں بند کرکے اوپر سے چمڑا منڈھوا دیا۔ ہوا جانے کیلئے نقارہ میں سوراخ کر دئے۔ اس مصیبت سے رہائی پانے کیلئے حیدرعلی کی والدہ حیدرصاحب سے جو فتح محمدؓ کا بھتیجا اور راجہ میسور کی ملازمت میں تھا۔ طالب امداد ہوئیں۔ حیدرصاحب نے روپیہ بھیجکر ان بچوں کو قید سے چھڑا لیا۔ اور ان تمام کو اپنے پاس سرنگا پٹم بلا لیا۔ اس زمانہ کی طرز معاشرت کے مطابق بچوں کی تعلیم و تربیت شروع ہوی۔ چند ہی سال میں یہ بچے فنون سپہ گری تیغ زنی، کمند افگنی، اسپ تازی اور تفنگ اندازی وغیرہ میں ایسے مشاق ہوگئے کہ بڑے بڑے سپاہیوں کی نگاہیں ان پر پڑنے لگیں۔ یہ زمانہ ہی ایسا تھا کہ ہر شخص کے لئے بجائے علم کے فنِ حرب حاصل کرنا ضروری تھا۔ لہٰذا بجائے مکتب یا مدرسہ میں بٹھانے کے حیدرعلی کو فنون جنگ کی تعلیم دی گئی۔

شہباز کی پہلی ملازمت

جس وقت شہباز اور حیدرعلی جوان ہوئے تو حیدرصاحب

نے ان دونوں کو میسور کے وزیر نند راج کے پاس لیگئے نند راج نے شہباز کو سو پیادہ اور پچاس سوار کی افسری پر مقرر کر دیا۔ اور حیدر علی کو بوجہ کم عمری ایک چھوٹے دستہ فوج پر افسر مقرر کر کے سرنگاپٹم میں ہی رکھ لیا۔

حیدر صاحب کی وفات

حیدر صاحب چند دنوں کے بعد دیونہلی کے محاصرے میں زخمی ہو کر انتقال کر گئے۔ اور حیدر صاحب کے منصب پر شہباز مقرر ہوا۔

حیدر علی سرنگاپٹم میں

حیدر علی نے سرنگاپٹم میں وہ سلامت روی اور خود داری اختیار کی۔ کہ ہر شخص انکی خوش عادات و اطوار کا گرویدہ ہو گیا۔ چنانچہ حیدر علی اپنی اعلےٰ صفات کے باعث باڈی گارڈ کے افسر مقرر ہوئے۔ تاریخ میسور میں یہ وہ زمانہ تھا جبکہ راجہ مثل کٹ پتلی کے تھا اور تمام اختیارات وزیروں کے ہاتھ میں تھے۔ وزیر نند راج حیدر علی کے عادات و اطوار سے نہایت خوش تھا۔ اس لئے جب حیدر علی کی عمر انیس ۱۹ سال کی ہوئی تو اس نے پیرزادہ شاہ میاں ساکن تھرا کی لڑکی سے حیدر علی کی شادی اپنے خرچ پر کرا دی۔

حیدر علی کی دوسری شادی

حیدر علی کی پہلی بیوی سے ایک لڑکی پیدا ہوئی لیکن بعض بے احتیاطیوں کی وجہ سے اس بیوی کو فالج ہو گیا۔ اور جب بیماری نے طول کھینچا۔ تو اس نے اپنے شوہر کو دوسری شادی کرنے کی اجازت دیدی۔ حیدر علی نے میر علی رضا خان کی ہمشیرہ فاطمہ بیگم عرف فخر النسا کو اپنی دوسری شادی کیلئے منتخب فرمایا۔ اور حیدر علی کی شادی اس لڑکی سے ہو گئی۔

حیدر علی کی اولاد

حیدر علی کی پہلی بیوی سے ایک لڑکی ہوئی۔ دوسری بیوی یعنی فاطمہ بیگم

۲۰ ذی الحجہ بروز شنبہ ۱۱۶۲ھ مطابق ۱۷۵۲ء میں بمقام دیونہلی ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ٹیپو سلطان رکھا گیا۔ خدا کی قدرت کہ اس فرزند کے پیدا ہوتے ہی حیدر علی کی ترقی کا آغاز ہوا۔

حیدر علی کا گورنر ڈنڈیگل مقرر ہونا ۱۷۵۲ء

ریاست میسور کے علاقہ پائین گھاٹ میں شورش ہوئی تو وزیر نندراج حیدر علی کو ساتھ لیکر اس شورش کے فرو کرنے کو روانہ ہوا۔ ان معرکوں میں حیدر علی سے ایسے بہادرانہ کام ظہور پذیر ہوئے۔ کہ وزیر میسور نے حیدر علی کو گورنر ڈنڈیگل مقرر کر دیا۔ اور کارہائے نمایاں کے صلہ میں ہاتھی نقارہ اور پالکی دی گئی۔ حیدر علی کے منصب کو ترقی دیکر چار ہزار سپاہی اور ڈیڑھ ہزار سوار کا افسر مقرر کر دیا۔ اور اس زمانہ کے رواج کے مطابق حیدر علی کو اپنی خاص فوج بھرتی کرنے کا حکم بھی ملا۔ ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے:۔

"یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت میسور میں حیدر علی سے بڑھکر منتظم اور جری افسر کوئی نہیں تھا"

واقعات کرناٹک ۱۷۵۰ء

ابھی مذکورہ بالا واقعات کو چند ہی مہینے گذرے تھے کہ کرناٹک میں ابتری پھیل گئی۔ نظام الملک ناصر جنگ والی حیدر آباد نے میسور کے راجہ اور دوسرے پالیگاروں کو چندا صاحب اور فرانسیسیوں کے خلاف طلب کیا۔ میسوری فوجوں میں حیدر علی کی فوج بھی شامل تھی۔ یہ تمام متحدہ فوجیں میدان کارزار میں شریک ہوئیں۔ لیکن اتفاق سے نظام ناصر جنگ سازش کا شکار ہو کر شہید ہو گیا۔ اس خبر کے پھیلتے ہی تمام پالیگار اور میسوری فوجیں واپس ہو گئیں۔ مگر عام طور پر یہ روایت مشہور ہے کہ حیدر علی نے اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر حیدر آباد کے خزانے پر جو اونٹوں پر لدا ہوا حیدر آباد

واپس جارہا تھا۔ چھاپہ مارا۔ اور اپنے فوجی اخراجات وضع کرنے کے بعد جو کچھ بچ رہا وہ راجہ کے خزانے میں داخل کر دیا۔

نندراج کے خلاف سازش

وزیر نندراج کی غیر حاضری میں ریاست میسور میں پھر ایک دفعہ شورش پھیلی۔ جسکی وجہ یہ تھی کہ راجہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وزراء کی حکمبرداری سے آزاد ہونا چاہا۔ لیکن نندراج کے بھائی دیوراج نے محل پر گولہ باری شروع کر دی۔ جس سے رانیوں میں گھبراہٹ پھیل گئی اگرچہ اس وقت راجہ اور رانیوں نے یہی مناسب سمجھا کہ وزیروں کی اطاعت کر لیں مگر سازشوں کا بازار پھر بھی گرم رہا۔ اور اس پر طرفہ یہ کہ جو میسوری فوجیں کرناٹک سے واپس آئیں تو انہوں نے بھی فوجدار گنگارام کی زیر قیادت وزیروں کے خلاف بغاوت کر دی۔ اور جلد ہی تمام ملک میں یہ شورش پھیل گئی۔ ایسے وقت پر ملک کو اس بدنظمی سے بچانے اور وزرار کو اپنا اقتدار قایم رکھنے کیلئے سوائے حیدر علی کے اور کوئی شخص نظر نہ آیا۔ جیسا کہ ہم آگے بتلا چکے ہیں۔ وزیر نندراج حیدر علی کا محسن و مربّی تھا۔ اس لئے اس نے شہباز اور حیدر علی کو اس شورش کے فرو کرنے کیلئے روانہ کیا۔ حیدر علی فوج لیکر نکلے۔ اور دو مہینوں کے عرصہ میں باغیوں کے تمام مقامات فتح کر لئے۔ گنگارام قید ہو گیا۔ شاہباز صاحب اور حیدر علی نے نئے قلعے دار مقرر کئے۔ نندراج اس کارگذاری سے بے انتہا خوش ہوا۔

حیدر علی اور محاصرۂ ترچناپلی
۱۷۵۳ء

پہلے صفحات میں ارکاٹ کے حالات میں لکھا جا چکا ہے۔ کہ ناصر جنگ کے مارے جانے سے چندا صاحب کی بن آئی۔ اسوقت صلابت جنگ اور فرانسیسی اسکی حمایت پر تھے۔ متواتر شکستوں کے بعد نواب والا جاہ محمد علی قلعۂ ترچناپلی میں محصور ہو گیا۔ اور اس نے نندراج وزیر میسور اور

انگریزوں سے امداد طلب کی۔ اور اس امداد کے عوض ترچناپلی میسور کو اور کرناٹک کا ایک حصہ انگریزوں کو دینا قبول کیا۔ راجہ کی مخالفت کے باوجود وزیر نندراج نے حیدر علی اور افواج میسور کو ساتھ لیکر ترچناپلی کی طرف بڑھا۔ حیدر علی نے ان لڑائیوں میں وہ جوہر دکھائے کہ فرانسیسی اور چنداصاحب بالکل تنگ آ گئے۔ کیونکہ افواج حیدری ہمیشہ شبخون مارا کرتی تھیں اور جو کچھ ملتا تھا لوٹ لیتی تھیں۔ اس طرح فرانسیسیوں کی متعدد توپیں حیدر علی کے ہاتھ آئیں۔ جب چنداصاحب کے قتل سے ان لڑائیوں کا خاتمہ ہو گیا تو محمد علی نے ترچناپلی دینے سے صاف انکار کر دیا۔

میسور پر حملے اور نیابتِ سلطنتِ مغلیہ کا خاتمہ ۱۷۵۴ء

نزاکت وقت کا خیال کرتے ہوئے نندراج واپس پلٹا۔ مگر بجائے میسور کے ستی منگل میں مقیم ہو گیا۔ ادہر نظام الملک کی فوجوں نے میسوری فوجوں سے بدلہ لینے کیلئے سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا۔ اور ایک معقول زر معاوضہ لیکر واپس ہوئیں۔ یہ ابھی واپس ہی ہوی تھیں کہ ایک اور زبردست دشمن بالاجی باجی راؤ پیشوائے پونا اپنی مرہٹی فوجوں کو لیکر خراج وصول کرنے کیلئے آیا۔ مگر یہاں خزانہ میں رکھا ہی کیا تھا کیونکہ صلابت جنگ کی فوجوں نے خزانہ کا صفایا کر دیا تھا۔ راجہ نے ایک کروڑ روپیہ دینے کا اقرار کیا۔ اور بطور ضمانت ملک کا بہت بڑا حصہ مرہٹوں کی کفالت میں دیدیا۔ مرہٹے واپس ہوتے ہوتے صوبہ داری سرا کا بھی خاتمہ کر گئے۔ نواب دلاور خاں صوبہ دار کو کولار میں جاگیر مل گئی۔ بلونت راؤ مرہٹہ صوبہ دار مقرر ہوا۔ راجہ میسور کی حکومت سرنگاپٹم اور اسکے مضافات تک محدود ہو گئی۔

مرہٹوں کا میسور پر قبضہ ۱۷۵۵ء

اس سال سرا میں بلونت راؤ کے عوض گوپال راؤ

صوبہ دار مقرر ہوا تو اس نے راجۂ میسور سے، ایک کروڑ روپیہ کا مطالبہ کیا۔ اور جب رقم نہ ملی تو مرہٹی افواج نے باضابطہ طور پر ان علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ جو بطور ضمانت دیئے گئے تھے۔

سرنگاپٹم کو نندراج کی واپسی

وزیر میسور نندراج ستی منگل میں تھا اور سرنگاپٹم کے حالات اس تک پہونچتے تھے۔ اور وہ اس فکر میں تھا کہ کسی طرح ایک کروڑ روپیہ حاصل کر کے سرنگاپٹم کو واپس آئے۔ کہ وہ داغ بدنامی جو ترچنا پلی کے حاصل نہ ہونے سے لگ چکا تھا ڈہل جائے۔ حیدر علی ساتھ تھے۔ قریب دو سال کے عرصہ میں حیدر علی نے ستی منگل کے اطراف و جوانب کے علاقوں کو لوٹ کر ایک کروڑ روپیہ سے زائد جمع کر لیا۔ نندراج نے یہ روپیہ راجۂ میسور کو روانہ کر دیا۔ اور چند دن بعد خود بھی سرنگاپٹم آ گیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ مرہٹے ملک پر قبضہ کر رہے تھے۔

حیدر علی سپہ سالار افواج میسور ۱۷۵۵ء

حیدر علی کی اس کارگذاری سے راجہ بہت خوش ہوا۔ اور انہیں سپہ سالار افواج میسور کے عہدے پر ترقی دیتے ہوئے "فتح حیدر بہادر" کا خطاب دیا۔ اور حیدر علی کو کامل اختیارات دیئے گئے۔ کہ مرہٹوں سے معاملہ طے کریں۔ مگر بجائے صلح کرنے کے حیدر علی اپنی فوج لیکر بڑھے کہ گوپال راؤ سے مقابلہ کریں۔ ادھر مرہٹی فوجیں حیدر علی کی آمد سنکر سرنگاپٹم کیطرف بڑھیں دونوں فوجیں چن پٹن کے قریب مقیم ہوئیں۔ اسی شب کو حیدر علی نے مرہٹوں پر شبخون مارا جس کا اثر یہ ہوا کہ مرہٹی فوج اپنا سامان چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ حیدر علی چن پٹن سے کوچ کر کے بنگلور کے قریب آ گئے۔ چن پٹن کی شکست سے مرہٹی فوج بددل ہو چکی تھی۔ اور اب حیدر علی کے حملے نے گوپال راؤ کو مجبور کر دیا کہ اپنا تمام اسباب چھوڑ کر فرار ہو جائے۔

مرہٹی فوج سرا کی طرف پیچھے ہٹ گئی - کہ پونا سے کمک حاصل کرکے پھر پیش قدمی کرے. لیکن پھر اس کو یہ موقع حاصل نہیں ہوا.

مرہٹوں کی شکست ۱۷۶۱ء

یہ وہ وقت تھا کہ مرہٹوں کا نیرِ اقبال احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں میدانِ پانی پت میں ڈوب چکا تھا. بالاجی باجی راؤ اس صدمہ سے انتقال کر گیا. علاقۂ میسور میں جس وقت یہ خبر میدانِ جنگ میں پہونچی. تو گوپال راؤ تمام فوج کو مجتمع کرکے سرا میں قلعہ بند ہو گیا. اس موقع سے فائدہ اٹھا کر حیدر علی نے ان تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا جو مرہٹوں کے زیر نگین آچکے تھے. اس نمایاں فتح و کامیابی کے بعد حیدر علی سرنگاپٹم واپس ہوئے.

وزیر نندراج کے خلاف سازش

جیسا کہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں. راجہ کے محلات میں سازش ہو رہی تھی. کہ کسیطرح وزیروں کو ہٹا کر راجہ خود مختار ہو جائے. انہوں نے دیکھا کہ حیدر علی کی زبردست شخصیت تمام فوج پر حاوی ہو چکی ہے تو رانی دیواجی منی نے حیدر علی کے پرائیویٹ سکرٹری کھنڈے راؤ کی معرفت حیدر علی سے استدعا کی کہ راجہ کو وزیروں سے نجات دلائے. حیدر علی نے نہایت آسانی اور حکمتِ عملی سے نندراج اور اسکے بھائی سے اسناد وزارت لیکر راجہ کے حوالے کر دیں. نندراج اپنی جاگیر پر چلا گیا. یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حیدر علی نے جس آشتی و صلح سے نندراج سے وزارت لی. اس سے نندراج کو حیدر علی سے. بجائے رنج کے اور زیادہ محبت ہو گئی. جس کا ذکر آگے آئیگا. اور دوسری طرف راجہ اور اس کا خاندان حیدر علی کا نہایت ممنونِ احسان ہوا. اور اسکے صلے میں حیدر علی کو فرزند ارجمند کا خطاب عطا کیا گیا. انگریزی تاریخ ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے :-

"حیدر علی نے اس وقت ایک محسن و مربی کے طور پر کام کیا۔ ورنہ یہ یقینی تھا کہ راجہ کا خاندان مٹ جاتا۔ حیدر علی نے دونوں طرف کی لاج رکھ لی"

نندراج کے ستی منگل چلے جانے سے راجہ کے کوئی وزیر نہیں رہا تھا۔ اور اس نے حیدر علی سے درخواست کی کہ کھنڈے راؤ کو راجدھانی کا وزیر بنا دیا جائے۔ اس درخواست کو حیدر علی نے منظور کر لیا۔

فرانسیسیوں کا حیدر علی سے امداد طلب کرنا ۱۷۵۹ء

آگے لکھا جا چکا ہے کہ کرناٹک میں فرانسیسی چندا صاحب کی حمایت پر تھے۔ اسکا انتقام لینے کے لئے نواب والاجاہ محمد علی نے انگریزوں کے کہنے پر پانڈیچری پر حملہ کر دیا۔ فرانسیسیوں نے حیدر علی سے امداد طلب کی۔ اور اسکے صلہ میں جنجی اور نیا گڑھ کے علاقے دینا قبول کئے۔ حیدر علی نے اپنے نسبتی برادر سید مخدوم کی سرداری میں ایک فوج پانڈیچری کو روانہ کی۔ دوران سفر میں معلوم ہوا کہ آنیکل میں پالیگار کی سختی سے رعایا میں ابتری پھیلی ہوی ہے۔ سید مخدوم نے آنیکل پر حملہ کر دیا۔ اور پالیگار کو قید کر کے سرنگاپٹم بھیجدیا۔ یہاں کا انتظام کر کے یہ فوج بارہ محل میں اتری۔ جہاں عزیز خاں حاکم (در ملازمت نواب والاجاہ محمد علی) سے اسکی فوج بگڑی ہوی تھی۔ اور رعایا بھی نالاں تھی۔ سید مخدوم نے بارہ محل پر قبضہ کر کے عزیز خاں کو کڑپہ کی طرف بھگا دیا۔ اس طرح علاقۂ بارہ محل اور آنیکل پر قبضہ کرتے ہوئے سید مخدوم پانڈیچری کی طرف بڑھے۔ راستہ میں خبر ملی۔ کہ نواب والاجاہ اور انگریزوں نے پانڈیچری فتح کر لیا ہے۔ جنوری ۱۷۶۱ء میں حیدری افواج مراجعت کیلئے ارکاٹ کے قریب خیمہ زن ہوئیں۔

۱۷۶۱ء ۔ ۱۷۶۱ء میں جو انقلابات کہ ہندوستان میں رونما ہوئے اس اعتبار سے اس

سال کو ہندوستان کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ یعنے اسی سال شمالی ہندوستان میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں مرہٹوں کی قوت کا خاتمہ ہوگیا۔ گو اسکے بعد پونا کے پیشواؤں نے اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کرنے کیلئے بہت کوشش کی مگر ناکامیاب رہے۔

جنوبی ہند میں نواب والاجاہ محمد علی اور انگریزوں کی متفقہ کوششوں سے فرانسیسی طاقت کا خاتمہ ہوگیا۔ اور محمد علی جو خواب آزادی دیکھتا تھا۔ ہمیشہ کیلئے انگریزوں کا محکوم بنکر رہگیا۔ اور جنوبی ہندوستان میں انگریزوں کے قدم مضبوطی سے جم گئے۔

میسور میں راجگان کی مطلق العنانی ختم ہوگئی۔ اور انتظام ریاست نواب حیدر علی کے ہاتھ آیا۔ جنہوں نے آگے چلکر ایک زبردست سلطنت کی داغ بیل ڈالی۔

واقعات حیدر آباد، حیدر علی اور بسالت جنگ کے تعلقات ۱۷۶۱ء

حیدر آباد میں آپس کی سازشوں کی وجہ سے صلابت جنگ قید ہوگیا۔ اور اسکے دوسرے دو بھائی میر نظام علیخاں اور بسالت جنگ حکمران ریاست ہوئے۔ جس میں دریائے کرشنا کے جنوب کا بڑا حصہ بسالت جنگ کے قبضہ میں آیا۔ اور اس کا مستقر ادہونی تھا۔ میدان پانی پت میں مرہٹوں کی شکست کا حال سنکر بسالت جنگ صوبہ سرا کو مرہٹوں سے واپس لینے کیلئے نکلا اور قلعہ ہوسکوٹہ کا محاصرہ کرلیا۔ قلعہ کشائی کے ڈھنگ سے ناواقف ہونے کی وجہ محاصرہ نے نہایت طول کھینچا جس پر بسالت جنگ نے حیدر علی سے امداد چاہی۔

بسالت جنگ اور حیدر علی کا معاہدہ

فریقین میں ایک معاہدہ ہوا۔ جس کی رو سے (۱) قلعہ کا سامان و آلات جنگ بسالت جنگ کو ملیں (۲) ہوسکوٹہ اور اسکے مضافات حیدر علی کو ملیں (۳) بسالت

جنگ دربار دہلی میں صوبہ داری سرا کیلئے حیدر علی کی سفارش کر دیں نیز قلعہ ہوسکوٹہ جو
اب تک حیدر آباد کے ماتحت تھا۔ آئندہ حیدر علی کی ملکیت قرار دی جائے۔

تسخیرِ ہوسکوٹہ

حیدر علی کی فوجوں نے چند ہی دنوں میں ہوسکوٹہ کو فتح کر لیا۔ اور بموجب معاہدہ تمام سامان قلعہ بسالت جنگ کے حوالے کر دیا گیا۔ اور ہسکوٹہ اور اس کے مضافات مملکتِ میسور میں شامل کر لئے گئے۔ (میسور میں مشہور ہے۔ کہ بسالت جنگ نے تمام سامان حیدر علی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جس کے سبب سے اکثر نواب حیدر علی بسالت جنگ کو تاجر کے لقب سے یاد کرتے تھے)

حیدر علی نائب سلطنتِ مغلیہ اور خطاب نواب

شہنشاہِ ہند کا سفیر حیدر علی کے نام فرمانِ صوبہ داری سرا لیکر آیا۔ اور اسکے ساتھ شہنشاہ کی جانب سے سپر شمشیر مرصع کار، پالکی، جواہر نگار، ماہی مراتب اور نقارہ و نشان معہ خطاب نواب عنایت ہوئے۔ (انگریزی مورخین کو اعتراض ہے کہ حیدر آباد میں میر نظام علیخاں کے نظام دکن ہوتے ہوئے بسالت جنگ کو اختیار نہیں تھا کہ حیدر علی کے لئے خطاب نواب کی سفارش کرتا۔ مگر جب شہنشاہ ہندوستان نے بسالت جنگ کی سفارش کو قبول کرتے ہوئے حیدر علی کو نظامت سرا پر مقرر کر دیا تو انگریزی مورخین کا مذکورہ بالا اعتراض کسی طرح معقول اور مدلّل نہیں کہا جا سکتا)

صوبہ سرا کی تسخیر

بسالت جنگ کے جانے کے بعد حیدر علی نے مڑگ سرا، مدگری آبس نگر اور سرا پر قبضہ کر لیا۔ اور اسی طرح قریب قریب کل صوبۂ سرا پر حیدر علی کا تسلّط ہو گیا۔ اور تمام پالیگار سرداروں نے حیدر علی کو خراج دینا منظور کر لیا۔

حیدر علی کے خلاف سازش

جس وقت فرانسیسیوں کی کمک کیلئے افواج حیدری پانڈیچری روانہ ہوگئیں تھیں تو میدان خالی پاکر کھنڈے راؤ راجہ اور رانیوں میں سازش ہوی۔ کہ جس طرح نندراج کو علیحدہ کردیا گیا تھا۔ اسی طرح حیدر علی کو بھی علیحدہ کردیا جائے۔ آخر تجویز یہ ٹھہری کہ حیدر علی کو دفع کرنے کیلئے مرہٹوں سے مدد لیجائے۔ چنانچہ دربار پونا کو ایک خفیہ چٹھی لکھی گئی۔ کہ میسور کا سپہ سالار حیدر علی راج دھانی پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ اور اس طرح یہ ہندو ریاست مسلمانوں کے قبضہ میں چلی جائیگی۔ اگر سلطنت پونا اس معاملہ کو ہاتھ میں لیکر اس وقت امداد کرے تو یہ ہندو ریاست قایم رہسکتی ہے۔ بلکہ یہ ریاست ہمیشہ ممنونِ احسان اور باجگذار رہیگی۔ اور اخراجات جنگ کیلئے ایک معقول رقم بطور پیش کش دی جائیگی۔

اسلامی فارسی تاریخوں میں اس سازش کے متعلق اسطرح لکھا گیا ہے کہ:۔

"مرہٹے ملک سے جا چکے تھے۔ سابق نندراج کی حکومت سے راجہ اور اس کے خاندان کو رہائی مل چکی تھی۔ راجہ نے خیال کیا کہ اب حیدر علی کی بھی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس لئے راجہ۔ رانی دیو اجی منی اور کھنڈے راؤ نے حیدر علی کو دفع کرنے کی سازش کی"

لیکن ماڈرن میسور کا ہندو مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۳۷ پر لکھتا ہے:۔

"وزیر نندراج اور راجہ کے معاملات میں جب حیدر علی نے رانی کی درخواست پر مداخلت کی تو نندراج نے سرنگاپٹم چھوڑکر میسور میں اقامت اختیار کی۔ لیکن راجہ اور رانی کو یہ بھی گوارا نہ ہوا۔ انہوں نے کہا کہ نندراج کسی اور جگہ چلا جائے۔ لیکن نندراج نہ مانا۔ اس پر حیدر علی نے نندراج پر فوج کشی کی۔ نندراج مجبور ہوکر کونا نور کو جو نجنگڑھ کے قریب ہے چلا گیا۔ اس جنگ کے اخراجات کیلئے حیدر علی نے جاگیر طلب کی

لیکن کھنڈے راؤ نے جو اس وقت راجہ کی ملازمت میں تھا۔ اس مطالبہ کی مخالفت کی لیکن آخر میں چار تعلقے دینا منظور کئے۔ اس معاملہ میں حیدر علی اور کھنڈے راؤ میں جو گفتگو ہوئی۔ اس کی وجہ سے کھنڈے راؤ کے علاوہ راجہ اور رانی کے دل میں بھی حیدر علی کی طرف سے دشمنی پیدا ہو گئی۔ اور انہوں نے رنگناتھ سوامی کے مندر میں بت کے آگے رازداری کی قسم کھاتے ہوئے حیدر علی کے خلاف کارروائی کرنے کی سازش کی اور تجویز ہوئی کہ مرہٹوں سے بھی تائید لی جائے۔"

مرہٹوں کو خط لکھا گیا۔ اس خط کے پہونچتے ہی مادھوراؤ نے ایساجی پنڈت پیشی کو میسور روانہ کیا۔ دربار میسور نے اس فوج کی نقل و حرکت سے حیدر علی کو بالکل بے خبر رکھا حیدر علی کو اس وقت خبر ہوئی۔ جب یہ فوج سرنگاپٹم کے قریب آ گئی۔ تو یہ راز کھلا کہ حیدر علی کی گرفتاری مقصود ہے۔ شام کا وقت تھا اور ایک ایک لحظہ کی دیر سوہانِ روح بنی ہوئی تھی اور اس پر مشکل یہ کہ سرنگاپٹم کی مقیم فوج سے انہیں یہ امید بھی نہیں تھی۔ کہ اس اڑے وقت کام آئیگی۔ اسکے علاوہ بیوی اور بچے سرنگاپٹم ہی میں تھے۔ چند رفقا کو حقیقتِ حال سنا کر حیدر علی نے شب کے پردے میں فرار ہونے کا تہیہ کر لیا۔

حیدر علی کو معلوم ہو گیا کہ جاسوس انکی نقل و حرکت پر نگراں ہیں۔ اور وہ ان راستوں سے جا نہیں سکتے جو عام گذرگاہ ہیں۔ اس لئے جس وقت رات زیادہ ہوئی اور دنیا پر اندھیری چھائی ہوئی تھی وہ اپنے گھر سے نکلے۔ اور سیدھا دریائے کاویری پر پہنچے۔ اندھیری رات اور بارشوں کی وجہ سے دریا زوروں پر تھا۔ اور دوسری طرف عزت اور جان پر بنی ہوئی تھی۔ ہمت کرکے دریا میں کود ے اور پار نکل گئے۔ صبح ہوتے ہوتے سرنگاپٹم سے بہت دور ہو گئے۔ اور صرف بیس گھنٹوں کے عرصہ میں بنگلور پہنچے۔ جہاں انکی خاص فوج کا ایک حصہ موجود

تھا. ادھر صبح ہوتے ہی خبر اڑی کہ حیدر علی شب ہی میں فرار ہو گئے ہیں. مرہٹے تعاقب کے لئے نکلے. اور حیدر علی کی گرفتاری کا انعام مشتہر کیا گیا. حیدر علی نے بنگلور پہونچتے ہی سید مخدوم کو جو فرانسیسیوں کی مدد کیلئے پانڈیچری جا رہے تھے. خط لکھا کہ فوراً واپس آئیں.

(یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ سید مخدوم نواح ارکاٹ میں مقیم تھے)

سرنگاپٹم میں راجہ میسور، وزیر کھنڈے راؤ اور مرہٹہ سردار ایساجی نے تجویز کی. کہ فوراً بنگلور پر حملہ کر کے اس کا محاصرہ کر لیا جائے. کہ حیدر علی کو مہلت نہ ملے. کھنڈے راؤ کے ماتحت زبردست فوج روانہ ہوی. اور ادھر حیدر علی بھی غافل نہیں تھے. جس وقت یہ فوج بنگلور پہونچی تو حیدر علی نے قلعہ سے نکلکر ایک ایسا زبروست حملہ کیا کہ میسوری اور مرہٹی فوج ہزار ہا زخمی اور مقتولوں کو چھوڑ کر منتشر ہو گئی. کھنڈے راؤ اور حیدر علی کو معلوم تھا کہ اس جنگ کے فیصلہ پر ان کی آئندہ قسمت کا انحصار ہے. اور انہوں نے جو کچھ بھی جوانمردی دکھائی ہو وہ تعجب خیز نہیں. حملات حیدری میں میدان جنگ کی جو تصویر مصنفِ حملات حیدری نے کھینچی ہے. وہ بجنسہٖ ذیل میں دی جاتی ہے :—

" دونوں مہا بھارت دلیں جیسے ساون بھادوں کے گھنگور بادل چاروں طرف سے اٹھتے ہیں. ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں. پہلے تو دور سے گولیاں اور گولے، تگرگ اور اولے کی طرح دونوں طرف سے برسنے لگے. گولوں کی گڑگڑاہٹ اور گولیوں کی کڑکڑاہٹ بادل کی گرج اور رعد کی کڑک تھی. زنبک کا اڑنا و مہتابی کا پھکنا، برق کی جھلک اور بجلی کی چمک، دہان دہان سے توپوں کے ہنگامے محشر کا پدیدار تھا. اور دھمک سے اس کے زلزلت الارض آشکار. جب دونوں فوجیں لڑتے لڑتے نزدیک آئیں اور نوبت کوتہ یراق کی پہنچی. تب تو تیغ و تبر، خنجر، جمدھڑ، پستول،

طپنچے، جھڑی، کٹاری، بھالے، برچھی کی بوچھاریں چلتی تھیں۔ اور لہو کی پھوہاریں اڑتی تھیں۔ ایک لمحے میں خون کی ندیاں اور نالے بہنے لگے۔ اور ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، گاؤ، بچھڑے ماہی کے مانند اس میں نظر آتے۔ فیلوں کے سر حباب کے مانند تر تیر بھرتے تھے۔ اور کشتیوں کے مانند لاشیں موجوں کے مارے بہہ بہہ کر کنارے لگتے تھے۔ آخر کار نواب رستم شوکت اسفند یار صولت نے راجۂ میسور کے لشکر کو ہزیمت فاش دی۔" (حملات حیدری)

جب اس شکست فاش کی خبر سرنگاپٹم پہنچی تو محل میں ایک کہرام مچ گیا۔ اور ایساجی سپہ سالار مرہٹہ سے آئندہ تدابیر کے متعلق رائے لی گئی۔

سابق وزیر نندراج کا خط

نندراج کو جس وقت اپنی جاگیر پر حیدرعلی کا حال معلوم ہوا۔ تو اس نے ایساجی سپہ سالار افواج مرہٹہ کو ایک خط لکھا۔ جس میں کھنڈے راؤ کی سازشوں کا پورا پورا حال درج تھا۔ کہ کس طرح اُس نے خود اِس کو (نندراج کو) سازش کر کے نکالا تھا۔ اور ایساجی کو آگاہ کیا کہ وہ کھنڈے راؤ کے فریب میں نہ آئے۔

مرہٹوں کی واپسی

اس خط کے دیکھتے ہی ایساجی نے حیدرعلی کو لکھا کہ اگر حیدرعلی اخراجات جنگ ادا کر دیں تو مرہٹی فوج واپس ہو جائیگی۔ حیدرعلی نے روپیہ کے عوض بارامحل کا علاقہ انہیں لکھکر دیدیا۔ مرہٹی فوج بارامحل پر قبضہ کرنے کیلئے سرنگاپٹم کو اس کی حالت پر چھوڑ کر چلی گئی۔

حیدرعلی کی سرنگاپٹم پر چڑھائی ۱۷۶۱ء

حیدرعلی کو اب سوائے اسکے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ سرنگاپٹم پر قبضہ کریں۔ ابھی حیدرعلی اس تجویز ہی میں تھے کہ

سرنگاپٹم سے ایک خفیہ چٹھی حیدر علی کو ملی۔ جس میں چند رانیوں نے لکھا تھا کہ ملک کی بدنظمی بڑھتی جارہی ہے۔ اور قریب ہے کہ ریاست ہی ہمارے ہاتھوں سے چھن جائے۔ اس لیئے ہمیں تباہی سے بچانے کیلئے آپکا سرنگاپٹم آنا ضروری ہے۔ جب سید مخدوم کی فوج واپس آگئی۔ تو حیدر علی سرنگاپٹم پر چڑھائی کے ارادے سے نکلے۔ اور راستے میں اپنے محسن وزیر نندراج سے مشورہ حاصل کیا۔

محاصرۂ سرنگاپٹم

حیدر علی کی فوج جب سرنگاپٹم پہنچی تو حیدر علی نے حکم دیا۔ کہ محل پر گولہ باری کیجائے۔ اور ساتھ ہی کھنڈے راؤ کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ راجہ اور رانیوں نے بہت کچھ حیلے حوالے کئے۔ مگر آخرکار اس شرط پر کھنڈے راؤ کو حوالے کردیا کہ اس کی جان بخشی جائے۔ اور اسکے ساتھ اچھا سلوک ہو۔

حیدر علی کا طوطا

حیدر علی نے اپنا اقرار قایم رکھتے ہوئے کھنڈے راؤ کو ایک لوہے کے پنجرے میں بند کردیا۔ اور دودھ، چاول اسکی غذا مقرر کردی۔ کل مورخین کا اتفاق ہے کہ حیدر علی نے کھنڈے راؤ کو اس کی موت تک اسی طرح رکھا۔ اور اکثر کہا کرتے تھے کہ یہ میرا طوطا ہے۔ جو پال رہا ہوں۔

محل پر قبضہ

دوسرے دن حیدر علی نے راجہ کی نذر کیلئے چند تحائف بھیجے اور باریابی کی اجازت چاہی۔ اور بعد اجازت چند منتخب سردار و سپاہ کو لیکر محل میں گئے۔ دروازوں پر پہرہ بٹھادیا گیا۔ راجہ سے مطالبہ کیا گیا کہ انتظام ریاست حیدر علی کو تفویض کردے۔

حیدر علی فرمانروائے میسور

راجہ کے مصارف کیلئے تین لاکھ کی جاگیر علیحدہ کرکے حیدر علی نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں

لی۔ اور اعلان کر دیا کہ وہ آج سے حکمران میسور ہیں۔

حیدر علی کے غاصب سلطنت ہونے کی تردید

مذکور الصدر واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ حیدر علی کن حالات کی تحت میں اور کن مجبوریوں کی وجہ سے تختِ میسور پر قابض ہوئے۔ اور اس واقعہ کے متعلق خاص انگریزی مورخین کی آراء درج کی جاتی ہیں۔ کہ جو کچھ بھی شکوک ہوں وہ رفع ہو جائیں۔

تاریخ رولرس آف انڈیا میں صفحہ ۱۶۴ پر مورخ جی۔ ڈی اسول لکھتا ہے:۔

"رانی اور کھنڈے راؤ نے (جو حیدر علی کا نمکخوار تھا) مرہٹوں سے سازش کی۔ اور حیدر علی اپنی جان بچا کر بنگلور بھاگا۔ اس کا فرار ہونا بھی نہایت حیرت انگیز اور تاریخی یادگار ہے۔ کہ صرف بیس گھنٹوں کے اندر تن تنہا بنگلور پہونچا ہے۔ حیدر علی کی فطرتی چالاکیوں نے بہت جلد فوجوں کو مجتمع کر لیا۔ اور ایک خونریز جنگ میں اسکے دشمن کھنڈے راؤ کو شکست ہوئی۔ حیدر علی کی فوجیں نہایت سرعت کے ساتھ سرنگاپٹم پہونچ گئیں۔ جہاں حیدر علی نے محل پر قبضہ کر لیا۔ رانیوں کی سفارش پر اس نے وعدہ کیا کہ کھنڈے راؤ کو بطور ایک طوطے کے پالیگا۔ چنانچہ کھنڈے راؤ کو اسکی موت تک ایک لوہے کے پنجرے میں بند رکھ کے دودھ اور چاول دیتا رہا۔"

مورخ تھامپسن اپنی تاریخ ہندوستان صفحہ ۲۶۹ پر لکھتا ہے:۔

"۱۷۶۱ء میں حیدر علی نے سرنگاپٹم پر قبضہ کر کے کھنڈے راؤ کو قید کر لیا۔ مگر اقرار کیا کہ اس کو ایک طوطے کی طرح پالیگا۔ کھنڈے راؤ کو ایک لوہے کے

پنجرے میں بند کرکے دودھ اور چاول دیکر اپنے اقرار کو لفظ بلفظ پورا کیا"۔

بورنگ اپنی تاریخ حیدر علی میں لکھتا ہے:-

"دغاباز کھنڈے راؤ جو صرف حیدر علی کی عنایت سے وزیر بنا تھا حیدر علی کے مقابلہ پر آمادہ ہو بیٹھا۔ اس نے حیدر علی کو بہت تکلیف دی۔ لیکن حیدر علی نے اس پر فتح پائی۔ پھر حیدر علی نے اس دغابازی کا انتقام لینے کیلئے سرنگاپٹم پر لشکر کشی کی۔ اور راجہ کے مصارف کا انتظام کرکے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ لی۔ رانیوں کی سفارش پر کھنڈے راؤ کی جان بخشی کرکے اس کو لوہے کے پنجرے میں رکھا گیا۔ اور تمام عمر اسکو دودھ اور چاول کھلائے گئے"۔

حیدر علی نے جن حالات اور واقعات سے مجبور ہو کر میسور پر قبضہ کیا اور انگریز مورخین نے اسکے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ اس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود چند متعصب مورخین انہیں راجہ کا نمک حرام ملازم اور غاصب سلطنت قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ الزام کسی طرح بھی جائز اور درست نہیں۔

یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ حیدر علی نے تاج و تخت کیلئے راجہ کے خلاف قطعاً کوئی سازش نہیں کی۔ بلکہ سازش کی ابتدا خود راجہ سے ہوئی جب مرہٹوں کی مدد سے اس وفادار سپہ سالار کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کردینا چاہتا تھا۔ حیدر علی کو اس سازش کا علم اس وقت ہوا جب مرہٹے عین سر پر آپہنچے۔ حیدر علی بمشکل تمام جان بچاکر بنگلور کو فرار ہوئے۔ اور آخر کار مدافعت میں جنگ لڑی۔ فتح و نصرت نے ان کے قدم چومے۔ اور وہ کامیاب و بامراد ہوئے۔ اب اگر اس موت و حیات کی بازی کھیل چکنے کے بعد حیدر علی سلطنت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں نہ لیتے، تو آخر ان کیلئے اور چارۂ کار بھی کیا تھا۔ راجہ اور اس کے وزراء

پر انہیں کوئی اعتماد نہ رہا تھا۔

صرف یہی نہیں بلکہ جب مغلیہ شہنشاہِ ہند کی طرف سے حیدر علی کو سرا کی صوبیداری تفویض کر دیگئی تو انکا راجۂ میسور سے بحیثیت ملازم کوئی واسطہ نہ رہا تھا۔ بلکہ اب راجہ جو ان کا ماتحت ہو چکا تھا ریاستِ میسور سلطنتِ مغلیہ کی باجگذار تھی۔ اور اس لیئے یہاں کا راجہ صوبہ دار سرا کے تابع فرمان ہونا تھا۔ ان تمام حقائق کے پیش نظر نواب حیدر علی کو کیونکر غاصب سلطنت کہا جا سکتا ہے؟

مشہور ہندو مصنفہ سبیتا دیوی اپنے ایک مضمون میں لکھتی ہیں:۔

"حیدر علی پر سب سے پہلا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ اس نے اپنے ہندو راجہ سے غداری کر کے اس کا ملک چھین لیا۔ اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ لیکن اگر تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو یہ الزام بالکل غلط نظر آئیگا۔ حیدر علی کے عروج سے پہلے میسور ایک بہت ہی معمولی ریاست تھی۔ جس میں صرف ۳۳ گاؤں تھے۔ یہاں کے راجہ پہلے بیجاپور کے مسلمان بادشاہوں کے باجگزار تھے۔ اس کے بعد ۱۶۸۷ء میں یہ شہنشاہ اورنگ زیب کے باجگزار ہو گئے۔ چند سال بعد اورنگ زیب نے میسور کے راجہ چک دیو کو جگدیو کا خطاب دیکر نوبت اور نقارہ رکھنے کی اجازت دیدی۔ میسور کی جاگیر سرا کے مغل گورنر کے ماتحت تھی۔ حیدر علی راجۂ میسور کی ملازمت میں سپہ سالاری کے عہدہ تک پہنچا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد مغل شہنشاہِ ہند نے حیدر علی کو سرا کا گورنر مقرر کر دیا۔ اور اسے شاہانہ مراتب اور نقارہ و نشان معہ خطاب نوابی دربار مغلیہ سے عطا ہوئے۔ اس طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ حیدر علی اب راجۂ میسور کے ماتحت نہ رہا تھا۔ بلکہ راجہ میسور اس

کے ماتحت تھا۔ لیکن اسکے باوجود اس نے اپنے راجہ کی ہمیشہ عزت کی۔ باوجودیکہ راجۂ میسور تینتیس ۳۳ گاؤں کا مالک تھا۔ اور حیدرعلی کے زیر نگین اسی ۸۰ ہزار میل مربع ملک تھا۔ لیکن وہ راجۂ میسور کو اپنا آقا سمجھتا تھا۔ اور اسکی ہر ممکن خدمت کیلئے ہر وقت کمربستہ رہتا تھا۔ اس نے کئی بار میسور کو تباہی سے بچایا۔ لیکن جب راجہ کے غدار وزیروں نے راجہ کو بالکل مفلوج کر دیا اور خود وفادار حیدرعلی کے خلاف سازشیں کرنے لگے تو اس نے مجبور ہوکر جاگیر میسور کی زمام خود اپنے ہاتھ میں لیلی۔ اور راجہ کو ایک باجگزار والئ ریاست کی حیثیت سے اپنی نگرانی میں رکھا۔ حیدرعلی کیلئے آسان تھا کہ وہ اسی طرح جس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی نے ارکاٹ، اودھ، ناگپور، اور ستارہ کے شاہی خاندانوں کو بے نشان کر دیا۔ میسور کے شاہی خاندان کو جلا وطن کر دیتا۔ لیکن نہیں۔ بدنام حیدرعلی نے راجۂ میسور کے اعزاز و مناسب کو بدستور قایم رکھا۔ دسہرہ کے موقع پر راجہ کا جلوس نہایت شان وشوکت کے ساتھ نکلتا تھا۔ اور اس موقع پر جو دربار ہوتا تھا۔ اس میں حیدرعلی اور اس کے لڑکے ٹیپو سلطان کی جانب سے راجہ کی خدمت میں نذریں پیش کی جاتی تھیں۔ کیا اسکے بعد بھی حیدرعلی کو غدار اور نمک حرام کہا جاسکتا ہے؟!!

حیدرعلی نے ۱۷۶۳ء میں صوبۂ سرا کے انتظام سے فارغ ہو کر بالاپور خورد اور نندی گڑھ کی طرف توجہ کی۔ بالاپور کا پالیگار پنگنڈہ کے راجہ مراری راؤ سے طالب امداد ہوا۔ میدانِ نندی میں ان دونوں متحدہ فوجوں کا حیدرعلی کی فوج سے مقابلہ ہوا جس میں مراری راؤ پنگنڈہ کی طرف فرار ہوا۔ حیدری فوج اس کے تعاقب میں نکلی۔ پہلی لڑائی گوری بندہ پر

ہوئی۔ جس میں راجہ کو ہزیمت ہوئی۔ دوسری لڑائی پنگنڈہ پر ہوئی۔ جس کا محاصرہ ایک مہینہ تک قائم رہا۔ آخر راجہ نے اپنے آپ کو حیدر علی کے سپرد کر دیا۔

فتح نندی

نواب حیدر علی خاں نے میر علی رضا خان کے ماتحت ایک دستۂ فوج نندی پر روانہ کیا۔ جہاں بعد محاصرہ کے حیدری افواج غالب آئیں راجہ اور اس کے متعلقات کو اسیر کر کے بنگلور روانہ کیا گیا۔ جن میں راجہ کے دو لڑکے مسلمان ہو گئے۔ علاقۂ نندی پر بدرالزماں خاں کو (جو اہل نوائط سے اور ملازمت حیدری میں داخل تھا) بطور قلعہ دار مامور کیا گیا۔

فتح بدنور۔ بدنور کے حالات

بدنور۔ میسور کے شمال میں مغربی سرحد پر ہے صوبہ بمبئی میں ضلع کیانرا کے قریب ایک زرخیز و مستحکم ہندو ریاست تھی۔ جس کی شہرت تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی۔ اور یہ بھی مشہور تھا کہ ۱۵۶۴ء میں سلطنت وجیانگر کے زوال پر وہاں کا خزانہ بدنور کو لایا گیا۔ بدنور کے مال و دولت کی داستانیں ابھی تک لوگوں کی زبان پر ہیں۔ تمام ملک کوہستانی ہے۔ جس میں قیمتی لکڑی کے گھنے جنگل اور دشوار گذار پہاڑیاں ہیں۔ سوائے ایک تنگ راستہ کے جس پر تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر چھوٹے چھوٹے قلعے محافظت کیلئے تھے۔ اور کوئی راستہ بدنور تک پہونچنے کا نہیں تھا۔ اور یہ قلعے تقریباً آٹھ میل عرض میں پھیلے ہوئے تھے۔ پایہ تخت اس قدر خوبصورت تھا۔ کہ اکثر شعراء نے اسکی بڑی تعریفیں لکھی ہیں۔ شہر میں اس وقت نصف لاکھ (۵۰۰۰۰) کی آبادی تھی۔ لیکن شہر بہت وسیع و فراخ تھا۔ ہر مکان کے ساتھ ایک وسیع باغ موجود تھا۔ شاہراہوں پر دو رویہ درخت لگے ہوئے تھے۔ اور میٹھے پانی کی نہریں بہتی تھیں۔ کوچوں میں سنگریزوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔

بالاپور اور پنگنڈہ کی فتح سے فارغ ہوکر نواب حیدر علی تمرا میں مقیم تھے۔ کہ ایک نوجوان حضوری میں آکر طالب داد ہوا۔ کہنے لگا کہ میں راجہ بدنور کا متبنیٰ ہوں۔ راجہ کے مرنے پر رانی نے ایک برہمن وزیر سے ناجائز تعلقات پیدا کر لئے ہیں۔ اور دونوں نے مجھ کو میرے جائز حقوق سے محروم کر دیا ہے۔ اور خود حکمران بنگئے ہیں۔ رات دن سوائے عیش و عشرت کے انہیں اور کوئی کام نہیں۔ رعایا بددل ہوگئی ہے۔ اور ہر طرف بدامنی پھیلی ہوئی ہے۔ میں نے رانی کو ان باتوں پر ہر چند توجہ دلائی۔ مگر بے سود۔ رانی اور دیوان نے سازش کر کے رات کے وقت میرے مار ڈالنے کیلئے چند آدمیوں کو مقرر کیا۔ اور وہ میرا گلا گھونٹ کر مجھ کو ایک مندر میں دفن کر گئے۔ لیکن میری زندگی ابھی باقی تھی۔ مندر کے ایک جوگی نے مٹی ہٹا کر مجھے باہر نکالا۔ اور میرا علاج کیا۔ اور مجھے نصیحت کی کہ بھیس بدلکر نکل جاؤں۔ اب میں آپکے پاس آیا ہوں اور انصاف چاہتا ہوں کہ راجہ کی جگہ مجھے دلائی جائے۔ جس کے عوض میں ہمیشہ خراج ادا کرتا رہونگا۔ نواب حیدر علی نے تمام حالات راستہ وغیرہ دریافت کر کے اپنی فوجوں کو لیکر بدنور کی طرف بڑھے۔ راستے میں کہیں مزاحمت نہیں ہوئی۔ کیونکہ تمام لوگ اس نوجوان سے جس کا نام مہابدی تھا۔ واقف تھے۔ اور حیدری افواج نے بھی اس صورت سے سفر طے کیا کہ جبتک وہ بدنور نہ پہونچ گئیں۔ رانی پر حال نہ کھلا۔ قلعہ کے باہر پہونچکر نواب حیدر علی نے رانی کو طلب کیا۔ مگر اس نے آنیسے انکار کی۔ لہٰذا حیدری فوج نے چڑھائی کر دی۔ آخر سخت جنگ کے بعد رانی گرفتار ہوکر حیدر علی کے سامنے لائی گئی۔ رانی سے قول و قرار کر کے مہابدی کو تخت نشین کیا گیا۔ اور رانی رہا کر دی گئی۔ اسکے صلہ میں بندرگاہ منگلور معہ مضافات نواب حیدر علی کو دیا گیا۔ چنانچہ نواب منگلور پر قبضہ کرنے کیلئے آگے بڑھے۔

حیدر علی کے خلاف سازش

نواب حیدر علی کیلئے منگلور سے واپسی کا راستہ بدنور ہی

سے تھا۔ حیدر علی جب بدنور گئے۔ تو رانی نے مہابدی کو اپنے جال میں پھانس لیا۔ اور کہا کہ ایک ہندو ریاست کو تباہ کرنے کیلئے تو ایک مسلمان کو لایا ہے۔ جو ضرور واپسی پر تجھ کو تخت و تاج سے محروم کر کے بدنور پر قابض ہو جائیگا۔ اس سے بہتر ہے کہ جب وہ واپس ہو تو اس کا کام تمام کر دیا جائے۔ چنانچہ حیدر علی جس مقام پر پہلے مقیم ہوئے تھے۔ اسی جگہ سرنگیں کھاکر بارود بھر دی گئی۔ اور زمین کے اندر ہی اندر ایک مندر کی طرف راستہ نکالا گیا۔ تجویز یہ تھی کہ حیدر علی جب یہاں آکر ٹھہریں تو مندر کے راستہ سے سرنگوں میں آگ لگا دیجائے۔

بدنور پر قبضہ

نواب حیدر علی منگلور پر قبضہ کر کے واپس ہوئے۔ اور بوقت داخلۂ بدنور ایک برہمن نے جو سازش کے راز سے آگاہ تھا۔ نواب حیدر علی کو اس سے خبردار کر دیا۔ نواب حیدر علی نے بغرض تحقیق اس مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اور کھدوا کر دیکھا تو سازش کا پورا حال کھل گیا۔ لہٰذا رانی اور اس کے آشنا برہمن دیوان کو قتل کر دیا گیا۔ مہابدی گرفتار ہو گیا۔ اور ملک پر نواب کا قبضہ ہو گیا۔ نواب حیدر علی کو اس قدر خزانہ ملا کہ جس کا اندازہ بارہ کروڑ روپیہ کیا جاتا ہے۔

نورنگ اپنی تاریخ حیدری میں لکھتا ہے :-

"اس فتح کی خوشی میں نواب نے اپنی تمام سپاہ و نیز باہر کے قلعداروں کو ڈیڑھ ڈیڑھ سال کی تنخواہ بطور انعام تقسیم کی۔ اور تختِ بدنور پر بحیثیت بادشاہ کنارا جلوہ فرما ہوا۔"

دوسرے انگریزی مورخین لکھتے ہیں :- کہ "حیدر علیخان کو یہ خداداد فتح ایسی حاصل ہوی کہ اس نے حیدر علی خاں کو دفعۃً کرسی سے تخت پر بٹھا دیا۔" تخت نشین ہو کر نواب نے بدنور کا نام اپنے نام پر حیدر نگر رکھا۔ اور اس کو پائے تخت بنانے کے خیال سے

جدید تعمیرات کی بنیاد ڈالی۔

ٹکسال اور سکہ

نواب حیدر علی نے اس خداداد فتح پر مسرور ہو کر بدنور میں ٹکسال قایم کی اور اپنے نام کا سکہ ضرب کرایا۔

حیدر علی اور پرتگیز

بدنور کے چند علاقوں پر پرتگیزی گوا سے نکل کر قابض ہو گئے تھے۔ نواب حیدر علی نے گوا پر چڑھائی کی۔ اور قلعہ رآما تک پہونچ گئے۔ لیکن اس کے بعد صلح ہو گئی۔ جس کی رو سے پرتگیزوں نے تمام علاقہ کاروار نواب حیدر علی کے سپرد کر دیا۔

واقعاتِ ملیبار

ملیبار ہندوستان کے جنوب مغربی ساحل پر ایک زرخیز خطہ ہے جو کرالا (چیرالا) بھی کہلاتا ہے۔ اس ملک میں آغاز اسلام ہی سے بغرض تجارت عربوں کی آمد و رفت رہی ہے۔ ان تاجروں کی بدولت بہت سے خاندان مسلمان ہو گئے۔ اور ماپلہ کہلانے لگے۔ بلکہ چند چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی مسلمان ہو گئیں تھیں۔ جن کا ذکر مشہور سیاح ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں کیا ہے۔ اس وقت جب نواب حیدر علی کی شہرت فتح بدنور کیوجہ سے دُور دُور پھیل گئی۔ تو ملیبار کے مسلمان جو اپنے ہمسایوں کی روز روز کی لڑائیوں سے سخت تنگ آ گئے تھے۔ نواب حیدر علی سے طالب امداد ہوئے۔ اور اسکے ساتھ ہی کنانور میں ایک واقعہ ایسا ہوا کہ وہاں کے نائر راجہ کی لڑکی ایک مسلمان رئیس زادہ پر جس کا نام علی تھا۔ عاشق ہو گئی۔ اور جب اس عشق کا حال کھلا تو راجہ کنانور نے باوجود اپنی قوم کی مخالفت کے اپنی بیٹی کی شادی علی سے کر دی۔ اور اس کو وارث تخت و تاج بنایا۔ اس وجہ سے قوم نائر اس قدر برافروختہ ہوی کہ مسلمانوں پر زندگی حرام ہو گئی۔ علی راجہ کی جانب سے بھی حیدر علی کو ایک عرض موصول ہوئی۔ نواب حیدر علی کو معلوم تھا کہ ماپلہ قوم جہاز رانی میں نہایت مشاق

ہے۔اس لئے علی راجہ کی مدد سے نواب کو ایک بحری طاقت رکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ نواب نے فوراً ماپلاؤں کی سفارت کو شرف باریابی بخشا۔ اور علی راجہ کو اپنا امیر البحر مقرر کر دیا۔ اس اعلان کا نتیجہ ملیبار پر اچھا پڑا۔ جس کی وجہ سے نائر خود بخود سیدھے ہو گئے۔

علی راجہ کے فتوحات

علی راجہ اب کنارا کا مستقل حکمران بنگیا۔ اور امیر البحر سلطنت حیدری ہو کر ایک زبردست جنگی جہازوں کا بیڑا تیار کر کے ساحل ملیبار کے ان جزائر پر حملہ آور ہوا۔ جو اب تک اسلامی فاتحین کے حملوں سے بچے ہوئے تھے اور اسلام کا پرتو بھی ان پر نہ پڑا تھا۔ یہاں کے لوگ سواحل ملیبار پر آکر ماپلاؤں پر ظلم کرتے تھے۔ علی راجہ نے ان جزیروں پر حملہ کر کے راجہ کو گرفتار کر لیا۔ اور اس کی دونوں آنکھیں نکلوا ڈالیں۔

ساحل ملیبار کے جزائر پر پرچم اسلام

راجہ کے گرفتار ہوتے ہی تمام جزائر پر علی راجہ کا قبضہ ہو گیا اور اس نے ہر جگہ حیدری علم نصب کر دیا۔ امیر البحر علی جب راجہ کو لیکر منگلور پہنچا۔ تو نواب حیدر علی خان کو راجہ کی روداد معلوم ہوئی۔ حیدر علی نے راجہ سے معافی مانگی اور ایک معقول جاگیر اسکے ضروری مصارف کیلئے مقرر کر دی۔ اور علی راجہ سے منصب امیر البحر واپس لے لیا گیا۔

ملیبار میں ماپلاؤں پر ظلم

ماپلاؤں نے صرف دو یا تین مہینے آرام و اطمینان کی زندگی بسر کی تھی۔ کہ علی راجہ کی معزولی کی خبر ملیبار میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ نائروں نے سمجھا کہ نواب حیدر علی ماپلاؤں سے دست کش ہو گئے ہیں۔ لہذا قتل عام کا بازار گرم ہو گیا۔ ماپلاؤں کی ایک زبردست سفارت منگلور پہنچی۔ جہاں حیدر علی مقیم تھے۔

مليبار پر فوج کشی

سفارت کا بیان سنکر نواب حیدر علی بیس ہزار سوار فوج لیکر مليبار کیطرف بڑھے. کنانور کے قریب علی راجہ نے استقبال کیا۔ اور نواب کے رکاب کو بوسہ دیا۔ نواب نے اسکی عزت افزائی کرتے ہوئے اُسے اپنے ساتھ لے لیا۔ کنانور کے قریب ندی کے کنارے نائروں کی فوج جمع تھی۔ دوسرے دن لڑائی شروع ہوئی جس میں حیدری افواج غالب آئیں. نائر پسپا ہوکر پیچھے ہٹے۔ اور حیدری افواج تسخیر کالی کٹ کے خیال سے آگے بڑہیں۔

تسخیر کالی کٹ

نواب حیدر علی کی فوج جب کالیکٹ کے قریب پہنچی تو وہاں کے راجہ زامرن نے شہر سے باہر نکلکر آپ کا استقبال کیا۔ اور نہایت قیمتی تحائف پیش کئے. اس طرح کالیکٹ بغیر کسی لڑائی کے نواب کے قبضہ میں آگیا. نواب قلعہ میں فروکش تھے. کہ زامرن اپنے محل کو واپس گیا. وہاں اس کے لوگوں نے اس کو سخت غیرت دلائی جس کے باعث اس نے محل کو آگ لگادی اور جلکر مر گیا۔

(نوٹ:۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ راجہ کی کارروائی سے برافروختہ ہوکر اس کے رشتہ داروں نے آگ لگادی تھی)

نائروں سے دوسری لڑائی

نائروں کو اپنی پہلی شکست کا بہت غصہ تھا. اور اب جو راجہ کے مرنے کی خبر پھیلی. تو انہوں نے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ کالی کٹ پر حملہ کیا. مگر معمولی مقابلے کے بعد بھاگ نکلے. نواب حیدر علی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے قلعہ پونانی پر حملہ کیا. تسخیر کالی کٹ کے بعد کوچین کی طرف بڑھے. راجۂ کوچین نے بھی اطاعت قبول کر لی۔

نواب کی دوراندیشی

چونکہ بارشوں کا زمانہ شروع ہو گیا تھا. اور مليبار میں کثرت

سے بارش ہوتی ہے۔ اس لئے اس وقت نواب حیدر علی نے یہی مناسب سمجھا کہ بارش کا موسم ختم ہونے تک ملیبار سے باہر رہیں۔ یہ سوچکر کوئمتور کی طرف کوچ کیا کہ فوج کو آرام ملے اور ملیبار کے نزدیک بھی رہیں۔

نواب حیدر علی کے مراجعت کرنے کے بعد نائروں نے موسم بارش سے فائدہ اٹھا کر از سر نو ماپلاؤں پر ظلم وستم کرنا شروع کر دیا۔ اس مرتبہ ان کی حمایت پر راجہ ٹراونکور اور دوسرے سرداران ملک بھی تھے۔ تمام نائروں نے مجتمع ہو کر شہر کالی کٹ اور قلعہ پونانی کا محاصرہ کر لیا۔ نواب کے متعدد عامل مار ڈالے گئے۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ اس موسم برسات میں حیدر علی ادھر آنے کی جرأت نہ کرینگے۔ نواب حیدر علی کی افواج مقیم کالی کٹ اور پونانی سے قاصد خفیہ طور پر کوئمتور پہنچے۔ اور دوسری جانب یہی خبر میر علی رضا خان کو جو مدگری میں مقیم تھے۔ پہنچی۔ وہ فوراً اپنی فوج کو لیکر مدافعت کالی کٹ کیلئے پہونچ گئے۔ دوسری طرف سے نواب حیدر علی اپنے پندرہ ہزار سوار اور پیادہ فوج لیکر جس میں فرانسیسی اور پرتگیزی سپاہی بھی تھے۔ ایک آندھی کی طرح ملیبار کے طوفانی موسم برسات میں ندی۔ نالوں اور پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے پونانی کے قریب پہنچے۔ سواروں کو حکم تھا کہ گھوڑوں پر زین نہ رکھیں پیادوں کو موم جامے اور چھتریاں دی گئیں تھیں۔ نواب حیدر علی بھی فوج کے ساتھ بغیر کسی خدم وحشم اور شان وشوکت کے ایک معمولی سپاہی کی طرح ساتھ تھے۔

جنگ پونانی

نائروں کی فوج ایک بہت چوڑی اور گہری خندق میں مورچہ بند تھی۔ گولیاں چلانے کیلئے لکڑیوں کا ہالہ (دیوار) بنا ہوا تھا۔ اور ایک اونچے ٹیلے پر توپ خانہ نصب تھا۔ نواب حیدر علی نے مقام کی مضبوطی کو دیکھکر اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ داہنے طرف پرتگیز افسر تھا۔ بائیں جانب ایک انگریز افسر جو

نواب کی ملازمت میں تھا، کے ماتحت ایک حصہ فوج کا تھا۔ نواب کے فرانسیسی ملازموں کی فوج بطور محفوظ پیچھے رکھی گئی۔ سب سے پہلے داہنی طرف کی فوج نے حملہ کیا۔ اور نرنگیز افسر خندق تک جا پہنچا۔ گولیاں چل رہی تھیں۔ مگر معلوم نہیں ہوتا تھا کہ لکڑیوں کی دیوار کے پیچھے نائروں کا کیا نقصان ہو رہا تھا۔ ادہر حیدری سپاہ کثرت سے گر رہی تھی۔ پھر بائیں طرف کی فوج بڑھی تو اس کا بھی یہی حال ہوا۔ یہ حال دیکھکر نواب کے غصہ کی کوئی حد نہ رہی۔ مگر خندق کو عبور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ محفوظ فوج کے فرانسیسی افسر نے نواب سے عرض کی کہ اگر مجھ کو حکم ہو تو آگے بڑہوں۔ نواب نے حکم دیدیا۔ یہ فوج آگے بڑھی۔ اور باوجود گولیوں کی متواتر بارش ہونیکے خندق میں داخل ہو گئی۔ اور اس کو عبور کر کے لکڑیوں کے حصار پر پہنچی۔ تختے توڑ ڈالے گئے۔ اور نائروں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ یہ فوج کچھ اس بے جگری سے لڑی کہ ہزاروں نائر قتل ہو گئے۔ مورچہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ اور شہر کو آگ لگا دی گئی۔ یہ حالت دیکھکر بقیۃ السیف نائر بھاگ نکلے۔ قدردان نواب نے فرانسیسی افسر کو ایک دم دس ہزار کا سپہ سالار اور افسر توپخانہ بنا دیا۔ اس فتح سے نواب کی ہیبت ملک پر چاروں طرف چھا گئی۔ اور نائر اپنے اپنے دیہات خالی کر کے بھاگ نکلے۔ نواب نے اعلانِ امن کرتے ہوئے برہمنوں کو روانہ کیا کہ لوگوں کو اپنے اپنے گھروں پر واپس لائیں۔ مگر اس میں کامیابی نہیں ہوی۔ جس پر نواب نے دوسرا اعلان جاری فرمایا۔

نواب کا اعلان

(۱) نائروں کا درجہ برہمنوں کے بعد تھا۔ لیکن وہ آئندہ اور کم درجہ میں گنے جائیں۔

(۲) نیچ اقوام نائروں کے جلوس میں دوڑتی تھیں۔ یہ رسم موقوف کی گئی۔

(۳) پہلے صرف نائر ہتھیار باندہتے تھے۔ آئیندہ نیچ اقوام بھی ہتھیار باندھیں۔

(۴) جو نائر مسلمان ہو گا۔ اسکے خاندان پر تمام حقوق قدیمہ بحال و برقرار رہیں۔

(۵) جو شخص بھی مشرف بہ اسلام ہو۔ اس کو وہی حقوق حاصل ہوں جو نو مسلم نائروں کو دئیے جاتے ہیں۔

اعلان کا اثر

نواب حیدر علی کے اعلان کا یہ اثر ہوا کہ ہزار ہا لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

مرہٹوں کی لشکر کشی ۱۷۶۳ء

بدنور والوں نے جب دیکھا کہ نواب حیدر علی ملیبار میں مصروف ہیں تو انہوں نے مرہٹوں سے درخواست کی کہ اس ہندو مملکت کو نواب کے قبضہ سے چھڑائے۔ اس درخواست پر مرہٹوں کا ایک لشکر بدنور پر حملہ آور ہوا۔ نواب کو جس وقت خبر ہوی تو وہ میر علی رضا خاں کو ملیبار کا انتظام سپرد کر کے بدنور روانہ ہوئے۔ بدنور نواب کو جملہ شہروں سے عزیز تھا۔ نواب کے پہنچنے تک مرہٹوں نے بدنور پر قبضہ کر لیا تھا۔ مگر بارش کا موسم شروع ہو جانے وہ خود بخود واپس چلے گئے۔

چتلدرگ پر فوج کشی ۱۷۶۴ء

مرہٹوں کی واپسی کے بعد نواب حیدر علی نے علاقہ جات چتلدرگ پر فوج کشی کی۔ مضافات چتلدرگ پر قبضہ ہو گیا۔ مگر خاص قلعۂ چتلدرگ باوجود پانچ مہینے محصور رہنے کے فتح نہ ہو سکا۔ اس لئے نواب نے محاصرہ اٹھا لیا۔

شاہنور پر چڑھائی

جس وقت مرہٹوں نے بدنور پر چڑھائی کی تھی۔ تو نواب شاہنور نے اپنی افغانی فوج مرہٹوں کی کمک کے لئے روانہ کی تھی۔ اس کا انتقام لینے کیلئے نواب حیدر علی نے ایک دستۂ فوج کو ہیبت جنگ کے ماتحت روانہ کیا۔ اور خود بھی فوج لیکر آگے بڑھے۔ پنڈاروں کو مقرر کیا گیا کہ کسی طرح

لڑتے ہوئے افغانی فوج کو حیدری فوج کی کمینگاہ تک لے آئیں۔ پنڈاری فوج لڑتی ہوئی بظاہر مغلوب ہوکر پیچھے ہٹی۔ افغان تعاقب میں بڑھے۔ جہاں حیدرعلی کی فوجوں نے انہیں نہایت آسانی کے ساتھ کاٹ کر رکھدیا۔ نواب عبدالحکیم خاں والی شاہنور نے اس خبر کو سنتے ہی فرار ہوکر قلعۂ شاہنور میں پناہ لی۔ جس کا حیدری افواج نے محاصرہ کرلیا۔ جب نواب عبدالحکیم خاں کو معلوم ہوگیا کہ نواب حیدرعلی کسی طرح ٹلنے والے نہیں ہیں تو طالب صلح ہوا۔ اور ایک کروڑ روپیہ دینا منظور کرکے مضافات شاہنور کے چند قلعوں پر بھی حیدرعلی کو قبضہ دیدیا۔ یہاں کا انتظام کرنے کے بعد حیدرعلی نے اطراف و جوانب کے پالیگاروں اور راجاؤں پر فوجیں بھیجیں۔ چنانچہ مرزا حسین علی بیگ نے بسواری درگ فتح کرلیا۔ وہاں کے راجہ نے نواب حیدرعلی کی خدمت میں یاقوت و مروارید اور جڑاؤ زیورات سے بھرے ہوئے بیس صندوق بطور پیش کش روانہ کیے۔

مادہو راؤ پیشوائے پونا کی لشکر کشی میسور پر ۱۷۶۵ء

واقعات ۱۷۶۱ء میں ہم لکھ چکے ہیں کہ نواب حیدرعلی نے مرہٹی سپہ سالار ایساجی کو بارہ محل کا علاقہ تفویض کردیا تھا۔ جب ایساجی بارہ محل پہنچا تو حیدری قلعہ داروں نے قلعہ جات حوالے کرنے سے انکار کردیا ایساجی ابھی کچھ کارروائی کرنے نہ پایا تھا کہ پانی پت میں مرہٹوں کے شکست کی خبر پہونچی۔ ایساجی پونا واپس ہوگیا۔ بالاجی باجی راؤ کے مرنے پر مادہو راؤ پیشوا ہوا۔ اور اس نے از سر نو مرہٹی سلطنت کی تنظیم شروع کردی۔ اس وقت جب حیدرعلی بدنور، ملیبار، شاہنور پر قابض ہوگئے۔ تو پیشوا کو ایک نئی طاقت کا ابھرنا نہایت شاق گذرا۔ مادہو راؤ خود اپنی کمان میں ایک لاکھ سوار، ساٹھ ہزار پیادے پچاس ہزار تیر انداز اور ایک بڑا توپ خانہ لیکر علاقۂ میسور پر بڑھا۔ اس قدر فوج کے

علاوہ پنڈاروں کی بے قاعدہ فوج بھی اس کے ساتھ تھی۔ مادہوراؤ کے آتے ہی شاہنور کا نواب عبدالحکیم خاں اور چیلدرگ کا راجہ اس سے مل گیا۔ مادہوراؤ سرا پر بڑھا۔ یہاں چند دن کی لڑائی کے بعد میر علی رضا خان نے قلعہ حوالے کر کے اس کی نوکری منظور کر لی۔ تسخیر سرا کے بعد مرہٹی فوجوں نے مدگری فتح کر لیا۔ جس وقت یہ خبریں نواب حیدر علی کو پہنچیں تو انہیں فکر ہوئی کہ کس طرح اس زبردست غنیم کا مقابلہ کیا جائے۔ مگر بجائے ہمت ہار کر بیٹھ جانے کے جو کچھ فوجیں جمع ہو سکتی تھیں۔ساتھ لیکر سرنگاپٹم سے بنگلور آئے اور یہاں قلعہ کے استحکام میں مصروف ہوئے۔ سواروں اور پنڈاروں کو حکم دیا کہ صحرائے ماگڑی میں چھپ کر ہمیشہ مرہٹی فوج پر شبخون مارا کریں۔ مادہوراؤ قلعہ ماگڑی کی طرف بڑھا مگر وہاں کے حاکم سردار خاں نے نہایت شجاعت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ چار دن اس لڑائی میں گذرے۔ مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ جس پر چیلدرگ کے راجہ نے پوشیدہ راستوں سے اپنے آدمیوں کو قلعہ پر چڑھا دیا۔ سردار خاں نے دیکھا کہ مرہٹے قلعہ پر قابض ہو چکے ہیں تو اپنے رفقا کے ساتھ صرف تلوار سے لڑنے لگا۔ یہاں تک کہ تمام سپاہی لڑتے لڑتے مر گئے۔ اور سردار خاں زخمی ہو کر گرفتار ہو گیا۔ اس عرصہ میں اسکی فوج جو جنگل میں چھپی ہوئی تھی کئی شبخون ماری۔ مگر مرہٹوں کی بے شمار فوج میں چند ہزار آدمیوں کے قتل سے کوئی کمی محسوس نہ ہوتی تھی۔ ماگڑی پر قابض ہو کر مادہوراؤ۔ بالاپور، کڑپہ، کولار، ملباگل گرم کنڈہ پر قبضہ کرتا ہوا سرنگاپٹم کی طرف بڑھا۔

مرہٹی فتوحات کا اثر

مادہوراؤ کی فتوحات نے ملک پر اس قدر اثر ڈالا کہ تمام پالگ[illegible] اور راجہ جو حیدر علی کے زیر اثر تھے۔ حیدر علی سے منحرف [illegible] کے اور معلوم بھی ایسا ہوتا تھا کہ سلطنت حیدری اب کوئی دم کی مہمان ہے۔ ادھر [illegible]سی طرح

کو بھی احساس ہوا کہ سرنگا پٹم پر مرہٹوں کا قبضہ ہوتے ہی ان کی سلطنت کا خاتمہ ہے۔ ہوقت لوگ علانیہ کہہ رہے تھے۔ کہ میسور میں مرہٹی سلطنت قایم ہو جائے گی۔ اور مادھوراؤ کی فتوحات ہندوؤں میں نہایت فخر و مباہات سے بیان کی جاتی تھیں۔ مادھوراؤ نے چنتامنی کو اپنا صدر مقام مقرر کر کے ایک بھاری توپ خانہ اور پچاس ہزار کی فوج سرنگاپٹم کی طرف روانہ کی۔ نواب حیدرعلی بھی اپنی خداداد جسارت سے کام لیکر باگڑی کے جنگل میں مرہٹوں کی ہراولی فوج کا انتظار کرنے لگے۔ جس وقت نصف شب گذری۔ تو اس فوج پر شبخون مارا۔ اور یہ حملہ کچھ اس غضب کا تھا کہ قریب قریب کُل مرہٹے کٹ گئے۔ اور جو باقی بچے وہ تمام ہتھیار و سامان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ دوسری طرف مرہٹی فوج کا ایک چھوٹا دستہ بارہ محل پر بڑھ رہا تھا۔ اس پر بھی حیدری پنڈاروں نے شبخون مار کر اس کو واپسی پر مجبور کر دیا۔ جب مادھوراؤ کو ان دونوں شکستوں کی خبر پہنچی، تو اس نے چنتامنی سے اٹھ کر امباجی درگ میں کیمپ قایم کیا۔

مادھوراؤ سے صلح

ایک جانب تو مادھوراؤ کی غیرت گوارا نہیں کرتی تھی۔ کہ اس طرح شکست کھا کر واپس جائے۔ اور دوسری طرف فوج کی کمی نے اس کو مزید پیش قدمی سے روک دیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر نواب حیدرعلی نے سات لاکھ روپیہ مادھوراؤ کے پاس بھیجا۔ اور پچاس لاکھ دینے کا وعدہ کیا۔ اور لکھا کہ مرہٹوں کی کثیر فوج نے تمام ملک کو پامال کر دیا ہے۔ باوجود اس کے مجھے جنگ جاری رکھنے سے عار نہیں ہے۔ چونکہ رعیت تباہ و برباد ہو رہی ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ آپ اس نذرانہ کو قبول کرتے ہوئے واپس ہو جائیں۔ مادھوراؤ نے اس کو ایک خداداد فتح خیال کرتے ہوئے پونا کی طرف واپسی منظور کر لی۔ اسکے بعد نواب حیدرعلی نے ازسرنو سلطنت کے

انتظام پر توجہ کی۔

راجہ میسور کی وفات
۱۷۶۶ء

۱۷۶۶ء میں راجۂ میسور کی وفات ہوگئی۔ اور چونکہ اس کا کوئی لڑکا نہ تھا۔ لہٰذا حیدر علی نے اسی خاندان کے ایک اور لڑکے کو متبنیٰ بنا کر مسندِ راجگی پر بٹھا دیا۔

تاریخ رولرس آف انڈیا کا مصنف لکھتا ہے:۔

"اس موقع پر حیدر علی نے خاندان کے تمام لڑکوں کو محل میں جمع کرکے چند کھلونے ان کے آگے ڈال دیئے۔ لڑکے اپنی اپنی پسند کی چیز اٹھانے لگے۔ ایک لڑکے نے تلوار اور لیموں اٹھا لیا۔ حیدر علی نے کہا کہ یہی بچہ راجہ ہونے کے لائق ہے۔ چنانچہ اسی کو راجہ بنایا گیا۔"

انگریزوں سے پہلی جنگ
۱۷۶۶ء تا ۱۷۶۹ء

انگریزی تاریخوں میں یہ جنگ "میسور کی پہلی جنگ" کے نام سے موسوم ہے۔ انگریزوں اور نظام علی خاں نظام الملک کو نواب حیدر علی کی فتوحات خار کی طرح کھٹکتی تھیں۔ مادھو راؤ پیشوائے پونا کے حملوں کے بعد انہوں نے سمجھ لیا کہ حیدر علی کی طاقت بالکل شکستہ اور کمزور ہو گئی ہے اس لئے ان دونوں طاقتوں نے اتحاد کر لیا اور ان کے ساتھ ایک مرہٹی سردار بھی دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ مل گیا۔ جو دکن میں اِدھر اُدھر چھاپے مارتا پھر رہا تھا۔

انگریزی فوج جس میں زیادہ تر نواب والاجاہ محمد علی کی فوجیں تھیں۔ کرنل اسمتھ کی ماتحت تھیں۔ حیدر آبادی فوجوں کی کمان خود نظام الملک کے ہاتھ میں تھی۔ اور مرہٹی سردار علیحدہ تھا۔ یہ متحدہ فوجیں علاقۂ میسور پر بڑھیں۔ بعض انگریزی مورخین

لکھتے ہیں کہ ابتداء حیدر علی سے ہوئی۔ اس لئے کہ انہوں نے حیدر آباد کے علاقہ پر چھاپہ مارا تھا مگر یہ صحیح نہیں۔ یہاں چند انگریزی تاریخوں ہی سے اس جنگ کے اسباب پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

مورخ ڈیلافوسی اپنی تاریخ ہند صفحہ ۱۷۶ پر لکھتا ہے :۔

"فتوحات حیدری سے خوف زدہ ہو کر نظام الملک اور مرہٹوں نے انگریزوں سے اتحاد کیا۔ اور کرنل اسمتھ کے ماتحت یہ متحدہ فوجیں بغیر کسی وجہ کے میسور پر بڑھیں۔"

مورخ سنکلیر اپنی تاریخ ہند صفحہ ۱۹۰ پر رقمطراز ہے :۔

"۱۷۶۷ء میں مدراس میں انگریزوں کو معلوم ہوا کہ حیدر علی فرانسیسیوں سے سازش کر رہے ہیں۔ کہ انگریزوں کو ہند سے نکالدیں۔ انگریزوں نے نظام اور مرہٹوں سے مدد مانگی۔ اور یہ تینوں فوجیں۔ جس میں نواب محمد علی والاجاہ کی فوجیں بھی شامل تھیں۔ میسور پر حملہ آور ہوئیں۔"

مورخ تھامپسن اپنی تاریخ ہند صفحہ ۲۶۸ پر لکھتا ہے :۔

"نظام الملک ہمیشہ حیدر علی کا حاسد رہا۔ اس کو حیدر علی سے اس درجہ نفرت تھی۔ کہ وہ اس کو یعنے حیدر علی کو غاصب سلطنت سمجھتا تھا۔ لہٰذا انگریز مرہٹے اور نظام الملک نے متحد ہو کر حیدر علی پر چڑھائی کی۔"

تاریخ رولرس آف انڈیا صفحہ ۱۶۸ پر تحریر ہے :۔

"حیدر علی کے خوف سے نظام الملک انگریزوں سے مل گیا۔ اور ایک مرہٹی سردار کے ساتھ مل کر انہوں نے میسور پر فوج کشی کی۔"

مذکورہ بالا انگریزی تاریخوں کے حوالہ جات سے آپ دیکھ چکے ہیں کہ اس جنگ

کی اصل وجہ کیا تھی۔ اب خاص حیدرآباد کی مطبوعہ تاریخی کتب ملاحظہ ہوں:۔

"چونکہ اس زمانہ میں کمپنی کو حیدرعلیخان کی روزافزوں قوت سے اندیشہ تھا۔ اور وہ آئے دن کرناٹک اور انگریزی کمپنی کے علاقے پر حملہ کرتے رہتے تھے۔ اس واسطے کمپنی کو یہ لازم تھا کہ اس کا کوئی معقول بندوبست کرتی۔ اور ساتھ ساتھ اس امر کا انتظام بھی ضروری تھا کہ دکن کے ان رئیسوں کو فراہم کرلے۔ جن کے ساتھ متفق ہو کر حیدرعلی خان اپنی قوت میں اضافہ کر سکتے تھے۔ ان امور پر نظر کرتے ہوئے کمپنی نے بندگانِ عالی کو حیدرعلی خان کے خلاف کھڑا کر دیا"

(نظام علی خان حصہ دوم از سراج الدین طالب صفحہ ۴۳) مطبوعہ حیدرآباد

توزک آصفیہ میں شاہ تجلی علی لکھتے ہیں:۔ (صفحہ ۱۷۴)

"بندگانِ حضرت اگرچہ در تحصیل مقصد آں قوم دانا بود ہمانا در استیصال حیدر نایک استیلائے اہل فرنگ مندمج بہ تخریب ملک او آبادی معمورہائے ایں قوم مندرجہ است۔ معہذا بپاس خاطر رکن الدولہ منظور داشتہ دست رد بہ سینۂ ملتمس او نگذاشتہ۔ پنجہ مسئلت آنہا بحنائے حسن قبول رنگیں فرمودند"

سچ تو یہ ہے کہ نظام علی خاں کو ایک اور اسلامی طاقت کا ابھرنا گراں گذر رہا تھا۔ مگر اتنی جرأت بھی نہیں تھی کہ خود حملہ کرتا۔ دوسری طرف مدراس میں انگریزوں کو خوف ہو چلا تھا کہ کہیں حیدرعلی کی بڑھتی ہوئی طاقت انہیں ہندوستان سے نہ نکال دے۔ سازشیں دونوں جانب سے شروع ہوئیں۔ اور ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے نظام الملک نے علاقہ شمالی سرکار انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ اور اپنی فوج لیکر انگریزوں کے ساتھ علاقہ میسور پر حملہ آور ہوا۔ محمد علی والاجاہ تو پہلے ہی سے انگریزوں کا بندۂ بے دام تھا۔ اسلئے مورخین نے اسکے نام کو نظر انداز کر دیا ہے۔


نواب میر نظام علیخاں نظام الملک آصفجاہِ ثانی


والاجاہ محمد علی نوابِ کرناٹک

بہرطور یہ متحدہ فوجیں علاقہ بالاگھاٹ پر بڑھیں۔ حیدر علی نے بھی تیاریاں شروع کیں۔ حیدری فوج مختلف دستوں پر منقسم ہوئی۔ جس میں ایک پر ٹیپو سلطان کمان کر رہے تھے۔ دوسرے پر محمد علی کمیدان۔ تیسرے دستے پر بخشی ہیبت جنگ۔ چوتھے پر میر علی رضا خاں مقرر ہوئے۔ اور باقی فوج خاص نواب حیدر علی کے ماتحت تھی۔

یہ فوجیں مدافعت کی غرض سے بڑھیں۔ اور انہوں نے متحدہ فوجوں کو رسد نہ ملنے کیلئے ملک کو لوٹ کر فوجوں پر شبخون مارنا شروع کر دیا۔ جس پر انگریزوں نے یہ چال چلی کہ حیدر علی کی توجہ ہٹانے کیلئے علاقہ بمبئی سے ایک فوج ساحل منگلور پر اتار دی۔ کہ بڑھکر بدنور پر قبضہ کرلے۔ نواب کو خبر ہوئی تو انہوں نے ٹیپو سلطان کو اس طرف بھیجدیا۔ اور بعد میں میر علی رضا خاں اور محمد علی کمیدان کو مشرقی محاذ سپرد کر کے خود بھی بدنور کی جانب بڑھے۔

بالاگھاٹ پر اتحادیوں کا قبضہ

نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے چلے جانے سے اتحادیوں کی فوجوں کو پیش قدمی کا کافی موقع مل گیا۔ اور انہوں نے وانمباڑی، ترپاتور، کنگن گڈھ، چکدیو، دہرم پوری، کولار اور ہوسکوٹہ فتح کرلیا۔ ان فتوحات سے مسرور ہو کر والاجاہ نواب محمد علی نے کولار کو اپنا صدر مقام بنایا۔ اور مراری راؤ حاکم گتی کو ان مفتوحہ علاقوں کے انتظام کیلئے اپنے پاس بلالیا۔ نواب محمد علی والاجاہ کا خیال تھا کہ حیدر علی کے مولد و مسکن پر قبضہ کرنیسے حیدر علی مطیع ہو جائیں گے۔

مغربی محاذ پر لڑائی

ٹیپو سلطان نے جاتے ہی منگلور کا محاصرہ کرلیا۔ مگر فوجوں کی کمی کے باعث کوئی زیادہ کارروائی نہ کرسکے۔ اس عرصہ میں حیدر علی بھی آپہنچے۔ مگر ان کے پاس بھی فوج زیادہ نہ تھی۔ حیدر علی نے آٹھ ہزار چیدہ چیدہ

بندوقیں تیار کر کے آٹھ ہزار سپاہی نوکر رکھے۔ اور اس نمائشی فوج کو رنگ برنگ کے عَلَم اور نشان دیکر منگلور پر بڑھا دیا گیا۔ جس وقت انگریزی سپہ سالار نے دیکھا۔ کہ بے شمار فوج اسکے مدمقابل آرہی ہے۔ تو قلعہ چھوڑ کر واپسی کی تیاریاں کرنے لگا۔ ٹیپو سلطان کو جب یہ حال معلوم ہوا۔ تو سواروں کا رسالہ لیکر فوراً قلعہ پر حملہ کر دیا۔ اور ادھر سے توپ خانہ گولے برسا رہا تھا۔ انگریزی فوج نہایت سراسیمگی کی حالت میں اپنا تمام سامان چھوڑ کر جہازوں پر سوار ہو کر بمبئی واپس ہو گئی۔

حیدر علی مشرقی محاذ پر

اس فتح سے فارغ ہو کر نواب حیدر علی مشرقی محاذ پر آئے۔ اس وقت انگریزی فوج نرسی پور میں مقیم تھی۔ اور اس کے بازو پر مراری راؤ کا کیمپ تھا۔ نواب نے اچانک اس پر شبخون مارا۔ اور بہت سا مال اور اسباب لوٹ کر سات گڑھ کی طرف روانہ ہوئے۔ مدراس سے انگریزی فوجوں کے ایک دو دستے نے نکلکر جنوب میں ڈنڈیگل، کوئمتور، دھاراپور وغیرہ پر قبضہ کرلیا اس خبر کے پاتے ہی ٹیپو سلطان کو جنرل اسمتھ کے مقابلے میں چھوڑ کر حیدر علی دھرمپوری کی طرف بڑھے۔ راستے میں انگریزی فوجوں کیلئے چار ہزار بیلوں پر سامان رسد جا رہا تھا۔ اس کو لوٹ لیا گیا۔ دھرمپوری پر چڑھائی ہوئی۔ اور معمولی جنگ کے بعد دھرمپوری فتح ہو گیا۔ دوسری طرف محمد علی کمیدان نے ہسّور فتح کر لیا۔ دھرمپوری کی فتح کے بعد نواب حیدر علی ہوسکوٹہ پر بڑھے۔ اور جب جنرل اسمتھ کو معلوم ہوا تو وہ کولار سے نکلکر ہوسکوٹہ کی مدافعت کیلئے آیا۔ مگر راستے ہی میں ٹیپو سلطان اور محمد علی کمیدان نے اس کو روک لیا۔ ایک سخت جنگ کے بعد قلعہ ہوسکوٹہ فتح ہو گیا تسخیر قلعہ کی خبر پر ٹیپو سلطان نے انگریزی فوجوں کو بنگلور تک بڑھکر آنے کی راہ دیدی: جہاں ایک کمینگاہ میں حیدری فوج انکے انتظار میں

تھی جس وقت یہ فوج کمینگاہ پر پہونچی۔ تو حیدری افواج نے اس پر سختی سے حملہ کیا۔ کہ انگریز پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔ جنرل اسمتھ کولار کی طرف واپس لوٹ گیا۔ اور نواب حیدر علی نے نرسی پور میں قیام کیا۔ اس عرصہ میں انگریزی فوج کیلئے مدراس سے سامان رسد آرہا تھا۔ حیدر علی کی فوج نے ہرن پن ہلی کے قریب اس کو بھی لوٹ لیا۔

مرہٹوں اور نظام کی علیحدگی

اس لوٹ مار اور شبخون کا سلسلہ کچھ اس طرح بڑھا کہ اتحادیوں کی فوج خصوصاً نظام کی حیدر آبادی اور مرہٹی فوج سخت تنگ آ گئی۔ جس کی وجہ سے مرہٹی سردار اپنی فوج کو یہاں سے لیکر دوسری جانب چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی حیدر آبادی فوجوں میں دہشت چھا گئی اور وہ سب بھاگنے پر آمادہ ہو گئے۔ جنرل اسمتھ نے نظام کو بہت کچھ تسلی دی۔ مگر تیسرے دن خبر آئی کہ مرہٹی سردار حیدر علی سے سمجھوتہ کر کے پونا چلا گیا۔ اب تو نظام علی خاں بالکل سر دھن گئے۔ اور کچھ ایسی دہشت غالب ہوئی کہ اپنے امیروں سے واپسی کی صلاح پوچھنے لگے۔

موسیو مڈلٹ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ :-

"نواب نظام علی خاں کے ساتھ گنتی گنانے کو ایک لاکھ سوار و پیادوں کی جمعیت تھی لیکن ان میں شاید دو ہزار بھی اچھے بندوقچی اور جانباز نہ تھے۔ نظام کے ماتحت سرداروں میں ایک رام چندر مرہٹہ اور تین نواب شاہنور، کڑپہ اور کانور کے بھی شامل تھے۔ نظام کے کیمپ میں ارباب نشاط یعنے رقاصہ عورتوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ نواب رکن الدولہ دیوان نظام نے حیدر علی سے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی کی۔ اور صلح نامہ میں طے پایا کہ :-

(۱) نواب محفوظ خاں (برادر کلاں نواب محمد علی والا جاہ) کی بیٹی ٹیپو سلطان سے

بیاہی جائے۔

(۲) نواب محفوظ خان بحیثیت میر انوار الدین کے بڑے بیٹے ہونے کے صوبہ دار ارکاٹ قرار پائیں۔ اور وہ اپنا حق ٹیپو سلطان کو تفویض کر دیں۔

(۳) نواب حیدر علی اور نظام الملک ہمیشہ ایک دوسرے کے حلیف رہیں گے۔

(۴) حیدر علی اور نظام الملک متفقہ طور پر محمد علی کو معزول کرنے کی کوشش کرینگے۔"

صلحنامہ مرتب ہو کر حیدر علی خاں اور نظام الملک کے دستخط ثبت ہوئے۔ جس کے بعد نواب حیدر علی نے اپنے وکیل سنیاجی پنڈت کے ذریعہ مدراس کے گورنر کو ایک مراسلہ بھیجا۔ جس میں نواب محمد علی کا تمام کچا چھٹا بیان تھا کہ کس طرح اسکی سازش سے یہ جنگ ظہور میں آئی ہے۔ مدراس کے انگریز تو جانتے ہی تھے کہ یہ آگ خود انکی اپنی لگائی ہوئی ہے۔ اس لئے انہوں نے حیدر علی کو دبتا دیکھکر ایسی شرائط پیش کیں۔ جنہیں حیدر علی نے ٹھکرا دیا۔ حیدر علی کو یہ گوارا نہیں تھا کہ چالباز محمد علی اپنی جوڑ توڑ میں کامیاب ہو۔ اور کسی طرح فوقیت لیجائے۔ اس پر انگریزوں کو آئندہ جنگ جاری رکھنے کی فکر ہو گئی۔ لہٰذا انہوں نے کرنل اوڈ کے ماتحت بنگلور پر قبضہ کرنے کیلئے ایک فوج روانہ کی۔

کرناٹک پر حملے

نواب حیدر علی نے جب دیکھا کہ انگریزوں کے قدم ان کے ملک میں مضبوطی سے جم رہے ہیں۔ اور والا جاہ محمد علی کولار میں بیٹھا ہوا جوڑ توڑ میں مصروف ہے۔ تو انہوں نے بھی مناسب سمجھا کہ پائیں گھاٹ پر اتر کر محمد علی کے علاقوں پر قبضہ کر لیں۔

برق و باد کی طرح حیدری افواج پائیں گھاٹ پر بڑھیں۔ کشنگری، ترپاتور، وانمباڑی، آمبور، سات گڈھ، ویلور، دھونی گڈھ، کبیر پٹن اور ترچناپلی پر قابض ہو گئیں۔

تمام ملک لوٹ کر تباہ کر دیا گیا۔ شاہزادہ ٹیپو سلطان نواح مدراس کی طرف بڑھا۔ میر علی رضا خاں تنجاور پر، غازی خاں چتور پر اور مہامیرزا نلّور پر۔ ان تمام سرداروں کو حکم تھا کہ لوٹ مار کر کے ان علاقوں کو ویران کر دیا جائے۔

جس وقت حیدری افواج نے پائین گھاٹ کو لوٹ کر ویران کرنا شروع کر دیا۔ اور حیدر علی کا شہروں پر قبضہ ہوتا گیا۔ تو اس وقت نواب محمد علی والا جاہ اور جنرل اسمتھ کی آنکھیں کھلیں۔

ایک جانب تو رسد بند ہو گئی۔ اور دوسری جانب حیدری فتوحات سے خوف پیدا ہو گیا تھا۔ کہ نوابی ارکاٹ کا خاتمہ ہی نہ ہو جائے۔ چنانچہ انگریزی اور والا جاہی فوجیں بالا گھاٹ خالی کر کے پائیں گھاٹ میں اتر آئیں۔ محمد علی کو افسوس تھا کہ بنگلور پر قبضہ نہ ہو سکا۔ اور اس نے مدراس کو لکھا کہ جنرل اسمتھ کی تاخیر سے متوقع فتوحات نہ ہو سکیں۔ جس پر مدراس گورنمنٹ نے جنرل اسمتھ کو مدراس طلب کیا۔ اور والا جاہ محمد علی بھی مدراس گیا۔ کہ آئندہ تدابیر جنگ پر غور کرے۔ جنرل اسمتھ تو مدراس سے کلکتہ چلا گیا۔ کرنل اوڈ کو کل فوج کی کمان دی گئی۔ اور محمد علی مدراس میں مقیم تھا۔ کہ ٹیپو سلطان کی فوجیں نواحیٔ مدراس میں لوٹ مار کرتی قلعہ سنٹ جارج پر پہونچیں۔ اور شہر پر گولہ باری ہونے لگی۔

اتفاق سے ایک گولہ اس جگہ گرا۔ جہاں محمد علی اور گورنر مدراس بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ انگریزوں پر اس قدر دہشت چھا گئی۔ کہ گورنر مدراس ساحل کی طرف بھاگا۔ اور جہاز میں پہنچکر پناہ لی۔ اس پریشانی میں گورنر کی ٹوپی اور تلوار وہیں میز پر دھری رہ گئی جہاں وہ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ نواب محمد علی والا جاہ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا۔ اور اپنے محل میں پناہ گزیں ہوا۔ ٹیپو سلطان کا ارادہ تھا۔ کہ بڑھکر قلعہ مدراس پر قبضہ کر لے۔ مگر انگریزوں

نے ایسا چکمہ دیا کہ سلطان دہوکہ میں آگیا۔ حیدرعلی کی طرف سے ایک فرضی قاصد سلطان
کے نام یہ فرمان لایا کہ ترنا ملے کی شکست کی وجہ سے فوراً تمہاری مدد درکار ہے۔ لہٰذا
سلطان کو لوٹ مار سے جو کچھ حاصل ہو سکا وہ لیکر ترنا ملے واپس ہوگیا۔

کرنل اوڈ کا حملہ اور شکست

کرنل اوڈ اپنی فوجیں لیکر بانگلور کے راستے سے ہسٹو
پر بڑھا کہ کسی طرح بنگلور پر قبضہ ہو جائے۔
نواب حیدرعلی نے خبر پاکر راستہ روکا۔ اور کرنل اوڈ کی فوج کو شکست دیکر بھاری توپوں
اور سامان پر قبضہ کر لیا۔ اب پیچھے ہٹنے سے کرنل اوڈ کو معلوم ہوا کہ حیدری لشکر نے ان کو
چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔

لیون بی بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"بدقسمتی سے اس موقع پر حیدرعلی کی توپوں سے انگریزی فوج کو بہت ہی مصیبت
ناک بربادی میں مبتلا ہونا پڑا آخرکار میجر فیسٹر جیرلڈ جو وینکٹ گری میں متعین تھا
کرنل اوڈ کی مدد کو پہنچا۔ اور پیچھے سے آکر کرنل اوڈ کی فوج کو تمام وکمال برباد
ہونے سے بچالیا۔ اس بدقسمت جنگ کا یہ نتیجہ ہوا کہ کرنل اوڈ بھی واپس کر لیا گیا۔
اور کرنل لینگ اسکی جگہ بھیجا گیا!"

اِدہر تو انگریز بنگلور فتح کرنے کی بیکار کوششیں کر رہے تھے۔ اُدھر حیدرعلی نے اپنے نائب
فضل اللہ خاں ہیبت جنگ کو نئی فوجیں بھرتی کرنے کیلئے سرنگا پٹم روانہ کیا۔ جب تمام
تیاریاں مکمل ہو چکیں۔ تو حیدرعلی نے نومبر ۱۷۶۸ء میں فضل اللہ خان ہیبت جنگ کو ایک بڑی
زبردست فوج اور توپ خانہ دیکر انگریزوں سے انتقام لینے کیلئے درۂ گجل ہٹی کی طرف
روانہ کیا۔ جو اس وقت انگریزوں کے قبضہ میں تھا۔ ہیبت جنگ نے جاتے ہی اس پر

قبضہ کرلیا۔

اس کے پیچھے خود نواب حیدرعلی ایک جرّار فوج معہ توپ خانہ لیکر روانہ ہوئے۔ اور ضلع کوئمتور میں داخل ہوکر کرور پر قابض ہو گئے۔ اور ایروڈ کی جانب بڑھے۔ راستہ میں کپتان نکسن سے مقابلہ ہوگیا۔ اور اسے شکست فاش ہوئی۔ اس کی فوج میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو یا تو مارا نہ گیا ہو اور یا زخمی نہ ہوا ہو۔ اس کے بعد نواب حیدرعلی نے ایروڈ کو فتح کرلیا۔ انگریزی افسر جو وانمباڑی کا کمانیر تھا۔ اس نے پچھلے سال نواب حیدرعلی سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ انکے خلاف جنگ میں حصّہ نہیں لیگا۔ لیکن اب جو کمانیر پایا گیا تو نواب حیدرعلی نے وانمباڑی کی تمام فوج کو معہ کاویری پورم کی فوج کے گرفتار کرکے سرنگاپٹم کو روانہ کردیا۔ پھر نواب حیدرعلی نے گھاٹوں کے جنوب میں ان تمام اضلاع کو فتح کرلیا۔ جو انگریزوں نے ان سے چھین لئے تھے۔ اسکے بعد حیدرعلی مدراس کی طرف متوجہ ہوئے اس فوج کشی پر مدراس کی گورنمنٹ بہت سراسیمہ اور پریشان ہوئی۔ اور کپتان بروک کو صلح کی گفت وشنید کے لئے نواب حیدرعلی کی خدمت میں بھیجا۔

نواب حیدرعلی نے صلح پر رضامندی ظاہر کی۔ لیکن انہوں نے ارکاٹ کے دغاباز نواب محمدعلی کو کسی قسم کی رعایت دینے سے انکار کردیا۔ نواب حیدرعلی نے انگریزی سفیر سے کہا کہ "میں خود مدراس آرہا ہوں اور وہاں ان شرائط کو سنوں گا جو کہ گورنر اور کونسل پیش کرنا چاہتی ہے"۔

انگریزی سفیر کو مدراس رخصت کرکے نواب حیدرعلی اپنی بے باک جرأت وہمت سے جس کیلئے وہ ممتاز تھے۔ وہ تدابیر اختیار کیں کہ مدراس گورنمنٹ پر لرزہ طاری ہوگیا۔ یعنے حیدرعلی نے اپنی فوج کے اصلی حصّہ کو اتھور درّہ سے ہوکر مغرب کی جانب کوچ کرنے کا

حکم دیا۔ اور چھ ہزار چیدہ سوار اور کچھ پیدل فوج لیکر وہ خود جانب مدراس روانہ ہوئے اور ساڑھے تین دن میں ۱۳۰ میل کا سفر طے کر کے کوہ سنیٹ تھامس پر جو مدراس سے پانچ میل پر ہے۔ جا پہنچے۔ انگریزوں میں ایک ہلچل مچ گئی۔ اور انہوں نے فوراً سر اطاعت خم کر دیا۔

نواب حیدر علی اگر اس وقت چاہتے۔ تو مدراس پر بآسانی قبضہ کر کے جنوبی ہند میں انگریزی اقتدار کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے انگریزوں کے ساتھ اس قدر نرمی کا برتاؤ کیا کہ ایک مغلوب دشمن کو اپنے فاتح سے کبھی ایسی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ نواب حیدر علی نے حسب ذیل شرائط پیش کیں۔ جنہیں قبول کرنے کیلئے انگریز مجبور تھے۔

(۱) آئندہ فریقین ایک دوسرے کے مددگار رہیں۔

(۲) فریقین اپنے اپنے مقبوضات کو جو دوران جنگ میں انہوں نے فتح کئے تھے۔ اور نیز اپنے اپنے قیدی ایک دوسرے کو واپس کر دیں۔

(۳) علاقۂ کرور جو محمد علی والاجاہ کی ملکیت تھی۔ آئندہ نواب حیدر علی کی ملکیت قرار پائے۔

ان شرائط کو انگریزوں نے قبول کر لیا۔ فرنچ مورخ موسیو مڈلٹ ان شرائط پر یہ بھی اضافہ کرتا ہے کہ والاجاہ محمد علی سالانہ چھ لاکھ روپیہ بطور نعلبندی حیدر علی کو ادا کرنا منظور کیا۔ ۲۹ مارچ ۱۷۶۹ء کو اس صلحنامہ پر دستخط ہوئے۔ اور اس کی یادگار میں ایک کتبہ قلعہ سینٹ جارج مدراس کے دروازے پر حیدر علی کے حکم سے لگایا گیا۔ جس کے متعلق سر الفرڈ لائل لکھتا ہے:۔

"حیدر علی نے اپنی فتح کی یادگار مدراس میں اس طرح چھوڑی کہ اسکے حکم سے انگریزوں نے ایک کتبہ قلعہ سینٹ جارج کے دروازے پر لگایا۔ جس میں بتلایا گیا کہ گورنر مدراس

اور ممبران کونسل حیدر علی کے آگے اپنے زانوؤں پر بیٹھے ہیں۔ اور حیدر علی ایک ممبر کی ناک جو ہاتھی کے سونڈ کے مشابہ بتلائی گئی ہے۔ پکڑ کر کھینچ رہے ہیں۔ جس میں سے اشرفیاں گر رہی تھیں۔ کرنل اسمتھ ایک طرف صلحنامہ ہاتھ میں لئے ہوئے اپنی تلوار توڑ کر رکھ رہا ہے۔"

جنگ کے نتیجہ پر انگریزی مورخین کی رائیں۔ بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

"کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اپنی نقل و حرکت سے جو اس صلح سے قبل عمل میں آئی۔ میسور کے سردار حیدر علی نے اپنی سلیقہ شعاری اور مادرزاد تدبر و ذکاوت کے اعلیٰ صفات کا اظہار کیا ہے۔ برخلاف اس کے مدراس کی گورنمنٹ نے کم فہمی اور اپنے بودے پن کا ثبوت دیا۔ اور نادانی سے دغاباز محمد علی پر بھروسہ کیا۔ مگر حیدر علی نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس نے محمد علی کی فریب دہی کا پورا پورا اندازہ کر لیا تھا۔"

سر الفرڈ لائل لکھتا ہے :-

"اگر جنگ کی ابتدا ایک سیاسی غلطی تھی تو خاتمہ اس سے بھی بدتر نکلا۔"

ڈی لافوسی اپنی تاریخ ہند کے صفحہ ۱۷۰ پر لکھتا ہے :-

"جنگ کا خاتمہ شکست اور بے شرمی پر ہوا"

مورخ تھامپسن اپنی تاریخ ہند کے صفحہ ۲۷۰ پر لکھتا ہے :-

"حیدر علی کرناٹک کو ویران کر رہا تھا۔ انگریزی فوجیں اس کے پیچھے رینگ رہی تھیں۔ حیدر علی طوفان باد کی طرح مدراس کے دروازوں پر نمودار ہوا۔ گورنر اور ممبران کونسل پر اتنا ہراس چھا گیا کہ وہ اپنے اپنے گھروں اور باغیچوں میں چھپ گئے۔ حیدر علی کے پیش کردہ شرائط پر ۱۷۶۹ء میں صلح ہو گئی۔"

کرنل مالیسن اپنی تصنیف "ہندوستان کی فیصلہ کن لڑائیاں" میں رقمطراز ہے :۔

"اس وقت حیدر علی کل سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ مدراس شہر کی قسمت اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس کی آمد کا رعب اتنا غالب ہوا تھا۔ کہ مدراس کا قلعہ بھی اس کے ہاتھ آ جاتا۔ ایسی حالت میں انگریزوں کو اس کی تمام شرائط پر سر تسلیم خم کرنا پڑا۔"

اس شکست کی خبریں انگلستان میں پہونچتے ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کے حصص کی قیمت ساٹھ فی صدی کم ہو گئی۔ یہ عہدنامہ نواب حیدر علی اور شاہ انگلستان کے درمیان لکھا گیا۔ اسلئے کہ نواب نے کمپنی کو فریق ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

صلحنامۂ مدراس پر دو نظریے

پہلا نظریہ :۔ اسلامی نقطہ نظر سے حیدر علی کی یہ رواداری اس قابل ہے کہ اس پر مسلمان جس قدر بھی ناز کریں۔ بجا ہے۔ اس نے :۔

"زندہ رہو اور زندہ رہنے دو"

کے مقولہ پر عمل کر کے اپنی سچی اسلامی بہادری کا نمونہ دنیا کے آگے پیش کر دیا۔ حیدر علی کے ظلم و ستم پر اعتراض کرنیوالے دیکھیں کہ باوجود فاتح ہونے کے حیدر علی نے اپنے شکست خوردہ حریف سے کیا سلوک کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام انگریزی مورخین اسکی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ کہ حیدر علی نے انگریزوں پر اعتماد کر کے اپنی عقل و فرزانگی کا ثبوت دیا۔

دوسرا نظریہ :۔ ہندوستان اس صلحنامہ پر جتنا بھی ماتم کرے۔ بجا ہے۔ ایک فاتح جنرل اپنے مغلوب دشمن سے شرائط صلح یوں طے کرتا ہے۔ کہ اسکے تمام مقبوضات اس کو چھوڑ دیتا ہے اور آیندہ صرف دوستی کا حلف لیکر بغیر کسی معاوضہ کے ہی پلٹ جاتا ہے۔ انگریزوں کی ہستی

اس وقت حیدر علی کے رحم و کرم پر منحصر تھی۔ مگر اس نے انکی بے بسی سے فائدہ اٹھانیکی کوئی
کوشش نہیں کی۔ آہ! یہی عفو بیجا سلطنت خداداد کے زوال کا بھی باعث ہوی۔ اگر اسے
نواب حیدر علی کی سیاسی غلطی سے تعبیر کیا جائے۔ تو اس کا بڑا سبب یہی ہے کہ بدقسمت
ہندوستان کے باشندے باہم خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ اور ایک دوسرے کے اقتدار کو دیکھنا
گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ مرہٹوں کو یہ فکر تھی کہ ایک اسلامی طاقت کا آغاز انکے سدراہ ہے۔
اودھر نظام الملک کو حسد تھا کہ حیدر علی کا وجود اس کے لئے پیغام مرگ ہے۔ حیدر علی بھی ابتدا
سے دیکھ رہا تھا کہ اس حسد و نفاق کے سبب مرہٹے اور نظام ہمیشہ اس کی طاقت کو فنا کرنے
کیلئے پے در پے حملے کر چکے ہیں۔ اور کر رہے ہیں۔ اس لئے اسکو ایک ایسے حلیف کی ضرورت
تھی۔ جو وقت ضرورت مدد دے سکے۔ اور اس نے اس صلحنامہ کے ذریعہ ایک حلیف پیدا کر لیا
مگر اس حلیف یعنے انگریزوں نے جس ایمانداری سے اس عہد کو نبھایا۔ خاص انگریزی مورخین
کی زبانی سنئے۔

تاریخ ہند از ڈی۔ لا۔ فوسی صفحہ ۱۸۰ :-

"جب آزمایش کا وقت آیا تو انگریز اپنے عہد پر پورے نہیں اترے"

رولرس آف انڈیا صفحہ ۱۷۰ :-

"عہدنامہ کچھ ایسے الفاظ میں مرتب تھا کہ جسکے مختلف معنے ہو سکتے ہیں۔ اور اس
سے انگریزوں نے فائدہ اٹھا کر حیدر علی کو جس وقت مدد کی ضرورت تھی۔ کمک
نہیں دی۔ اور اس طرح ایک عمدہ دوست کو دشمن بنا لیا"

سنکلیر لکھتا ہے :-

"جب حیدر علی کو ضرورت تھی تو بموجب عہد نامہ کے انگریزوں نے مدد نہیں دی"

ایک اور انگریزی مورخ لکھتا ہے :-

"انگریزوں نے جب عہد نامہ پر دستخط کئے۔ تو ان کا یہ ارادہ ہی نہیں تھا کہ اس پر عمل درآمد بھی کریں۔ اور اس پر لطف یہ کہ انہوں نے نواب والا جاہ محمد علی کا علاقہ کرور بھی حیدر علی کو دیدیا۔ کہ ہمیشہ ان دونوں میں چلتی رہے"۔

میجر ٹارنس ممبر پارلیمنٹ اپنی کتاب "ایمپائر ان ایشیا" میں لکھتا ہے :-

"کمپنی کو حیدر علی سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ لیکن کمپنی نے نظام حیدر آباد سے اضلاع شمالی سرکارس کے متعلق معاہدہ کیا تھا۔ جس کے معنے یہ تھے کہ نظام کو حیدر علی کے خلاف مدد دی جائے۔ سرنگاپٹم اور حیدر آباد کی رقابت مشہور تھی۔ ایک ایسے وقت جب مرہٹوں کے حملوں نے حیدر علی کو کمزور بنا رکھا تھا۔ حیدر آباد اور کمپنی کی فوجوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ یہ صحیح ہے کہ اس وقت تک بھی جبتک کمپنی کی فوجیں سرحد میسور پر نہ پہونچیں۔ کمپنی اور حیدر علی میں دوستی تھی۔ لیکن اس دوستی کی حقیقت کیا ہے جو ایک کمزور اور طاقتور کے درمیان ہو۔ حیدر علی اس وقت کمزور تھا۔ کمپنی طاقتور تھی۔ وہ اپنے کمزور دوست کو مہلت دینا نہیں چاہتی تھی۔ کہ وہ طاقتور ہو جائے۔ اس لئے کمپنی کی فوجیں بارا محل کے ملک پر بڑھیں۔ جو انکے مقبوضات کے قریب تھا۔ لیکن جنگ کا نتیجہ کیا نکلا۔ یہی کہ مشرقی جنگوں میں جس طرح ہوتا آیا ہے۔ وہی یہاں بھی ہوا۔ حیدر اپنے دشمنوں مرہٹوں اور نظام سے بھگت کر اپنی پوری طاقت کے ساتھ انگریزوں پر برس پڑا۔ وہ میسور سے ایک طوفان کی طرح اٹھا۔ جس کی تندی کے آگے حملہ آور ہانپتے، کانپتے اور شدید نقصان اٹھاتے ہوئے یہاں تک بھاگے کہ قلعہ سنٹ تھامس مونٹ میں پہونچے۔ یہاں حیدر نے مدراس کے قلعہ کی دیواروں

کے سایہ میں ایک صلح نامہ لکھا یا۔ جس میں ایک شرط یہ تھی۔ کہ وقت ضرورت کمپنی اس کو سات پلٹنوں سے کمک دے۔ لیکن اس معاہدہ پر کمپنی نے جس طرح عمل کیا۔ وہ بعد کی تاریخ سے تعلق رکھتا ہے۔"

نظام الملک اور انگریز

نظام الملک میر نظام علی خاں کو توقع تھی کہ اس کے علیحدہ ہو جانے سے دونوں حریفوں (یعنے انگریز اور حیدر علی) میں سے ایک نہ ایک مغلوب ہو جائیگا۔ اگر حیدر علی مغلوب ہو جائیں تو وہ خار جو اس کے پہلو میں کھٹکتا اور جو اس کے خواب شہنشاہیت میں سنگ گراں ثابت ہو رہا ہے۔ دور ہو جائیگا۔ اور انگریز مغلوب ہوں تو ان کا نام ونشان مٹ جائیگا۔ اور اس طرح اس کے وہ مقبوضات جن پر انگریز قابض تھے۔ واپس ملنے کے علاوہ کرناٹک پر بھی اس کا قبضہ ہو جائیگا۔

تاریخ نظام علیخان مطبوعہ حیدر آباد کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۸۵ پر لکھتا ہے:۔

(میر نظام علی خاں نے) فرمایا کہ انگریزوں کے ساتھ متفق ہونے کی نسبت میرا منشا پہلے ہی نہیں تھا۔ ہم کو لازم نہیں تھا کہ نصاریٰ کی استدعا پر حیدر علی خاں سے جو ان غاصبانِ سلطنت کے تباہ و برباد کرنے میں مشغول ہیں۔ جنگ کرتے۔ اصولاً تو ہم کو چاہیئے یہ تھا کہ ان دونوں میں سے کسی کی بھی مدد نہ کرتے۔ یہاں تک کہ آپس میں لڑتے لڑتے کوئی ایک غالب ہو جاتا۔ جس کے بعد حکمت عملی سے اس غالب پر قابو پانا ہمارے لئے آسان تھا۔"

مگر جنگ کا نتیجہ اس کے حسبِ خواہش نہیں نکلا۔ کیونکہ دونوں حریف ایک دوسرے کے دوست بنکر میدان جنگ سے واپس ہوئے۔ اس لئے نظام نے پھر یہی بہتر سمجھا کہ حیدر علی

سے قطع تعلق کرکے انگریزوں سے ملجائے۔ دوسری طرف انگریز بھی اپنے سلسلۂ عیاری کو جاری رکھے ہوئے تھے۔ کہ کسی طرح نظام علی خاں کو اپنے دامِ فریب میں لے آئیں۔ اور جن لوگوں نے اس میں سب سے بڑھکر حصہ لیا۔ وہ دیوان رکن الدولہ اور میر عالم تھے۔ جنہوں نے نظام کو انگریزوں سے دوستی بڑھانے پر مائل کیا۔ اور میر عالم سفیر ہو کر انگریزوں کے آستانے پر مدراس حاضر ہوا۔ اور ایک عہدنامہ پر دستخط ہوئے۔ جس کی رو سے نواب محمد علی والاجاہ کو سند نوابی ارکاٹ دوامًا مل گئی۔ اور کرناٹک پر سے حیدرآباد کی سیادت کا تعلق منقطع ہو گیا۔ (سندس انڈ ٹریٹیز)

جنگ کے دوران میں انگریزی علاقے کی حالت

انگریزی عملداری کے متعلق انگریز مورخ تھامپسن لکھتا ہے کہ "انگریزوں کی فوج نے ملک کے اکثر حصہ کو لوٹ کر تباہ کر دیا تھا۔ رعیت بھوکوں مر رہی تھی۔ اور انگریزی عمال انِ حکومت کا یہ حال تھا کہ باربرداری کیلئے جو مویشی لیے جاتے تھے۔ ان کی قیمت یا کرایہ تک ادا نہ کرتے تھے" نواب حیدر علی پر لوٹ مار کا الزام لگانے والے آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ حیدر علی کے مہذب حریف کس طرح داد حکمرانی دے رہے تھے۔ اور خود ان کا ملک کس امن و راحت میں تھا؟

نواب حیدر علی کی مراجعت سرنگاپٹم

یوں تو نواب حیدر علی کی سواری کا شاہانہ کر و فر، فتح بدنور، کنارا و ملیبار کے بعد بہت کچھ بڑھ گیا تھا۔ اور جس وقت فتح ملیبار کے بعد نواب حیدر علی سرنگاپٹم آئے۔ تو ان کے شاہانہ جلوس کی شان و شوکت مدت العمر لوگوں کو یاد رہی۔ لیکن جب صلحنامۂ مدراس کے بعد نواب حیدر علی مراجعت فرمائے سرنگاپٹم ہوئے تو انکے جلوس کی چشم دید کیفیت

ایک فرنچ مورخ نے اس طرح لکھی ہے :۔

" جس وقت جلوس سرنگا پٹم پہنچا۔ تو اس میں پچاس ہزار جرار سوار۔ اسّی ہزار پیادے۔ اور چار ہزار بندوقچی شامل تھے۔ اسکے علاوہ توپ خانہ اور بانوں بم برداروں کی تعداد علیحدہ تھی۔ جس کی ترکیب اس طرح تھی "

(۱) سب سے آگے سواران فرنگستان کا خوبصورت رسالہ تھا۔ جنکی خوشنما وردیاں اور اونچی اونچی ٹوپیاں اوران کے زرق برق اسلحہ اور تنومند گھوڑوں سے عجب جاہ واحتشام ظاہر ہوتا تھا۔

(۲) ان کے پیچھے تین سو شتر سوار نامہ بر ساز و سامان سے آراستہ دو کوہان والے اونٹوں پر چمکدار بھالے لئے ہوئے نظر آتے تھے۔

(۳) انکے پیچھے دو ہاتھی نہایت سربلند نشان بردار ہوتے تھے۔ یہ نشان نیلے رنگ کے ریشمی اور زرکار پھریروں سے آراستہ تھے۔ اور ایک نشان پر آفتاب کی صورت۔ دوسرے پر چاند اور ستاروں کی صورت زریں کام سے بنی ہوئی تھی۔

(۴) انکے بعد ایک سب سے اونچے ہاتھی پر ایک جوڑی نقارہ کی رکھی تھی۔ اور نقارہ نواز بجاتے جاتے تھے۔

(۵) پھر قرنا بجانے والے سواروں کا ایک غول تھا۔ اس قرنا کے ذریعہ سے جوشیلے راگ فوج کو سنائے جاتے تھے۔ اور سپہ سالاروں کے احکام بھی انہیں کے ذریعہ سے تعلیم یافتہ فوج کو پہنچائے جاتے تھے۔

(۶) ان کے بعد چار ہاتھی اور تھے۔ ان پر چوبیس ارباب نشاط بیٹھے ہوئے موسیقی کے ساز بجاتے جاتے تھے۔

(۷) اسکے بعد پانچ ہاتھی اور تھے. جن پر طلائی مرصع کار عماریاں رکھی ہوئی تھیں یہ ہاتھی اس لئے ساتھ ہوتے تھے. کہ لڑائی کے وقت نواب مع سرداروں کے سوار رہے. مگر نواب نے سوائے گھوڑے کے کبھی ان ہاتھیوں پر بیٹھنا پسند نہیں کیا۔

(۸) ان کے بعد چار اور ہاتھی تھے. ان پر زرین ہشت پہلو ہودے کسے ہوئے تھے ان ہودوں پر چھ چھ جوان زرہ فولاد چار آئینہ جوشن بکتر پہنے ہوئے سوار تھے. اور بھری ہوی بندوقیں ان کے ہاتھوں میں تھیں۔ جوادنیٰ اشارہ پر گراب مارنے کو تیار ہو جاتے تھے۔

(۹) اسکے بعد دو رسالے حبشیوں کے تھے۔ ان کے ہتھیار نہایت چمکدار تھے۔ جن کی جگمگاہٹ سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں. ان کے خوردوں کے اوپر سرخ و سیاہ پر نہایت لطف دیتے تھے. انکے ہاتھوں میں چمکدار نیزے تھے. اور گھوڑوں کے ابریشمی زینوں میں خوبصورت آویزے عجب بہار دکھاتے تھے۔

(۱۰) ان کے پیچھے کالوں کا ایک عجیب قشون تھا۔ یہ ایک چادر اوڑھے اور گھٹنوں کے اوپر تنگ جانگئے پہنے اور کمر میں بجتا ہوا گھنٹہ باندھے سر پر شتر مرغ کے پر لگائے میانہ چال چلتے تھے. اور ان کے ہاتھوں میں لمبے نیزے تھے۔

(۱۱) ان کے بعد ایک لمبی قطار جھنڈی برداروں کی تھی. انکی جھنڈیوں میں سرخ اطلس کے پھریرے تھے۔ ان جھنڈیوں کے اوپر فولاد کی تیز بھال لگی ہوی تھی۔

(۱۲) اسکے بعد دولت حیدری کے شاہزادے اور سپہدار اور دوسرے افسر اور جاں نثار تھے. جو سر سے پاؤں تک غرق فولاد نظر آتے تھے. عربی گھوڑوں پر سوار شمشیر زریں. نیام اگر سے لگی ہوی۔ لباس نہایت خوشرنگ وزرکا۔ خوددں پر



نوابؒ حیدر علیؒ

دریا دولت باغ کی تصویر ہے جس میں جلوس بتلایا گیا ہے۔

جڑاؤ کلغیاں لگی ہوئی تھیں۔ بعض شوقین زرہ بینا کار پہنے رواں تھے۔ گھوڑوں کے سروں پر جڑاؤ کلغیاں اور موتیوں کی جھالریں آویزاں تھیں۔ اس جماعت خاص میں کم و بیش چھ سو آدمی تھے۔

(۱۳) اس جماعت کے بعد اسّی سوار شکاری۔ یکہ تاز تھے۔ ان کے گھوڑے بھی نہایت اعلیٰ درجہ کے عربی اور خوبصورت سامان سے آراستہ تھے۔

(۱۴) اس کے بعد بارہ گھوڑے سواری خاصہ کے چھل بل دکھاتے ہوئے کوتل چلتے تھے۔ یہ گھوڑے بہت ہی قیمتی اور شائستہ تھے۔ اور انکے زرین اور مرصع زین و لگام بھی لاکھوں روپیہ کی لاگت کے تھے۔

(۱۵) ان گھوڑوں کے پیچھے ایک فوج پیادوں کی تھی۔ جو سنہری ملمع کا ایک لمبا سیاہ رنگ عصا لیئے ہوئے تھی۔

(۱۶) اسکے بعد بارہ نقیب ترکی گھوڑوں پر سوار سونے کے عصائے مرصع ہاتھوں میں لیئے ہوئے تھے۔

(۱۷) ان کے بعد سب منصب دار خانگی۔ جیسے خانساماں، سرگروہ نقیبان اور سلحدار حیدری وغیرہ۔ انکے گلوں میں طوقِ زرین انکی شناخت کا پڑا ہوا تھا۔

(۱۸) اس کے بعد میر صدقات کا ہاتھی تھا۔

(۱۹) اتنے سلسلہ کے بعد نواب حیدر علی کا فیل ابیض (سفید ہاتھی) جھوم جھوم کر خراماں خراماں آتا تھا۔ اس خوش نصیب ہاتھی کے اگلے پاؤں میں چاندی کے حلقے اور گلے میں سونے کی زنجیریں پڑی تھیں۔ یہ ہاتھی سب ہاتھیوں سے زیادہ بلند اور تنو مند تھا۔ اس کی عماری جس میں نواب حیدر علی بیٹھے تھے۔ سوائے چار کلس طلائی

کے اور کوئی زینت خانہ نہ رکھتی تھی۔ اور دو تیر سونے کی زنجیروں سے بندھے عماری کی دونوں طرف لٹکتے تھے۔ یہ دونوں تیر راجہ زامرن حاکم ملیبار کی عماری میں رہتے تھے۔ جب نواب نے اس پر فتح پائی تو وہ تیر نواب کی عماری میں لٹکائے جانے لگے۔ اس ہاتھی کی مصطک پر ایک زرین سپھر لگی ہوی تھی۔ اور خواصی میں دو چنور بردار بیٹھے مورچل جھیلتے تھے۔ اس مورچل سے نہایت عمدہ خوشبو نکلتی تھی۔ اور دور دور تک کی ہوا کو معطر کردیتی تھی۔

(۲۰) نواب کے ہاتھی کے بعد ۲۰۰ دو سو ہاتھیوں کی قطار تھی۔ جو دو دو ہاتھی برابر رکھکر قایم کی جاتی تھی۔ ان پر طرح طرح کے نقرہ و طلائی، مرصع ہودے اور عماریاں کسی ہوی تھیں۔ ہر ہودہ پر ایک سردار بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس کا خدمتگار اسکی خواصی میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہاتھیوں کی پوزیشن اور جھولیں زربفت و زردکار کی مغرق ہوتی تھیں۔ اور جن ہودوں یا عماریوں میں شاہزادے یا اکابر دولت سوار تھے۔ وہ جواہر بیش قیمت سے مرصع تھیں۔ جھولوں میں سچے موتیوں کی جھالریں نظر آتی تھیں۔

(۲۱) اس قطار کے بعد پانچ اور سر بلند ہاتھی تھے۔ ان میں ایک ہاتھی پر طلائی مسجد رکھی ہوئی تھی۔ دوسرے ہاتھی پر تین مچھلیاں جن کے فلوس جواہر سے بنائے گئے تھے۔ اور بعض جگہ میناکاری کی ہوی تھی۔ چوتھے ہاتھی پر دو دیگچیاں سونے کی دو سنہری چوکیوں میں رکھی تھیں۔ پانچویں ہاتھی پر ہاتھی دانت کی بنی ہوئی ایک چوکی رکھی ہوئی تھی۔

(۲۲) اسکے بعد دو رسالے حبشیوں کے اسی ساز و سامان سے آئے۔ جیسے پہلے نکل

چکے تھے۔

(۲۳) ان کے بعد حبشیوں کی پلٹن آئی۔ ان کا لباس قرمزی رنگ کا تھا۔ گلے میں چاندی کے طوق پڑے تھے۔ ہاتھوں میں نیزے لئے ہوئے تھے۔

(۲۴) پھر اور ایک چالاک اور جاں نثار سپاہیوں کا غول تھا۔ جو دو دو مل کر چلتے تھے۔ ان کا لباس ریشمی تھا۔ اور ان کے ہاتھوں میں ایک ایک نیزہ چودہ چودہ ہاتھ کا لمبا سیاہ وارنش سے چمکتا ہوا نظر آتا تھا۔"

نواب حیدر علی کا یہ شاہانہ جلوس جہاں جہاں سے گذرتا تھا۔ تماشائیوں کو جاہ وجلال دکھاتا جاتا تھا۔ جس کا ذکر مہینوں ہوتا رہتا۔ اور درمیان میں جو راجے اور نواب تھے۔ وہ بڑے شوق سے اس کے استقبال اور اس کے فوجی احتشام کو دیکھنے آتے۔ الغرض نواب کا یہ جلوس سرنگاپٹم کے قریب پہنچا۔ تو میر مخدوم علیخاں نے بہت ہی دھوم دھام سے معہ امراء وسرداران دارالامارت شہر سے چند میل آکر استقبال کیا۔ اور تمام امراء وسردار اور سب اہل فوج بعد دربار کے اپنے گھروں کو گئے۔

مرہٹوں کا چوتھا حملہ میسور پر ۱۷۷۰ء

نواب حیدر علی خان کی فتوحات اور صلحنامۂ مدراس کی کیفیت جس وقت پونا پہنچی۔ تو پیشوا مادھوراؤ اپنی فوجوں کو جمع کر کے میسور پر اس لئے حملہ آور ہوا کہ نواب نے پچاس لاکھ روپیوں کا جو وعدہ کیا تھا۔ اس کو مع چوتھ وصول کرے۔ نیز اسوقت مرہٹوں کا مقصد خاص یہ بھی تھا کہ صوبۂ سرا پر بھی اپنی عملداری قایم کر کے جنوبی ہندوستان میں پھر ایکبار مرہٹی طاقت کو شہنشاہیت کے رتبہ پر پہنچا دے۔

مرہٹی فوج

مادھوراؤ پیشوا کے ساتھ اس کا وزیر نانا فرنویس اور سپہ سالار تریک راؤ

تھا۔ جن کی زیر کمان ایک لاکھ سوار اور سات ہزار پیادے ۔ پچاس ہزار بندوقچی ۔ اور ایک بہت بڑی تعداد پنڈارے سواروں کی تھی ۔ ان کے علاوہ ایک بہت بڑا توپ خانہ بھی ساتھ تھا ۔ شاہنور کا نواب عبدالحکیم خاں اور چیلدرگ کا راجہ بھی انکے ساتھ شامل تھا ۔ اس قدر کثیر فوج تھی کہ سرزمین میسور نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی ۔ مرہٹی فوجوں نے دریائے تنگبھدرا کو عبور کر کے سرزمین میسور پر سب سے پہلے کیامپ چرولی ، نوزلی اور چراگی کے مقام پر قایم کیئے ۔ یہ بے شمار فوج کوسوں تک پھیلی ہوی تھی ۔

نواب حیدر علی کا انگریزوں سے امداد طلب کرنا

مرہٹوں کی اس زبردست یورش کو دیکھکر نواب حیدر علی نے بموجب عہدنامۂ مدراس انگریزوں سے مدد مانگی ۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا ۔ انگریزوں کو یقین ہو چلا تھا کہ اس وقت حیدر علی کی خیر نہیں ہے ۔

حیدر علی اور مرہٹوں کی پہلی آویزش

نواب حیدر علی بھی اپنی فوج لیکر آگے بڑھے ۔ پانچ چھ دن کے بعد جنگ کا آغاز ہو گیا ۔ مادھوراؤ کی فوجوں نے اپنے زبردست توپخانے سے زمین پر زلزلہ ڈالدیا ۔ حیدر علی کی فوج کو بری طرح شکست ہوئی ۔ لیکن حیدر علی نے ہمت نہیں ہاری ۔ وہ میدان جنگ سے ہٹ کر ایک کمینگاہ میں اس لیئے پناہ لی کہ دوسری شب مرہٹوں کے توپخانہ پر شبخون مارا جائے ۔ مگر اندھیرے کی وجہ سے جنگل سے نکلتے نکلتے صبح ہو گئی ۔ اور ادھر پھر مرہٹوں نے حملہ کر دیا ۔ اب نواب حیدر علی کیلیئے بجز فرار اور کوئی صورت نہ تھی ۔ آخر کار وہ پیچھے ہٹے ۔ اور انہوں نے اپنے توپخانہ کو حکم دیا ۔ کہ مرہٹی فوج پر گولہ باری کیجائے مگر اتفاق سے توپیں چلنے سے رہ گئیں ۔ مرہٹی فوج کی یورش اس غضب

کی تھی۔ کہ حیدری فوج قریب قریب کُل کٹ چکی۔ اور جو باقی تھی وہ بھاگ نکلی۔ نواب حیدرعلی ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوئے اس حالت کو دیکھکر خدا سے فتح و نصرت کی دعا مانگ رہے تھے۔ کہ ایسے میں چند طنبورچی سامنے سے نکلے۔ نواب نے طنبور بجانے کا حکم دیا۔ طنبورچیوں نے اس زور سے طنبور بجایا کہ اس کی آواز سارے جنگل میں گونج گئی۔ مرہٹوں نے جب یہ آواز سنی تو سمجھا کہ حیدرعلی کی کمک کیلئے تازہ دم فوج آگئی ہے۔ اس لئے وہ جنگ موقوف کرکے پیچھے ہٹ گئے۔ اسی دن شام کو ہیبت جنگ تازہ دم لشکر لیکر آ پہنچا۔ مگر حیدرعلی نے یہی مناسب سمجھا کہ پیچھے ہٹ جائیں۔ اس لئے وہ بنگلور کی طرف پلٹے۔ اور پلٹتے ہوئے تمام ملک کو ویران کرتے گئے۔ کہ مرہٹوں کو رسد نہ مل سکے۔ بنگلور پہنچکر حیدرعلی نے صلح کیلئے وکیل بھیجا۔ مگر مادھوراؤ نے ایک کروڑ روپیہ طلب کیا۔ اور اسکے ساتھ ہی ایسی سخت شرطیں لگائیں۔ کہ حیدرعلی نے صلح کرنے سے جنگ جاری رکھنا ہی مناسب سمجھا۔

مرہٹی فتوحات

دامن دریائے تنگبھدرا سے نکلکر مرہٹی فوج سرنگاپٹم کی طرف بڑھی۔ اور تمام شمالی و مشرقی اضلاع فتح کر لئے۔ یہانتک کہ بنگلور سے تیس[۳۰] میل پر نجگل کے مقام پر آ پہنچے۔ جہاں انکا بڑھتا ہوا سیلاب رک گیا۔ ایک طرف تو اس کثیر فوج کو ملک کی تباہی و بربادی کے باعث رسد ملنا دشوار ہو گیا تھا۔ حیدرعلی نے پہلے ہی تمام علاقہ کو ویران کر دیا تھا۔ دوسری طرف ایک پہاڑی کی آڑ سے حیدری فوج ہر شب شبخون مارنا شروع کر دیا۔ اور تیسری طرف قلعہ نجگل کی حیدری فوج اس بے جگری سے مدافعت کر رہی تھی۔ کہ باوجود فوج کی اس کثرت کے مادھوراؤ اس کو فتح نہ کر سکا۔

مادھوراؤ کی پونا کو واپسی

ابھی یہ ہنگامے روز و شب ہو رہے تھے کہ بارش کا موسم شروع ہو گیا۔ اور ادھر مادھوراؤ سخت بیمار ہو کر پونا واپس ہو گیا۔ ترمک راؤ نے کل فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور مرہٹی فوج کی از سر نو تنظیم کرنے کے خیال سے پیچھے ہٹا۔ اور اپنی کمک کیلئے۔ رتنگری میرج، ونکٹ گری، نرگسی اور کالستری کے راجاؤں کے علاوہ مراری راؤ حاکم گتی کو بھی طلب کیا۔

ترمک راؤ کی فوج کشی

ترمک راؤ سامان رسد وغیرہ کا انتظام کر کے اپنی ٹڈی دل فوجوں کے ساتھ سرنگاپٹم پر بڑھا۔ یہ حملے کچھ اس غضب کے تھے۔ کہ حیدری فوج جو راستوں میں قلعوں پر تھی۔ کچھ بھی نہ کر سکی۔ اس لشکر عظیم کا جس طرف سے گذر ہوتا تھا۔ وہاں کی تمام کھیتیاں پامال کر دی جاتی تھیں بلکہ مرہٹوں نے دیہاتیوں کے جھونپڑوں کی خشک گھانس تک کو بھی نہ چھوڑا تھا۔ اس طرح مرہٹی فوج کا یہ طوفان بڑھتا ہوا سرنگاپٹم کے قریب پہونچ گیا۔ نواب حیدر علی سرنگاپٹم کی مدافعت کیلئے تھوڑی سی فوج چھوڑ کر چن پٹن کی راہ سے ماگڑی کے جنگل میں آئے۔ کہ جب مرہٹے دارالحکومت کا محاصرہ کریں تو پشت پر سے ان پر حملہ کیا جائے۔ مگر ترمک راؤ بھی نواب کی اس حرکت سے غافل نہ تھا۔ چنانچہ وہ سرنگاپٹم کو چھوڑ کر حیدر علی کے تعاقب میں میرن کٹہ پہنچا۔ اور آتے ہی اس پہاڑی کا محاصرہ کر لیا۔ چند دن روزانہ معمولی لڑائیوں میں گذرے۔ جس میں حیدر علی کی فوج شبخون مارتی تھی۔ ان شبخونوں سے تنگ آ کر ترمک راؤ نے فیصلہ کن جنگ کیلئے میرن کٹہ کی پہاڑی کا ایک سخت اور تنگ محاصرہ کر لیا۔ جس کے باعث حیدری فوج کو رسد ملنا بند ہو گئی۔

حیدر علی کی پسپائی

جب حالت یہاں تک پہونچی تو حیدر علی سرنگاپٹم کو واپس ہونے کے خیال سے اپنا توپخانہ لیکر اندھیری رات میں نکلے۔
بارش کی وجہ سے راستے بالکل خراب ہو چکے تھے۔ اس لئے مشکل سے تھوڑا فاصلہ طے کیا تھا کہ رات آخر ہو گئی۔ اور اتفاق سے ایک توپ چل گئی۔ جس سے مرہٹی فوج حیدر علی کی فراری سے خبردار ہو گئی۔ ترمک راؤ نے فوراً ایک زبردست فوج روانہ کی کہ حیدر علی کو روک لیا جائے۔ مرہٹی فوج نے پیچھے سے سخت حملہ کرنا شروع کر دیا۔ گولے اور گولیاں برس رہی تھیں۔ مگر حیدر علی آگے ہی بڑھ رہے تھے۔ جب موتی تالاب پر پہونچے تو معلوم ہوا کہ سامنے سے راستہ بند ہے۔ اور مرہٹے تالاب کے بند پر آٹھ توپیں رکھے ہوئے گولے برسا رہے تھے اب نہ آگے بڑھنے کا راستہ تھا۔ اور نہ پیچھے جانے کا۔ اس وقت اپنی خداداد جرأت سے کام لیکر حیدر علی نے ایک منتخب دستہ کے ساتھ موتی تالاب کے بند پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اس قدر اچانک تھا کہ مرہٹے توپیں اور سامان چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ یہاں حیدر علی نے تھوڑا توقف کر کے اپنی منتشر فوج کو جمع کیا۔ اور چونکہ رات سے تمام فوج اور خود انہوں نے بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔ اس لئے یہاں ناشتہ کیا گیا۔ چند سرداروں نے مشورہ دیا کہ آج کی شب یہیں قیام کیا جائے۔ مگر نواب نے کوچ کا حکم دیدیا۔ فوج اگرچہ بالکل تھک گئی تھی۔ مگر نواب کے ہمراہ چل پڑی۔ اس عرصہ میں یکایک مرہٹوں کی بڑی توپیں آ گئیں۔ اور مرہٹوں نے ان سے نہایت شدت سے گولے برسانا شروع کیا۔ اتفاقاً ایک گولہ حیدر علی کے اس اونٹ پر پڑا جن پر بان لدے ہوئے تھے۔ بانوں میں آگ لگ گئی۔ اور یہ آگ ایک اونٹ سے دوسرے اونٹوں پر پھیل گئی۔ جس کے باعث خود حیدری فوج میں انتشار پھیل گیا۔ اس سے بڑھکر اور مصیبت یہ پیش آئی۔ کہ بانوں کے اڑنے سے بارود کی گاڑیوں میں آگ لگ گئی۔ بارود

اور گولے اڑھنے شروع ہوگئے۔ جس کے باعث صدہا سپاہی جلکر مرگئے اور اس قدر دھواں چھاگیا تھا کہ فوج بالکل پریشان ہوگئی۔ اس سے فائدہ اٹھاکر مرہٹی سواروں نے حملہ کردیا اور حیدری فوج کے قلب میں آگھسے۔

اس سراسیمگی اور پریشانی کی حالت میں حیدری فوج کو اپنا بچاؤ مشکل ہوگیا۔ لالہ میاں جو نواب حیدر علی کے بھائی شہباز کے داماد تھے۔ شہید ہوگئے۔ میر علی رضا خاں اور علی زماں خان سرداران فوج زخمی ہوکر گرفتار ہوگئے۔ مرہٹے حیدر علی کو گرفتار کرنے کے لئے ڈھونڈتے پھر رہے تھے کہ ایک جانب حیدر علی کا سپہ سالار یاسین خاں (جو ونیٹی گدڑے یاسین خاں کے نام سے مشہور ہے) لڑ رہا تھا۔ یہ بھی زخمی ہوکر گرفتار ہوا۔ چونکہ اس کی شکل و شباہت حیدر علی سے بہت کچھ ملتی جلتی تھی۔ مرہٹوں نے دریافت کیا کہ وہ کون ہے؟ یاسین خاں نہایت ہشیار تھا۔ سمجھ گیا کہ مرہٹوں کا مقصد کیا ہے۔ اس نے اپنے آپ کو حیدر علی ظاہر کیا۔ جس پر اس کو مرہٹوں نے نہایت ہی احترام و اعزاز کے ساتھ ترمک راؤ کے پاس بھیج دیا۔

نواب حیدر علی نے دیکھا کہ قسمت پلٹ چکی ہے۔ فوج منتشر ہوچکی ہے۔ سردارانِ فوج میں سے کسی کا پتہ نہیں۔ اور آپ اکیلے رہگئے ہیں۔ دھوئیں کی کثرت اور اس قیامت خیز ہنگامہ میں کسی کا ملنا بھی دشوار ہے تو تن تنہا فرار ہوے۔ اور جبتک سرنگاپٹم نہیں پہونچ گئے۔ دم نہیں لیا۔ سرنگاپٹم میں پہونچکر درگاہِ قادر ولیؒ میں ٹھہرے۔ اور بارگاہِ خداوندی میں اپنی فوج اور اپنے فرزند ٹیپو سلطان کی سلامتی کی دعائیں مانگنے لگے۔ اسلئے کہ شہزادہ میدان جنگ میں دھوئیں کی کثرت سے کہیں نظر نہیں آیا تھا غروب آفتاب کے قریب شہزادہ ٹیپو سلطان بھی دو تین سواروں کے ساتھ مرہٹی لباس میں سرنگاپٹم میں اسی

درگاہ پر آپہنچا۔ بیٹے کو دیکھکر نواب بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہوئے۔ اور انہیں ہمراہ لیکر سرنگاپٹم داخل ہوئے۔

ادہر میدانِ جنگ میں محمد علی کمیدان نے جب دیکھا کہ نواب کا پتہ نہیں ہے تو جو کچھ سپاہی مل سکتے تھے۔ لیکر ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور مرہٹی فوج کو آگے بڑھنے سے شام تک روکے رکھا۔ مرہٹوں کی زبردست فوج کے آگے محمد علی کی یہ مدافعت چند گھنٹوں سے بڑھکر کام نہ دے سکی۔ شام کے قریب مرہٹوں نے اس پہاڑی کو بھی فتح کرلیا اور محمد علی کمیدان گرفتار ہوکر ترمک راؤ کے سامنے لایا گیا۔ جہاں ترمک راؤ نے اسکی جوانمردی کو دیکھتے ہوئے پیشوائے پونا کی ملازمت پیش کی۔ کمیدان محمد علی مصلحتِ وقت سمجھ کر فوراً راضی ہوگیا۔ اور اپنے اہل وعیال کو سرنگاپٹم سے لیکر آنے کی اجازت چاہی جس کی ترمک راؤ نے منظوری دیدی۔

دن ختم ہوکر رات آچکی تھی۔ مرہٹوں نے اسی میدان میں کیمپ قایم کردیا۔ جو سرنگاپٹم سے صرف پندرہ میل کے فاصلہ پر تھا۔ انہیں یقین تھا کہ مرہٹی فوج کے پہونچتے ہی قلعہ دار سرنگاپٹم کا قلعہ حوالے کردے گا۔ ان کے خیال میں نواب حیدر علی ان کے ہاتھوں میں اسیر تھے۔ اس لئے مرہٹوں نے یہاں چند دن آرام لینے کے خیال سے توقف کیا۔

محمد علی کمیدان کا کارنامہ

دوسرے دن کمیدان محمد علی نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ جنہیں مرہٹوں نے نہتا کردیا تھا لیکر اپنے اہل وعیال کو لانے کے بہانے سے باہر نکلا۔ اور جب زیادہ رات آگئی تو راستے میں میں اس مقام پر ٹھہرا۔ جہاں مرہٹوں کا ہراولی دستہ اپنی فوج کی حفاظت کیلئے کیمپ

ڈالے ہوئے تھا۔ محمد علی نے ٹھہرنے کی اجازت چاہی۔ رات ہونے کی وجہ سے مرہٹوں نے اجازت دیدی۔ جب رات بہت زیادہ آئی اور مرہٹے غافل ہوکر سو گئے۔ تو محمد علی نے اپنے نہتے سپاہیوں سے انکی چند بندوقوں اور تلواروں پر قبضہ کرکے مرہٹوں پر حملہ کر دیا۔ اور تمام کو قتل کرکے انکے تمام ہتھیار وسامان لیکر سرنگا پٹم جا پہنچا۔ اور نواب حیدر علی سے مل گیا۔

تر یک راؤ کو جب محمد علی کی خبر پہونچی تو اس نے حیدر علی کے دوسرے سرداروں سے جو اس کی اسیری میں تھے۔ سختی سے پیش آیا۔ اور انہیں پونا روانہ کر دیا گیا۔ اور اسی شام کو یٰسین خاں کے خیمے میں پہونچکر جس کو وہ نواب سمجھے ہوئے تھا بہت کچھ تسلی وتشفی دیتے ہوئے کہا کہ میدان جنگ میں فتح وشکست خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے آپ صبر کرتے ہوئے اپنے پردہ نشینان حرم اور شاہزادوں کو بلا لیجئے۔ کہ پونا پہونچکر جس طرح پیشوا کی رائے ہو عمل کیا جائے۔ یاسین خاں بھی غضب کا چلتا پرزہ تھا۔ تریک راؤ کی باتوں کا کچھ بھی جواب نہیں دیا۔ تریک راؤ بھی مقتضائے وقت کے لحاظ سے خاموش ہو رہا۔

نواب حیدر علی کا دوبارہ فوج جمع کرنا

نواب حیدر علی نے سرنگا پٹم پہنچکر اپنے آنے کی خبر بالکل پوشیدہ رکھی۔ سوائے چند سرداروں کے کسی کو بھی معلوم نہیں تھا۔ کہ نواب سرنگا پٹم میں موجود ہیں۔ یہاں پھر نواب حیدر علی نے فوج جمع کرنا شروع کر دیا۔ اور اس قدر روپیہ دینے لگے کہ چند ہی دن میں کافی فوج جمع ہو گئی۔

محاصرۂ سرنگا پٹم

باوجود سخت رازداری کے آخر یہ خبر پھیل کر ہی رہی کہ نواب حیدر علی سرنگا پٹم میں موجود ہیں۔ اور پھر فوج جمع کر رہے ہیں۔ تریک راؤ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ اس نے نواب حیدر علی کے دھوکے

میں یاسین خاں کو قید کر رکھا ہے۔ اور یہ بھی احساس ہوا کہ اس نے سرنگاپٹم پر چڑھائی نہ کرکے ایک سنگین غلطی کی تھی۔ مگر اب سوائے سرنگاپٹم پر حملہ کرنے کے دوسرا گذر نہیں تھا۔ اس لئے اس نے فوج کو محاصرہ کرنیکا حکم دیدیا۔ اِدہر نواب حیدر علی نے ہر نئے بھرتی ہونیوالے سپاہی کو اس قدر تنخواہ دینا شروع کیا کہ ترمک راؤ کی فوج سے کئی سردار و سپاہی حیدری فوج میں آآکر ملنے لگے۔ اور چند ہی دن میں نواب حیدر علی کے پاس بارہ ہزار سوار اور بیس ہزار پیادے جمع ہوگئے۔ اوراب نواب حیدر علی نے کھلے میدان میں ترمک راؤ سے مقابلے کی ٹھان لی۔ اسوقت مرہٹے کوہ کری گٹ پر قابض ہوکر قلعہ پہ گولہ باری کرتے تھے۔ جس سے حیدری فوج کو سخت نقصان پہنچ رہا تھا۔

جب محمد علی کمیدان کو نواب کا ارادہ معلوم ہوا تو اس نے نواب سے اجازت چاہی کہ پہلے اس کو ترمک راؤ سے نبرد آزمائی کرنیکی اجازت دی جائے۔ نواب نے یہ بات منظور کرلی۔ محمد علی کمیدان اپنی چیدہ سپاہ کو مرہٹی لباس پہناکر نکلا اور کوہ کری گٹہ کے پیچھے گھنے جنگل سے پہاڑ پر آیا۔ اور یہاں پہلے مورچہ پر اطلاع دی کہ ترمک راؤ نے مقیم فوج کے عوض دوسری فوج روانہ کی ہے۔ جس کو سن کر مورچہ والوں نے اس کو جگہ دیدی۔ مورچہ پر قبضہ ہوتے ہی باقی کارروائی آسان تھی۔ حیدری فوج بے خبر مرہٹوں پر تلواریں لیکر گری اور تھوڑے ہی عرصہ میں کری گٹہ ہاتھ آگیا۔ مگر غنیم کی بے شمار فوج کو دیکھتے ہوئے یہاں پر ٹھہرنا ناممکن تھا۔ محمد علی نے رات ہی رات چھوٹی توپیں سرنگاپٹم روانہ کردیں۔ اور بڑی توپیں بیکار کردی گئیں۔ اور مورچہ بھی توڑ دیا گیا۔ صبح ہونے سے پہلے کری گٹ خالی کرکے محمد علی کمیدان سرنگاپٹم واپس آگیا۔

ترمک راؤ کو جب کری گٹہ کی خبر پہنچی تو اس نے پنڈاری سواروں کو حکم دیا۔ کہ نواح

سرنگاپٹم کو لوٹ کر اس طرح ویران کر دیں کہ حیدر علی تک رسد بالکل نہ پہونچ سکے۔

انفاقاً دو دن بعد ہندوؤں کی عید آگئی۔ اور تمام مرہٹے اس دن غسل کر کے عید منانے میں مصروف ہو گئے۔ سپہ سالار ترمک راؤ بھی اتصال دوآبہ کاویری پر غسل کرنے کو سعادت سمجھکر فوج کے ساتھ پہونچا۔

ترمک راؤ کی فراری

نواب حیدر علی نے پہلے ہی سے یہاں ایک کمینگاہ تیار کر رکھی تھی۔ اور فوج لیکر مرہٹوں کے منتظر تھے۔ دوسری طرف ایک خشک نالے میں شاہزادہ ٹیپو سلطان اپنی فوج کے ساتھ رات ہی سے بیٹھ گیا تھا۔ محمد علی کمیدان اور غازی خاں سردار پنڈارہ کو حکم تھا کہ جب ترمک راؤ اتصال دوآبہ پر پہنچے تو حملہ کر دیں۔

نوٹ:۔ اس زمانے میں پنڈارے کثرت سے ہر جگہ پھیلے ہوے تھے۔ ہر حاکم کے پاس انکی ایک بے قاعدہ فوج ہوتی تھی۔ پنڈارے لوٹ مار میں مشہور ہیں اس لئے جب کبھی جنگ ہوتی تو روپیہ دیکر ان کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں؛

ترمک راؤ جو اس حال سے بے خبر تھا آکر غسل کرنے میں مصروف ہوا۔ اور اسکی فوج پیچھے پہرہ پر متعین تھی کہ اتنے میں محمد علی کمیدان نے اس پر حملہ کر دیا۔ مرہٹوں کی ایک دوسری بڑی جمعیت بطور حفظِ ماتقدم اور پیچھے تھی۔ بندوقوں کی آواز سن کر وہ آگے بڑھے۔ مگر غازی خاں کی پنڈارہ فوج نے راستہ ہی میں اس کو روک لیا۔ مرہٹی فوج نے غازی خاں کے ساتھ صرف سو سواروں کو دیکھکر اسپر حملہ کر دیا اور پنڈارے اس طرح بھاگے کہ انہیں حقیقت میں شکست ہو گئی ہے۔ اس تھوڑی ہی فوج کے تعاقب میں مرہٹی فوج یہاں تک آگے بڑھی۔ جہاں ٹیپو سلطان کی کمینگاہ تھی۔ مرہٹی فوج کا یہاں تک پہنچنا ہی تھا کہ

ٹیپو سلطان نے اپنی کمینگاہ سے نکلکر ایک ایسا سخت حملہ کیا۔ کہ مرہٹی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مرہٹوں کی بڑی جمعیت جب اس طرح سے دور ہو گئی۔ تو محمد علی کمیدان نے ترمک راؤ کے خاص باڈی گارڈ پر حملہ کر دیا۔ اور دوسری طرف نواب حیدر علی اپنی کمینگاہ سے نکلے اس فوج کو دیکھتے ہی مرہٹوں میں پریشانی پھیل گئی۔ اور انہوں نے فرار ہونا شروع کر دیا۔ عین اس موقع پر حیدری فوج نے گولے برسانا شروع کئے۔ جس سے مرہٹوں کے نشان اور نقاروں کے ہاتھی مارے گئے۔ ترمک راؤ اس حال کو دیکھکر دریا سے نکلا۔ اور اسی طرح بھیگی دھوتی سے جس سے پانی ٹپک رہا تھا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان سے بھاگا۔ تمام فوج تتر بتر ہو چکی تھی۔ حیدری پنڈارے اور ٹیپو سلطان کی فوجیں کیمپ لوٹ رہی تھیں۔ ترمک راؤ نے موتی تالاب پر جو سرنگاپٹم سے تیس میل دُور ہے۔ جاکر دم لیا۔ یہاں پھر اپنی پریشان فوج کو جمع کرنے لگا۔ حیدری فوج کے ہاتھوں کئی ہزار سپاہی مارے گئے۔ اور سات ہزار سپاہی اسیر ہو چکے تھے۔ اب ترمک راؤ میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ پھر سرنگاپٹم پر بڑھے۔ اس لئے اس نے اپنی فوج کو پائین گھاٹ و بالا گھاٹ پر بڑھا دیا۔ کہ ان پر قبضہ کرلے۔ تاکہ رسد نہ ملنے کی وجہ سے خود نواب عاجز آجائے۔ یہاں مرہٹے ملک کو کچھ اس طرح ویران کرنے لگے۔ کہ گھانس تک بھی باقی نہ چھوڑی۔ مگر حیدری فوج کے دستے بھی ساتھ ساتھ تھے۔ اور جب کبھی موقع پاتے شبخون مارتے تھے۔

پائین گھاٹ پر مرہٹی حملے

ترمک راؤ کے رخصت ہوتے ہی نواب نے شہزادہ ٹیپو سلطان اور کمیدان محمد علی کو پائین گھاٹ کی طرف روانہ کیا۔ اور یہاں ٹیپو سلطان نے رائے کوٹہ میں کیامپ قایم کیا۔ اور کمیدان محمد علی کنشگری میں مقیم ہوا۔ محمد علی کو خبر ملی کہ ترمک راؤ کا خزانہ کنکدری کی راہ سے

جا رہا ہے۔ محمد علی رات کے وقت کشنگری سے نکلکر کوہ ماٹ کے دامن میں چھپ گیا۔ جب مرہٹوں کا خزانہ میدان سے نکلکر درۂ کوہ میں داخل ہوا تو محمد علی کمیدان نے ان پر حملہ کیا۔ مرہٹے اس اچانک حملے سے بھاگ نکلے۔ کئے ایک قتل ہو گئے۔ اور تمام نقد و جنس محمد علی کے ہاتھ آئی۔ جس کو لیکر محمد علی کشنگری پہنچ گیا۔ جب یہ خبر ترمک راؤ کو معلوم ہوی۔ تو اس نے اپنا کمپ تپور گھاٹ سے اٹھا کر قصبہ اونا لیگری میں قایم کیا۔ دوسرے دن محمد علی نے ٹیپو سلطان کو اطلاع دی کہ مرہٹی فوج اونا لیگری سے دہر میوری پر حملہ کرنے والی ہے۔ ٹیپو سلطان اپنی فوج لیکر دہر میوری طرف بڑھے۔ دیکھا کہ مرہٹے دہر میوری کے اطراف میں لوٹ کر کے گھوڑوں پر سامان ادرہے ہیں۔ ٹیپو سلطان نے بھی مرہٹوں کو دھوکہ دینے کے خیال سے مرہٹی لباس میں خود بھی ایک طرف لوٹنا شروع کیا۔ اور جب سب سامان گھوڑوں اور بیلوں پر لد چکا تو مرہٹے اونا لیگری واپس ہوے۔ یہاں راستے میں ٹیپو سلطان کی فوج کا ایک حصہ کمینگاہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ جنھوں نے مرہٹوں پر حملہ کر دیا۔ اور خود مرہٹی فوج کے اندر تلوار چلنا شروع ہو گئی۔ ٹیپو سلطان کی فوج مرہٹی لباس پہنے ہوئے ان میں ملی ہوئی تھی۔ اب تو مرہٹوں کو سوائے فرار ہونے کے کوئی چارہ نہ رہا۔ اس لوٹ میں ٹیپو سلطان کے ہاتھ چار ہزار گھوڑے، صدہا بیل اونٹ اور بیس ہاتھی ہاتھ لگے۔ ترمک راؤ ان پے درپے حملوں سے حواس باختہ ہو گیا۔ اونا لیگری سے کیمپ اٹھا کر کاویری پٹن پہنچا۔ ٹیپو سلطان نے کوہ کنگن گڈھ میں کیامپ قایم کیا۔ اور محمد علی کمیدان کی فوج خانخان ہلی کے قلعہ کو روانہ ہو گئی۔

مرہٹے کاویری پٹن میں چند دن قیام کر کے خانخانہلی پر حملہ آور ہوے۔ یہاں محمد علی کمیدان کی فوج قلعہ گیبر تھی۔ ترمک راؤ نے ایک فوجی دستہ بھیجکر قلعہ کا محاصرہ

کرلیا۔ خانخانہلی میں محمد علی نے رات کا وقت قلعہ کی دیوار پر اپنی فوج کے کپڑے لکڑیوں پر لگادیے۔ اور قلعہ کے اندر آگ سلگائی۔ جس سے مرہٹی فوج کو اطمینان ہوگیا کہ حیدری فوج قلعہ میں رہیگی۔ مگر جب نصف شب گذری تو اپنی فوج کو صحیح وسالم قلعہ کے پیچھے گھنے جنگل سے آنار کرلے گیا۔ صبح کو جب مرہٹے قلعہ پر حملہ آور ہوئے تو قلعہ خالی تھا۔

ترمک راؤ نے میل کوٹہ میں کیامپ قایم کیا۔ اس کیلئے سب سے بڑی مصیبت یہ تھی۔ کہ اسکی کثیر فوج کو ملک کی تباہی و ویرانی کے باعث سامان ورسد نہیں مل سکتا تھا۔ گھوڑوں اور بیلوں کو گھانس ملنا بھی دشوار تھی۔ اور اسکے ساتھ ساتھ ٹیپو سلطان اور محمد علی کمیدان کے شبخون نے مرہٹوں کا قافیہ تنگ کردیا تھا۔ مگر فوج کی کثرت کی وجہ سے انہیں ان نقصانات کا احساس بالکل نہیں ہوتا تھا۔ ترمک راؤ کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ کسی طرح حیدر علی سے کھلے میدان میں مقابلہ ہوجائے۔ اور ادھر حیدر علی کو معلوم تھا کہ اس کثیر فوج سے جم کر مقابلہ کرنا کس حد تک خطرناک ہے۔ لہٰذا انکی فوج یا تو دن کو چھپکر حملہ کرتی تھی یا رات کو شبخون مارتی تھی۔

جس وقت ترمک راؤ نے میل کوٹہ میں کیمپ قایم کیا۔ تو حیدر علی نے صلح کی درخواست بھیجی۔ مگر مرہٹی سپہ سالار نے اس بناء پر انکار کردیا کہ جب تک حیدر علی کامل طور پر اطاعت نہ کرلیں۔ صلح نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا حیدر علی کے سفیر واپس ہوگئے۔ ترمک راؤ کسی طرح حیدر علی کو کھلے میدان میں مقابلہ کیلئے لانا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے تجویز کی کہ بدنور پر قبضہ کرلیا جائے۔ اس لیئے مرہٹی فوج بدنور پر بڑھی۔ اور ادھر نواب نے بھی محمد علی کمیدان کو چھ ہزار بندوقچی اور بارہ ہزار سوار اور ایک زبردست توپ خانہ دیکر مرہٹوں پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا۔ محمد علی کی فوج کورگ کے جنگلوں سے بدنور کی طرف بڑھی۔ مگر جنگلات گھنے

ہونے کا باعث توپ خانہ کا لیجانا مشکل تھا۔ اس بھاری توپ خانہ کو واپس کر دیا گیا۔ ترمک راؤ کو جب محمد علی کمیدان کی خبر پہنچی تو اس نے ایک زبردست فوجی دستہ کو اسکی طرف روانہ کیا۔ اور انعام بھی مشتہر کر دیا کہ کسی طرح یا تو محمد علی کو زندہ پکڑ لائیں۔ یا اسکا سر لائیں۔ اتفاق سے دونوں فوجوں کا مقابلہ ایک کھلے میدان میں ہو گیا۔ جہاں دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ دوسرے دن مرہٹوں نے ترمک راؤ سے مدد مانگی۔ جس پر ترمک راؤ خود توپخانہ لیکر میدان میں آپہنچا۔ یہاں حیدری فوجوں نے مرہٹی مقتولین کو جمع کر کے حفاظت کے لئے دمدمہ تیار کیا۔ اور اسی کی پناہ لیکر بندوقیں چلاتے رہے۔ اپنے مقتولین کی یہ حالت دیکھکر مرہٹی فوج میں ایک قسم کی سراسیمگی چھا گئی۔ مگر اس کے ساتھ ہی ترمک راؤ کو اور بھی طیش آگیا۔ شام تک معمولی لڑائی ہوتی رہی۔ اور اس عرصہ میں ترمک راؤ کا توپ خانہ میدان جنگ میں مناسب مقامات پر جما دیا گیا۔ جب شب ہوی اور لڑائی تھم گئی تو محمد علی اپنے زخمیوں کو بھی میدان جنگ میں چھوڑ کر جنوب کی طرف چل نکلا۔ مگر زخمیوں سے یہ کہہ کر گیا۔ کہ مقام استارہ پر پہونچکر ان کیلئے ڈولیاں بھیجی جائیں گی۔ صبح کو جب مرہٹوں نے دیکھا تو میدان خالی تھا۔ زخمیوں سے دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ محمد علی آستارہ کو چلا گیا ہے۔ مرہٹے بھی شمال کی طرف استارہ پر بڑھے۔ یہاں محمد علی کا پتہ نہیں تھا۔ ترمک راؤ اور اسکی فوج کا بڑا حصہ راٹے پٹن کی ندی کے کنارے تھا۔ جس پر ٹیپو سلطان کی فوجوں نے صحرائے ماگڑی درگ سے نکل کر شبخون مارا۔ جس میں بہت سا سامان حیدری فوج کے ہاتھ آیا۔

ترمک راؤ نے محمد علی کے نہ ملنے سے مایوس ہو کر اپنی فوج کو اور آگے بڑھایا۔ اور ادھر نواب حیدر علی بھی فوج لیکر ماگڑی درگ کے گھنے جنگلوں میں محمد علی اور ٹیپو سلطان کی

فوجوں سے آکر مل گئے۔ اور ایک زبردست شبخون مارنے کا انتظام کرنے لگے۔ نواب حیدر علی کی خوش قسمتی سے یہ موقع بہت جلد حاصل ہو گیا۔ مرہٹوں کی تمام فوج ایک گھنے جنگل کے کنارے کیمپ ڈالے ہوئے پڑی تھی۔

مرہٹی فوج پر شبخون

نواب حیدر علی نے ان تمام بیلوں کو جو ترمک راؤ کی فوج سے ملے تھے۔ جمع کیا۔ اور اطراف واکناف سے بھی قریب دس ہزار بیل جمع کیے گئے اور ان تمام بیلوں کی سینگوں پر کپڑے لپیٹ کر انہیں تیل سے تر کر دیا گیا۔ جس وقت رات بہت زیادہ آئی تو حیدری فوج نے چاروں طرف سے ترمک راؤ کی کیمپ کا محاصرہ کرتے ہوئے بیلوں کی سینگوں کو آگ لگا کر کیمپ کی طرف ہانک دیا۔ مرہٹی فوج جاگ اٹھی اور جب خیموں سے باہر نکلی تو دیکھا کہ تمام جنگل چراغاں بنا ہوا ہے۔ اور ہر طرف چراغ نظر آ رہے ہیں۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ حیدر علی کی زبردست فوج حملہ کرنے کیلئے آگئی ہے۔ وہ ابھی تیاری میں ہی تھے کہ بیل آگ کی گرمی سے پریشان ہو کر ہر چہار طرف دوڑنے لگے۔ جسکی وجہ سے مرہٹوں کے خیموں میں آگ لگ گئی۔ اور خود انکی سواری اور باربرداری کے جانور گھبرا کر رسیاں تڑا کر بھاگ نکلے۔ اور دوسری طرف اطراف سے حیدری فوج جنگل میں چھپی ہوئی گولیاں برسا رہی تھی۔ یہ ایک ایسا ہنگامہ تھا جس کو فرد کرنے سے مرہٹے عاجز تھے۔ اگر غنیم کی فوج انکے آگے آجاتی تو وہ اور بات تھی۔ مگر یہاں غنیم کا پتہ ہی نہیں تھا۔ اندھیری رات تھی اور کیمپ جل رہا تھا۔ اور خود انہیں کے بیل، ہاتھی، گھوڑے وغیرہ ہر چہار طرف دوڑ دوڑ کر قیامت برپا کر رہے تھے۔ اس حالت میں محمد علی کمیدان کی فوج نے گولے اور بان برسانا شروع کر دئیے۔ مرہٹوں کو اب سوائے فرار ہونے کے اور دوسری راہ نظر نہیں آئی۔ یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کسطرف جائیں

ہر شخص جدھر راستہ نظر آیا. بھاگنا شروع کر دیا۔ توپیں لیجانے کیلئے بار برداری کے جانور ہی نہیں تھے. اس سراسیمگی اور پریشانی کی حالت میں ترمک راؤ اور دوسرے مرہٹہ سردار بھی جان بچا کر بھاگ نکلے. اسوقت حیدری فوج کے پنڈاروں نے کیمپ لوٹنا شروع کر دیا تھا. اور انکے ساتھ خود مرہٹی فوج کے پنڈارے بھی شامل ہو گئے. دوست دشمن کی تمیز اڑ گئی. اور آپس میں تلوار چلنے لگی. ترمک راؤ فرار ہوا. اور جب صبح کو اس میدان سے ہٹ کر دس میل دور قیام کیا. تو اسکے پاس سوائے چند ہزار سپاہیوں کے اور کچھ نہ تھا. اب اس نے یہاں پھر اپنی فوج کو جمانا شروع کیا. اور پونہ سے امداد کا طالب ہوا.

نواب حیدر علی کا نیرّ اقبال زوروں پر تھا. پونا میں پیشوا مادھو راؤ کا انتقال ہو گیا اور تخت نشینی کیلئے نارائن راؤ اور رگھوبا میں کشمکش شروع ہو گئی تھی اس موقع سے حیدعلی نے پورا فائدہ اٹھایا. اور ایک سفیر کو ترمک راؤ کے پاس بھیجدیا کہ صلح کر لیجائے. ترمک راؤ بھی پونا کی حالت کو دیکھتے ہوئے اور اپنی موجودہ کمزوری کا احساس کرتے ہوئے فوراً صلح پر راضی ہو گیا. اور مطالبہ کیا کہ حیدر علی اخراجات جنگ ادا کریں. مگر یہاں حیدر علی نے ملک کی تباہی و بربادی کا حوالہ دیتے ہوئے انکار کر دیا. آخر بہت سے رد و قدح کے بعد چھتیس ۳۶ لاکھ روپیہ پر معاملہ طے ہو گیا. اور ترمک راؤ پونا واپس چلا گیا. اس طرح اس جنگ کا خاتمہ ہوا اس جنگ کا آغاز ۱۷۷۰ء سے شروع ہوا تھا. اور اور ۱۷۷۲ء میں خاتمہ ہوا.

مرہٹوں کی مذکورہ بالا جنگ کے متعلق بہادر نامے میں لکھا ہے:-

"کروں کیا بیاں ماجرائے ستیز — کہ برپا تھی اس جا پہ اک رستخیز
سر و حلقِ مردانِ جنگ آزما — نثارِ دمِ خنجر و تیغ تھا

رواں خوں تھا مانند دریائے آب | سرِ پہلواناں تھے مثلِ حباب
جوانمرد جتنے تھے اس فوج کے | سبھی دفعتہً واں پہ مارے گئے
ہوے کشت اعدا بہت وقت جنگ | زمیں خوں سے یکسر ہوی لالہ رنگ
کوئی لوٹتا تھا پڑا خاک پر | کوئی کھا کے نیزہ گرا آہ کر
ہوے کشتہ کتنے کروں کیا بیاں | سوا لاش کے کچھ نہ واں تھا عیاں
منظفر ہوی غازیوں کی سپاہ
ہوی فوجِ پوناں سراسر تباہ"

مگر سب سے دلچسپ ملا فیروز کی وہ فارسی نظم ہے۔ جو انہوں نے اپنی تاریخ جارج نامہ میں لکھی ہے۔ ملا فیروز اپنی تاریخ جارج نامہ یعنے فتوحات برطانیہ انگریزی تاریخوں سے مرتب کی ہے اس کتاب میں انہوں نے اس جنگ کا پورا نقشہ کھینچکر رکھدیا ہے۔ اس کا اقتباس ناظرین کی دلچسپی کیلئے یہاں دیا جاتا ہے۔

اس وقت جب حیدر علی کو موتی تالاب پر شکست ہوئی۔ اور وہ تن تنہا سرنگاپٹم فرار ہوے تو حیدر علی کی زبان سے ملا فیروز لکھتے ہیں:۔

اگر سوخت باروت بان و شتر | ازاں جنس دارم بسے قلعہ پر
چو باشد بعالم خدا مہرباں | ندارم غم از سوخت باروت و باں
نباشد اگر خیمہ ام نیست ننگ | بود خیمہ ام آسماں روز جنگ
دگر فرش نبود ازاں ننگ نیست | بمرداں بسیط زمیں تنگ نیست
بہ حورِ بہشتی مرا نیست کار | عروسِ ظفر بایدم در کنار

اور پھر جب ٹیپو سلطان اور سردارانِ فوج آکر ملے اور نئی فوج کی بھرتی شروع

کی تو فرماتے ہیں :۔

ہیرانِ من نیک خواہ من اند — ہوادارِ فرقِ کلاہِ من اند
خزائن بمن دادہ حق بے شمار — بپاسم بفرقِ فلاں وقت کار
چو یکدل شناسیم در روز جنگ — شود دشمن ما دو دل بے درنگ

فوج اور سرداران لشکر کو نئے حملہ سے پیشتر یوں مخاطب فرماتے ہیں :۔

الا اے سوارانِ شمشیر زن — جوانان شیر افگن و پیل تن
سواری بر اسپانِ تازی کنید — ز فرق عدو گوئے بازی کنید
حرام است آرام در روز جنگ — برائید از خانہ ہا چوں خدنگ
بفوجِ عدو تیر باراں کنید — ہوا را چو ابرِ بہاراں کنید
بہ پیلاں بہ بندید کوس و درائے — کہ تا گاؤ ماہی بجنبد ز جائے
چو سر بر کشید آفتاب برین — من و ترمک و تیغ میدان کین

پھر خاتمۂ جنگ پر اس طرح فرمایا جاتا ہے :۔

"چو بود مرا در خزائن کمی — فراہم بزر می شود آدمی
چناں رخنہ بندیم بر بد سگال — کہ ترمک چو کرمک شود پائمال
چو شمشیر ما برق ریزاں شود — بہ پونا چو دوناں گریزاں شود"

مورخ تھامپسن اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :۔

"پونا میں پیشوا مادہو راؤ کی وفات کے باعث حیدر علی سے ترمک راؤ نے چھتیس لاکھ روپیہ لیکر صلح کر لی۔ اور حیدر علی نے مادہوگری اور گرم کنڈہ کے اضلاع مرہٹوں کو دیدئے۔"

فتح کورگ ۱۷۷۲ء

جب مرہٹے پونہ واپس چلا گئے۔ تو نواب حیدر علی کو اپنا خزانہ بھرتی کرنے کیلئے نئے فتوحات کی سوجھی۔ اور نواب کی خوش قسمتی سے ملک کورگ میں تخت کیلئے خانہ جنگی برپا تھی۔ اور ملک دو حصوں میں تقسیم ہوچکا تھا۔ (کورگ موجودہ وقت میں ریاست میسور کی مغربی جانب ایک چھوٹا انگریزی صوبہ ہے۔ جس کا رقبہ ۱۵۸۰ مربع میل اور آبادی پچپن ہزار کے قریب ہے) جس میں ایک طرف مرکرے کا راجہ تھا۔ اور دوسری طرف ہیل کا راجہ تھا۔ حیدر علی ہیل کے علاقے کی طرف بڑھے۔ راجہ نے قلعہ بند ہوکر نہایت سختی سے مقابلہ کیا۔ چند دن بعد اپنے اہل و عیال کو قلعہ سے نکالکر اندرونِ ملک میں کسی مقام کو روانہ کردیا۔ ٹیپو سلطان کو جب یہ خبر ملی تو ایک فوجی دستہ لیکر جنگل میں راجہ کے خاندان پر حملہ کیا۔ اور اچانک تمام سپاہیوں اور راجہ کی عورتوں کو گرفتار کر لیا۔ اس حال کے معلوم ہوتے ہی ہیل کے راجہ نے اطاعت قبول کرلی۔ نواب حیدر علی قلعہ پر قبضہ کرکے مرکرا پر بڑھے۔ یہاں کے راجہ نے بہت سا مال وزر دیکر نواب کی اطاعت قبول کرلی۔

فتح ملیبار ۱۷۷۳ء

نواب۔ فتح کرگ سے واپس ہوکر ملیبار کی طرف بڑھے۔ جہاں علی راجہ نے بڑے طمطراق کے ساتھ استقبال کیا۔ ملیبار کے جنوبی حصہ میں اس وقت مختلف راجاؤں میں لڑائی ہورہی تھی۔ نواب حیدر علی نے چرکل پر حملہ کردیا۔ لڑائی میں راجہ مارا گیا۔ اور اس کا ایک ہفت سالہ فرزند قید ہوگیا۔ جس کو نواب نے مسلمان بناکر ایاز خاں نام رکھا۔ اور بطور اپنے ایک فرزند کے اس کی پرورش کی۔

نوٹ:۔ آگے چلکر یہی ایاز خاں یہاں کا نواب بنا۔

یہاں کے انتظام سے فارغ ہو کر نواب نے کوچین کی بندرگاہ پر چڑھائی کی۔ کوچین کا راجہ اٹھائیس ہاتھی اور سات لاکھ روپیہ نقد دیکر نواب کا مطیع ہو گیا۔ ان فتوحات سے مغرب میں پورا جنوبی کنارا، ملیبار، کوچین، وائناڈ اور نیلگری نواب کے قبضہ میں آ چکے تھے۔ اس لئے نواب نے ان تمام علاقوں کو صوبہ کنارا کے نام سے ایک صوبہ بنا کر سردار خاں کو صوبہ دار مقرر کیا۔

واقعاتِ پونا

مادھو راؤ کی وفات کے ساتھ ہی پونا میں واقعات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ رگھوناتھ راؤ عرف رگھوبا اور نارائن راؤ میں پیشوا کے منصب کیلئے کش مکش شروع ہو گئی۔ جس سے مرہٹے مختلف پارٹیوں میں منقسم ہو گئے۔ اور آپس میں لڑائی شروع ہو گئی۔ رگھوبا قید کر دیا گیا۔ اور نارائن راؤ پیشوا بنا۔ مگر بعد میں نارائن راؤ سازش کا شکار ہو کر قتل ہو گیا۔ اور رگھوبا پھر قید سے چھوٹ کر پیشوا بنا۔ مگر مرہٹوں کی ایک جماعت نارائن راؤ کے نوزائیدہ بچے کو پیشوا بنانے پر تُلی ہوئی تھی۔ اس لئے رگھوبا نے انگریزوں سے سازش شروع کی۔ اور دوسری طرف نارائن راؤ کے بچے کی حمایت پر نانا فرنویس اور دوسرے مرہٹہ سردار تھے۔ مرہٹوں کی اس خانہ جنگی کے اسباب میں انگریزوں کا ہاتھ کس قدر تھا۔ اس کیلئے ایک علیحدہ تفصیل کی ضرورت ہے۔ اور اس کے علاوہ سوانح حیدر علی سے اس کو زیادہ تعلق بھی نہیں۔ بہر طور مرہٹی طاقت منتشر ہو گئی۔ اور اس حالت کو دیکھتے ہوئے نواب حیدر علی نے اپنا کھویا ہوا ملک دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

تسخیر بلاری ۱۷۷۴ء

یہ موقع انہیں اس طرح حاصل ہوا کہ بسالت جنگ کے ناظم ادھونی نے اس وقت بلاری پر حملہ آور

ہوا۔ بلاری کے پالیگار نے حیدر علی سے امداد طلب کی۔ حیدر علی اپنی فوج لے کر بلاری کی طرف بڑھے۔ اور بسالت جنگ کی فوج پر جو موسیو ڈی لالی کے زیر کمان تھی اچانک حملہ کر دیا جس کی وجہ سے حیدر آبادی فوجوں کو کامل شکست ہوی۔ اور نواب حیدر علی کا بلاری پر قبضہ ہوگیا۔ اور بلاری کا راجہ۔ بجائے نظام الملک کے نواب حیدر علی کا خراجگذار بن گیا۔

فتح گتی ۱۷۷۶ء گتی جنوبی ہندوستان کا ایک مشہور قلعہ ہے۔ جہاں عرصۂ دراز سے مرہٹے حکمران ہوتے چلے آئے تھے۔ گتی کے راجہ اس قدر زبردست ثابت ہوئے تھے۔ کہ اطراف واکناف میں انکی ہیبت چھائی ہوی تھی۔ اور آج تک بھی ضلع اننت پور اور بلاری میں راجگان گتی کے کارنامے اور گتی کی عظمت کی داستانیں لوگ ذوق وشوق سے بیان کرتے ہیں۔ نواب حیدر علی نے بلاری کی فتح سے فارغ ہوکر انتقام لینے کیلئے گتی پر چڑھائی کی۔ کیونکہ یہاں کا راجہ مرآری راؤ ہمیشہ مرہٹوں سے ملکر میسور پر حملہ آور ہوتا تھا۔ اور انگریزوں سے جو پہلی جنگ ہوی تھی۔ اس میں بھی نواب والاجاہ محمد علی کے ساتھ تھا۔ نواب حیدر علی نے گتی کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ کی مضبوطی کی وجہ سے محاصرہ نے نہایت طول کھینچا۔ آخر کار جب سخت محاصرہ کی وجہ سے رسد پہنچنا بند ہوگئی۔ اور قلعہ کے اندر تالاب و باؤلیاں سوکھ گئیں۔ تو راجہ نے اطاعت قبول کرلی۔ راجہ اور اس کے عورتوں کو سرنگا پٹم بھیجدیا گیا۔ اور حیدر علی تمام مضافات گتی پر قابض ہوگئے۔ جن میں کنچی کوٹہ اور بلینی کنڈہ اور سندور شامل ہیں۔ گتی کے فتح ہونے سے گرم کنڈہ کے قلعہ دار نے بھی اپنا قلعہ خود بخود نواب حیدر علی کے حوالے کر دیا۔

تسخیر بلاری سے متاثر ہو کر نظام الملک مرہٹوں سے مل گیا۔ اور ادھر مرہٹوں کو بھی گتی کے ہاتھ سے نکلجانے سے حیدر علی سے رنجش پیدا ہوگئی تھی۔ پیشوا رگھوبا نے ۱۷۷۶ء

ہزار کی ایک فوج نظام الملک کی کمک کے لئے بھیجدی۔ نواب حیدر علی نے ان دونوں فوجوں کے ملنے سے پیشتر ہی مرہٹی فوج کو رشوت دیکر ان میں پھوٹ ڈالدی۔ جس کی وجہ سے آپس میں لڑ کر وہ واپس ہو گئے۔ حیدر آباد کی جانب سے ابراہیم خاں دھونسہ آیا ہوا تھا۔ جس کی سرکوبی کیلئے نواب نے محمد علی کمیدان کو دھونسہ کے مقابل گھونسہ کا خطاب دیکر بھیجا۔ اور نواب برق سرعت سے راہ طے کرتے ہوئے تیسرے دن اچانک حیدر آبادی فوجوں پر حملہ آور ہوئے۔ اس جنگ میں گولوں کے عوض بان مارے گئے۔ اور حیدر آبادی فوج پریشان ہو کر بھاگ نکلی۔ اور کہا جاتا ہے کہ دھونسہ برہنہ سر ہو کر فرار ہو گیا۔ اور فرانسیسیوں کے دستہء فوج میں جاکر پناہ لی۔ مرہٹوں کے چلے جانیسے حیدر آبادی فوجیں بے دل ہو کر گولکنڈہ طرف واپس چلی گئیں۔ نواب حیدر علی انکا تعاقب کرتے ہوئے آدھونی پہنچکر اسکا محاصرہ کرلیا۔ اور اپنے ایک سفیر کو بسالت جنگ کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا کہ دارالامارت سرنگاپٹم دور ہونیسے سپاہیوں کی تنخواہ دو مہینوں سے نہیں دیگئی ہے۔ اس لئے ضروری مصارف کیلئے دس لاکھ روپیہ بھیجدیا جائے۔ بسالت جنگ نے اسکو غنیمت جانکر فوراً روپیہ پیش کردیا۔

"ادھونی کے متعلق مقامی روایت ہے کہ نواب حیدر علی نے قلعہ کا محاصرہ کرکے چند گولے قلعہ پر برسائے۔ جس کی وجہ سے بسالت جنگ کی حرم سرا میں تہلکہ پڑ گیا تو بسالت جنگ نے خود بخود ایک بڑی رقم نواب حیدر علی کو دیکر آئندہ دوستی کا وعدہ کرکے رخصت کردیا۔"

شہزادوں کی شادیاں ۱۱۷۷ھ

شمالی اضلاع کی فتح سے فارغ ہو کر نواب سرنگاپٹم واپس پہنچے۔ اور انہیں دنوں میں شہزادہ ٹیپو سلطان

کی شادی اپنی مرضی سے امام صاحب بخشی نائطہ کی لڑکی سے، اور خواتین محل کی مرضی کے مطابق رقیہ بانو سے کی۔ رقیہ بانو لالہ میاں شہید چر کولی کی دختر تھیں۔ خواتین محل کو یہلی نسبت اسلیئے پسند نہ تھی کہ وہ خاندان کی لڑکی نہ تھی۔ مگر نواب حیدر علی کو اپنی بات قایم رکھنے پر اصرار تھا۔ اگر مقامی روایات پر یقین کیا جائے تو یہ شادی جو امام صاحب بخشی نائطہ کی لڑکی سے ہوی۔ اس قدر دور رس نتائج رکھتی ہے۔ کہ ٹیپو سلطان کے زوال سلطنت میں اسکا بہت بڑا دخل ہے۔ اس رشتہ سے ناراض ہوکر اہل نوائط نے انگریزوں سے سازشیں شروع کردی تھیں۔ نائطہ کو اپنی شرافت و نسب پر حد درجہ غرور تھا۔ اور اس شادی کو وہ اپنی توہین سمجھ رہے تھے۔ اور در پردہ انتقام کی فکر میں تھے۔ ٹیپو سلطان کی شادی کے بعد حیدر علی کی صاحبزادی کا نکاح حافظ سید علی سے ہوا۔ اور شاہباز صاحب کی دو لڑکیوں کا نکاح بھی تربیت علی خان نائطہ اور یاسین صاحب سے ہوا۔ ان شادیوں کا جشن سرنگاپٹم میں ایک ماہ تک ہوتا رہا۔

پونا میں پیشوائی کیلئے کش مکش ۱۷۷۴ء

پونا میں واقعات بد سے بدتر ہوتے جارہے تھے۔ اور حالت یہاں تک پہونچ گئی کہ رگھوبا پونا چھوڑ کر فرار ہوا۔ اور جنوب میں میسور میں آکر حیدر علی سے مدد مانگی اور اس کے عوض وہ تمام علاقہ جو دریائے کرشنا سے جنوب کی طرف جو مرہٹوں کے قبضہ میں تھا۔ حیدر علی کو لکھکر دیدیا۔ مگر اس کی فوجوں میں پھوٹ پڑگئی۔ اور ایک کثیر حصہ اس کو چھوڑ کر پونا چلاگیا۔ جس کی وجہ سے رگھوبا علاقہ میسور چھوڑ کر گجرات کی طرف چلاگیا۔ چونکہ رگھوبا کی کارروائیوں میں انگریزوں کا ہاتھ کام کررہا تھا۔ اس لئے دوسری طرف نانا فرنویس نے انگریزوں کو ملک سے نکال دینے کیلئے تمام سردارانِ

ملک کو مجتمع کرنا شروع کیا۔ اور اس سلسلہ میں نواب حیدر علی کو بھی لکھا کہ انگریزوں پر حملہ کرے۔ مگر حیدر علی نے مقتضائے وقت کے لحاظ سے کچھ جواب نہیں دیا۔ بلکہ اس کی اطلاع انگریزوں کو دیدی۔ نواب حیدر علی شروع سے دیکھ رہے تھے کہ کس طرح بے وجہ مرہٹے حملے کر کے میسور کو تباہ و برباد کرتے رہے ہیں۔

بعض ہندو مورخین نواب حیدر علی پر معترض ہیں کہ انہوں نے نانا فرنویس کا وہ راز جو انگریزوں کو ملک سے نکالنے کیلئے تھا۔ انگریزوں پر ظاہر کر کے اپنے تدبر اور حب الوطنی کا کوئی اچھا نمونہ پیش نہیں کیا مگر ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ۱۷۶۱ء سے ۱۷۷۶ء تک مرہٹوں نے میسور پر چار حملے کئے۔ اور ہر وقت انکی یہی خواہش رہی کہ کسی طرح حیدر علی کو مٹا دیا جائے۔ ماد ہوراؤ اور ترمک راؤ کے اخیر حملے کچھ اس غضب کے تھے کہ اگر قسمت حیدر علی کا ساتھ نہ دیتی تو انکے مٹ جانے میں کوئی کسر باقی نہ تھی۔ نواب حیدر علی کی درخواست صلح کو بھی مرہٹے ٹھکرا چکے تھے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے حیدر علی نے مرہٹوں کے راز کو انگریزوں پر ان سے دل برداشتہ ہونے کی وجہ سے منکشف کر دیا۔ تو ان پر کوئی الزام نہیں آسکتا۔ حیدر علی نے جو کچھ کیا۔ وہ اقتضائے وقت، نزاکتِ حالات، حفاظتِ خود اختیاری اور مجبوری کی وجہ سے تھا۔

اس کے بعد نواب حیدر علی شاہنور کے نواب عبدالحکیم خاں کی سرکوبی کے لئے نکلے۔ شاہنور کا نواب مرہٹوں سے سازش کر رہا تھا۔ اسلئے نواب حیدر علی نے اس پر چڑھائی کی۔ اور شاہنور کی فوجوں کو شکست دے کر عبدالحکیم خاں کو اسیر کر لیا۔ جس پر اس نے اپنی خاص سواری اور نشان کے ہاتھی و نیز ڈیڑھ لاکھ روپیہ حیدر علی کی نذر کر دیا۔ اور ہمیشہ اطاعت گذار رہنے کا وعدہ کیا۔ بمصلحتِ وقت جان کر شہزادہ

کریم شاہ کی شادی شاہنور کے نواب عبدالحکیم خاں کی بیٹی سے کردی گئی۔

اس شادی کے بعد نواب اپنی فوجوں کو سرہٹی، ڈامل اور کوپل کے راستے سے بادامی اور دھاڑواڑ پر بڑھایا۔ تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ افواج میسور خاص مرہٹہ واڑی پر حملہ آور ہوئیں۔

فتح بادامی۔ دھاڑواڑ و دیگر فتوحات ۱۷۷۵ء

بادامی ایک معمولی جنگ کے بعد فتح ہوگیا۔ مگر قلعہ دھاڑواڑ نہایت مضبوط تھا۔ اور اس کی حفاظت پر مرہٹوں کی ایک زبردست فوج متعین تھی۔

فتح دھاڑواڑ کے متعلق سر آلفرڈ لائل اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"حیدر علی نے اپنی فوج کے ایک حصہ کو مرہٹی لباس پہنا کر دھاڑواڑ پر روانہ کیا اور قلعہ دار کو ایک جعلی خط بھیجا کہ اسکی کمک کیلئے مرہٹی فوج آرہی ہے۔ چونکہ حیدر علی نواح دھاڑواڑ میں تھے۔ مرہٹی قلعہ دار نے اس کو سچ سمجھ لیا۔ حیدر علی کی یہ فوج جو مرہٹی لباس میں تھی۔ اس وقت قلعہ دھاڑواڑ پر پہنچی۔ جب حیدر علی اپنی فوج کے دوسرے حصہ سے قلعہ پر حملہ کر رہے تھے۔ اب یہ فوج جو مرہٹہ لباس میں پہنچی۔ تو حیدر علی نے مصنوعی طور پر خالی کارتوس چلانا شروع کردئے۔ ادہر تو یہ مصنوعی لڑائی ہونے لگی۔ اور ادہر یہ فوج جو مرہٹی لباس میں تھی قلعہ پر پہنچنے کی کوشش کرنے لگی۔ اور اسی طرح لڑتے ہوئے دروازے پر پہونچگئی۔ جہاں قلعہ دار نے اپنی ہی مرہٹی فوج سمجھ کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ یہ فوج قلعہ کے اندر داخل ہوگئی اندر داخل ہونیکے بعد قلعہ پر قبضہ کرنا ایک معمولی بات تھی۔ اس طرح دھاڑوار پر نواب حیدر علی کا قبضہ ہوگیا۔"

حیدر علی دھاڑواڑ سے نکلکر آناگندی پر آئے۔ سلطنتِ وجیانگر کے زوال کے بعد وہاں کے راجہ کا خاندان اناگندی میں مقیم تھا۔ اور اس وقت وہاں کا حاکم تمراج نامی راجہ تھا۔ جکی نسبت مشہور ہے کہ دستور کے موافق کسی کو سلام نہ کرتا تھا۔ راجہ نے ایک لاکھ ہُن (سن تین روپیہ) بطور پیش کش اپنے بیٹے کے ہاتھ سے روانہ کیا۔ اور حاضری سے معافی کا خواستگار ہوا۔ نواب نے اس درخواست کو منظور کرلیا۔ یہاں سے نکلکر نواب حیدر علی نگا پٹن کی راہ سے ہاکل واڑی پہنچے۔ یہاں کا راجہ اپنی سفاہت اور حماقت کے لئے مشہور تھا۔ کئی کوٹھیاں افیون سے بھری پڑی تھیں۔ مگراس کی حرص کسی طرح کم نہیں ہوتی تھی۔ اکثر کہا کرتا تھا کہ

"کاش یہ پہاڑ جو میرے شہر میں ہے۔ افیون کا بن جاتا"

کبھی کبھی باغ کی سیر کو نکلتا۔ تو باغ میں اونگھتا ہوا پھرتا۔ اور خادموں سے دریافت کرتا کہ ہم کو محل سے نکلے ہوئے کئی روز ہوئے۔ خدام کہتے کہ آپ جلد چلیں۔ محل نزدیک ہی ہے۔ یہ سن کر ہنستا ہوا جواب دیتا کہ جلد چلنا جانوروں کا کام ہے۔ محل میں رانی کے پاس تو جاتا ہی نہیں تھا۔ رانی کے خدام زبردستی اٹھاکر لیجاتے۔ نواب حیدر علی نے ہاکل واڑی پہونچکر راجہ کو حضوری میں طلب کیا۔ اور اس کے علاقے اور مال کی کیفیت پوچھی۔ اور یہ بھی دریافت کیا۔ کہ آپ مجھے کیا نذر دیں گے۔ راجہ نے جواب دیا کہ آپ کے اقبال سے کئی سو من افیون بھری پڑی ہے۔ اور دودھ پینے کے لئے صدہا گائیں موجود ہیں۔ اور کنیزی کیلئے میری رانی موجود ہے۔ جس کے پاس زیور بھی ہے۔ یہ جواب سنکر نواب مسکرادئے۔ اور حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو! یہ ہیں خلقِ خدا کے محافظ اور ان کے جان ومال کے نگہبان" بعد ازاں وہاں اپنا ناظم مقرر کردیا اور راجہ کے خرچ کیلئے ایک گاؤں جاگیر دیدی۔

یہاں سے نواب حیدر علی کڑپہ اور کرنول کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہاں کے نواب

ہمیشہ مرہٹے. والاجاہ محمد علی اور نظام الملک کے ساتھ ملکر ملک پر تاخت کرتے رہتے تھے. جب حیدری فوج سواد کڈپہ پہونچی تو حاکم کڈپہ نواب عبدالحلیم خاں نے پانچ لاکھ روپیہ نقد اور دو ہاتھی بطور پیش کش بھیجکر خراج گذار رہنے کا وعدہ کرلیا. نواب حیدر علی نے پیش کش قبول کرلی۔ اور بیگن پلی طرف کوچ فرمایا. یہاں ایک معمولی مقابلہ ہوا. جس میں حیدری افواج غالب آئیں. بیگن پلی کے نواب نے سات لاکھ روپیہ پیش کش دیکر اپنی جان بچائی. اور خراجگذار رہنے کا بھی وعدہ کیا. یہاں سے حیدری افواج کرنول طرف بڑھی. نواب کرنول مقابلہ کیلئے آیا. اس کے ساتھ ایک پیر مسکین شاہ نامی تھے. جنہوں نے اس کو یقین دلایا تھا کہ :-

"میرے ہوتے ہوے کرنول کی فوج کو شکست نہ ہوگی"۔

مگر جب مسکین شاہ نے نواب حیدر علی کے جلال و جبروت کو دیکھا تو آپ خود لاپتہ ہوگئے. انکے علیحدہ ہوتے ہی نواب منور خاں حاکم کرنول نے پچاس لاکھ روپیہ نقد بطور نذر دے کر خراجگذار اور مطیع رہنے کا اقرار کیا۔

اب نواب حیدر علی کے مقبوضات قلعۂ دھاڑواڑ سے لیکر مشرق میں کرنول تک اور جنوب میں کوچین تک پھیلے ہوئے تھے. صرف ایک چتلدرگ کا علاقہ باقی تھا. یہاں کا راجہ نہایت زبردست فوج اور قلعے رکھتا تھا. نواب حیدر علی پیشتر بھی اس علاقہ کو فتح کرنیکی غرض سے اس پر تاخت کرکے قلعۂ چتلدرگ کا محاصرہ پانچ ماہ تک کرچکے تھے. مگر ناکامیاب رہے. چتلدرگ کا راجہ ہمیشہ مرہٹوں سے ملکر حیدر علی کا مخالف رہا. اسلئے اب حیدری افواج بغرض انتقام چتلدرگ پر بڑھیں. یہاں راجہ کی فوج نے ایک ایک قدم پر انکا مقابلہ کیا. جس کی وجہ سے نواب حیدر علی کو قلعۂ چتلدرگ تک پہنچنے کیلئے کئی مہینے لگے. آخرکار نواب حیدر علی نے چتلدرگ کا محاصرہ کرلیا. قلعہ چتلدرگ کے اطراف میں گھنا جنگل تھا. اور

نواب کو معلوم تھا کہ مدافعت بہت سخت ہو گی۔ اس لئے انہوں نے پہلے جنگل چھانٹنا شروع کر دیا اور توپ خانہ ایک اونچی پہاڑی پر چڑھا دیا گیا۔ جس سے قلعے پر گولے برسائے جاتے تھے۔ دن بھر میں جتنا نقصان دیوار قلعہ کو پہونچتا تھا۔ اس کو شب میں چیلدرگ والے درست کر لیتے تھے۔ کیونکہ فصیل قلعہ کے اطراف بھی جنگل نہایت گھنا تھا۔ نواب حیدر علی نے محمد علی کمیدان کو ایک دستۂ فوج دیکر حکم دیا کہ کسی طرح قلعہ کی ایک بازو پر حملہ کر کے قابض ہو جائے۔ کمیدان محمد علی اپنی فوج لیکر راتکا وقت آگے بڑھا۔ رات نہایت اندھیری تھی اسنے نہایت ہوشیاری اور جرأت سے ایک سنگین اور پختہ مکان پر قابض ہو گیا۔ جو دیوارِ قلعہ سے باہر کی طرف تھا۔ اس مکان سے جنگل میں ہر سمت مخفی راہیں گئی ہوی تھیں۔ دوسرے دن نواب حیدر علی سات ہزار پیادے اور ایک ہزار سوار لیکر قلعہ پر حملہ آور ہوئے۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اسپر حیدر علی نے راجہ کو کھلے میدان میں لانے کیلئے محاصرہ اٹھا کر یارہ مین پیچھے ہٹ گئے۔ جب تقدیر یاور ہوتی ہے تو بگڑی ہوی بھی بنجاتی ہے۔ حیدر علی کے طالع اقبال سے ایکدن چیلدرگ کے راجہ کے دو سالے قلعہ سے باہر مندر میں پوجا کرنے کیلئے گئے تھے۔ ادہر غمازوں نے راجہ سے کہدیا کہ یہ نواب حیدر علی کے پاس گئے ہیں۔ راجہ نے فی الفور اپنے خسر کو قتل کر کے اسکا مکان لوٹ لیا۔ ادہر یہ خبر جب راجہ کے سالوں کو پہونچی تو وہ جان کے خوف سے نواب حیدر علی کے کیمپ میں آگئے۔ اور سارا حال بیان کیا۔ جس پر نواب حیدر علی نے راجۂ ہرپن ہلی کی معرفت سے انہیں بلاکر خلعتِ فاخرہ اور جواہر گراں بہا سے سرفراز فرمایا۔ نیز ان کو جاگیر دینے کا وعدہ فرمایا۔ ان دونوں نے راجہ سے انتقام لینے کی غرض سے حیدری فوج کو ایک تنگ مخفی راستہ پہاڑ کی چوٹی تک دکھلا دیا۔ جہاں سے گولے قلعے کے اندر پہونچ سکتے تھے۔ حیدری فوج نے پہاڑ کی چوٹی پر قابض ہو کر سات دن تک قلعہ پر گولے برسائے۔ جس کی وجہ سے راجہ کی فوج قلعہ

چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ آخر کار جب راجہ نے دیکھا کہ فوج کے اکثر سپاہی بھاگ رہے ہیں۔ اور اکثر وفادار مر چکے ہیں۔ تو وہ نہایت طمطراق سے مسلح ہو کر مقابلہ کیلئے باہر نکلا۔ کمیدان محمد علی کی فوج کمینگاہ میں چھپی ہوی تھی۔ جس نے پیچھے سے حملہ کر کے راجہ کو گرفتار کر لیا۔ راجہ کے گرفتار ہوتے ہی قلعہ پر محمد علی کا قبضہ ہو گیا۔ جس میں راجہ کے حرم سرا اور دوسرے معتمد ومحافظین تھے۔ ان سبکو گرفتار کر کے نواب حیدر علی کے پاس بھیجدیا گیا راجہ اور اس کے خاندان کو ایک زبردست دستۂ فوج کی حفاظت میں سرنگاپٹم روانہ کر دیا گیا۔ چونکہ چتلدرگ کی جنگ میں افواج حیدری نے بڑی تکلیفیں اٹھائی اور جان توڑ کوششیں کی تھیں اس لئے ہر ایک سپاہی کو معقول انعام دیا گیا۔ اور چتلدرگ کا انتظام دولت خاں کے سپرد ہوا۔ جو نواب حیدر علی کا ایک لے پالک لڑکا تھا۔ اور یہ لڑکا نواب کو ستی منگل میں وزیر نند راج کے یہاں کام کرتا ہوا ملا تھا۔ نواب نے اسکی ہوشیاری و فرزانگی سے خوش ہو کر اس کی پرورش کی تھی۔

فتح چتلدرگ کے متعلق لیون بی۔ بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

" چتلدرگ ناہموار اور ویران کوہستان کے دامن میں کئی میل تک آباد تھا۔ اور جنگلوں کی طولانی قطار سے گھرا ہوا تھا۔ یہاں کا سردار مرہٹوں سے ملا ہوا تھا۔ حیدر علی جب چتلدرگ پر بڑھے۔ تو اس سردار نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ مگر اس کی فوج میں تین ہزار مسلمان بھی تھے۔ جن کو حیدر علی نے اپنی طرف ملالیا۔ یہ دیکھکر مدکیسری نایک پالیگار (راجہ) نے مجبور ہو کر حیدر علی کے قدموں پر سر رکھدیا۔ حیدر علی نے اس مقام کو لوٹ کر راجہ اور اس کے خاندان کو قید کر کے سرنگاپٹم بھیجدیا۔ اور اس کی قوم کے بیس ہزار باشندے گرفتار کر کے ان کو جبراً مسلمان بنایا گیا۔ ان میں سے لڑکوں کو تربیت دیکر سپاہی بنایا گیا۔ یہ جماعت ٹیپو سلطان کے زمانہ میں بہت

ترقی کر گئی تھی۔ ورنہ یہ فوج چیلوں کی فوج یا فوج مریدان کہلاتی تھی"

تاریخ رولرس آف انڈیا میں بھی اسی روایت کو دھرایا گیا ہے۔

انگریزی مورخین کی یہ فطرت رہی ہے کہ وہ دیسی حکمرانوں کو بدنام کرنے کیلئے ایک نہ ایک الزام تراش لیتے ہیں۔ کسی پر مذہبی دیوانگی اور تعصب کا، کسی پر فضول خرچی و عیاشی کا۔ اور کسی پر ظلم و ستم شعاری کا۔ اگر بالفرض نواب حیدر علی اور انکے جانشین فرزند ٹیپو سلطان شہید تلوار کے ذریعہ اشاعتِ اسلام کرنے پر آمادہ ہو جاتے تو دنیا کی کوئی طاقت ایسا کرنے سے انہیں روک نہیں سکتی تھی۔ اور آج جنوبی ہندوستان میں خصوصاً علاقہ میسور میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی آبادی کا جو تناسب نظر آتا ہے۔ وہ یہ نہ رہتا۔ آج ریاست میسور کی ساٹھ لاکھ آبادی میں صرف چار لاکھ مسلمان ہیں۔ اگر جبریہ اشاعتِ اسلام ہوتی تو مسلمانوں کی کثرت ہونا لازمی تھا۔ پایہ تخت سرنگاپٹم ہر شخص کا دیکھا ہوا ہے۔ اور آج بھی یہاں کے کثیر منادر زبانِ حال سے گواہی دے رہے ہیں کہ یہاں کے مسلمان حکمران کس قدر بے تعصب، رحمدل اور رعایا پرور تھے۔

تنظیمِ مملکت و فوج

فتح چیلدرگ سے فارغ ہو کر نواب نہایت جاہ و احتشام کے ساتھ سرنگاپٹم واپس آئے۔ اور تنظیم مملکت و فوج پر توجہ کی۔

امتحانِ وفاداری

انتظام مملکت و فوج سے فارغ ہو کر نواب حیدر علی نے سوچا کہ اپنے امیروں اور دوسرے نوابوں راجاؤں اور پالیگارانِ ماتحت کی وفاداری کا امتحان لیا جائے۔ چند خاص رفقا کے ساتھ نواب حیدر علی سرنگاپٹم سے حیدرنگر کی طرف گئے۔ راستے میں ان رفقا کو بلا کر سمجھا دیا کہ تمام انتظام بطور خود

قایم رکھیں۔ اور ایک فرضی تابوت بنا کر سرنگا پٹم روانہ کر دیا۔ اور مشہور کر دیا کہ نواب حیدر علی کا جنازہ جا رہا ہے۔ اس تجویز کے مطابق نواب ایک خیمہ میں خلوت گزین ہو گئے۔ رفقا نے ایک نہایت آراستہ تابوت۔ زرتار دوشالہ ڈالکر زرین شامیانے کے زیر سایہ سرنگا پٹم کو روانہ کیا۔ جنازہ کے سامنے عود وعنبر کی انگیٹھیاں اور آگے پیچھے حفاظ آیات قرانی پڑھتے جاتے تھے۔ بدرقہ کے لئے سپاہی ساتھ تھے۔ جو کہ فی الواقع اپنے آقا کے غم میں سوگوار روتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ جب اس واقعہ کی خبر مشتہر ہوی تو تمام ملک میں ایک تہلکہ اور طلاطم برپا ہو گیا۔ اور حیدری فوج بوجہ اپنی خاص عقیدت و محبت کے نہایت غمگیں ہو گئی۔ جس طرح دوستوں کو رنج پہنچا۔ اسی طرح دشمنوں اور منافقوں میں خوشی کے آثار ظاہر ہوئے۔ چنانچہ نواب عبدالحلیم خاں حاکم کڑپہ نے حیدر علی کے وفات کی خبر سنکر لوگوں میں شیرینی تقسیم کی۔ اور مجلس عیش ترتیب دیکر خوشی کے شادیانے بجائے۔ اور حیدر علی کے پرچہ نویس کو جو بطور رزیڈنٹ کڑپہ میں مقیم تھا۔ شہر بدر کر دیا۔ جب تمام ملک کی حالت معلوم ہو گئی۔ تو نواب حیدر علی نے اپنے خلوت کدہ سے نکلکر ایک بہت بڑا دربار اور جشن شاہانہ منایا۔ اس کے چند دن بعد ایک زبردست فوج اور توپ خانہ لیکر کڑپہ کی جانب کوچ فرمایا۔ اس خبر کے سنتے ہی نواب عبدالحلیم اپنا ایک سفیر بھیجکر معافی کا خواستگار ہوا۔ مگر نواب بہادر نے اسکو بے نیل و مرام واپس کر دیا۔

تسخیر کڈپہ ۱۷۷۹ء

اب نواب کڈپہ کو سوائے جنگ کے دوسرا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اپنے دو بھتیجوں کی سرکردگی میں ایک فوج روانہ کی۔ اس فوج کا کڈپہ سے بارہ میل پر حیدری فوج سے مقابلہ ہوا۔ جو میر علی رضا خان کی کمان میں تھی۔ اس لڑائی میں افغان غالب آگئے۔ جس پر نواب حیدر علی نے اپنی پوری

فوج کے ساتھ رات کو افغانوں پر شبخون مارا۔ پٹھان منتشر ہو کر کڈپہ کی طرف بھاگ گئے۔
نواب حیدر علی نے انکا تعاقب کیا۔ افغانوں نے پھر ایک جگہ مجتمع ہو کر مقابلہ کیا۔ دوپہر
تک لڑائی ہوتی رہی۔ جس میں حیدری فوج کے دو ہزار آدمی کام آئے۔ حیدر علی نے توپخانہ
کو آگے بڑھایا۔ اور قلعہ کی دیوار میں تھوڑے ہی وقت میں رخنے پڑ گئے۔ حیدر علی کے
خاص دستہ باڈی گارڈ نے شہر کڈپہ میں گھس کر افغانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔
جس کی وجہ سے افغانوں کی وہ فوج جو دوسری طرف نہایت جوانمردی سے لڑ رہی
تھی۔ ہتھیار رکھدی۔ شہر کڈپہ مسخر ہو گیا۔ نواب عبدالحلیم خاں اور اس کے دونوں
بھتیجے علیحدہ علیحدہ قید کر دیئے گئے۔ نواب حیدر علی نے حکم دیا کہ تمام افغانوں سے
ہتھیار لے لیئے جائیں۔ جس پر بعض افغانوں نے جو نواب عبدالحلیم خاں اور اس کے
بھتیجوں کے ساتھ تھے۔ ہتھیار دینے سے انکار کر دیا۔ اور نواب نے بھی انکی بہادری
کی قدر کرتے ہوئے ہتھیار دینے پر مجبور نہ کیا۔ یہ افغان جب آدھی رات گذری تو اٹھے
اور اپنے حفاظتی گارڈ کو مغلوب کر کے قتل کر دیا۔ اور چند افغانی حیدر علی کے خیمے
تک جا پہنچے۔ آواز سن کر حیدر علی چونک پڑے اور اپنے بستر پر تکئے وغیرہ رکھکر اس
پر چادر ڈالدی۔ اس طرح کہ کوئی سو رہا ہو۔ اور خود خیمہ کی قنات کاٹ کر باہر
نکل گئے۔ اب پورا کیامپ جاگ اٹھا۔ افغان چن چن کر قتل ہونے لگے۔ اس ہنگامہ
میں نواب عبدالحلیم خاں سدہوٹ بھاگ گیا۔ نواب حیدر علی نے ایک دستۂ فوج قلعۂ
گنجی کوٹہ کو روانہ کیا۔ اور خود سدہوٹ پر بڑھکر اسکا محاصرہ کر لیا۔ میر علی رضا خان
نے گنجی کوٹہ فتح کر لیا۔ یہ سن کر حلیم خاں اپنے وکیل محمد غیاث کو حیدر علی کے پاس
معافی مانگنے کیلیئے روانہ کیا۔ حیدر علی نے کہا کہ جبتک قلعہ کے تمام سپاہی باہر نہ نکال

دیئے جائیں۔ معافی نہیں مل سکتی۔ لہٰذا یہ تمام افغان سپاہی باہر نکالدیئے گئے۔ نواب حیدر علی کی فوج اندر جاکر قلعہ پر قابض ہوگئی۔ عبدالحلیم خاں اپنے دیوان خاص میں مسند امارۃ پر بیٹھا ہوا تھا۔ حیدری فوج کے چند افسروں نے اندر مسند کے روبرو پالکی لیجاکر رکھدی۔ حلیم خاں سمجھ گیا۔ اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کر پالکی میں سوار ہوگیا۔ نواب حیدر علی نے حلیم خاں اور اسکے حرم کو نہایت حفاظت و عزت کے ساتھ سرنگاپٹم بھیجدیا جہاں گنجام میں انکے رہنے کا بندوبست اور انکے مصارف کا خاطرخواہ انتظام کردیا گیا۔ چند دن بعد نواب عبدالحلیم خاں کا انتقال ہوگیا۔

بورنگ اپنی تاریخ میں الحاق کڈپہ کے متعلق لکھتا ہے:۔

"حیدر علی نے اپنے نسبتی بھائی میر علی رضا خاں کو نواب کڈپہ کے مطیع کرنے کیلئے روانہ کیا مگر علی رضا خان مضبوط اور جفاکش افغانوں کو مطیع نہ کرسکا۔ اور مقابلہ نہایت سخت ہوا۔ حیدر علی فوج لیکر کمک کو جا پہنچے۔ کڈپہ کے شمال میں مقام گھوڑ میں افغانوں سے جنگ ہوی۔ افغانوں کو حیدری فوج کثیر نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس لئے وہ اطاعت پر مجبور ہوئے۔ اور حیدر علی نے ان لوگوں کو اپنی ملازمت میں لے لیا۔ جنہوں نے اپنی نمک حلالی کی ضمانت دیدی۔ لیکن ان میں اسی سوار ایسے بھی تھے جو ضمانت نہ دے سکے۔ اور ہتھیار دینے سے بھی انکار کردیا۔ حیدر علی نے بھی انکی جوانمردی کا پاس کرکے ان کو ہتھیار دینے کیلئے مجبور نہ کیا۔ اور وہ ہتھیار سمیت ٹھہرائے گئے۔ مگر افغانوں کی دغابازی مشہور ہے وہ آدھی رات کو اٹھے اور اپنے حفاظتی گارڈ کو مار کر حیدر علی کے خیمے تک جا پہنچے۔ لیکن آہٹ پاکر حیدر علی چونک پڑے۔ اور اپنے بستر پر تکیے وغیرہ رکھکر ان پر چادر اڑھادی

گویا کہ حیدر علی بے خبر سو رہے ہیں۔ اور خود خیمہ کی قنات کاٹ کر باہر نکل گئے اتنے میں سب جاگ اٹھے۔ اور ان افغانوں کا قتل شروع ہو گیا۔ اور کچھ گرفتار کر کے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔ اور ہاتھی کے پاؤں سے باندھکر انہیں تمام کیمپ میں گھسیٹا گیا۔ کڈپہ کا نواب سدہوٹ کی طرف بھاگ گیا۔ جو کڈپہ سے تھوڑے فاصلہ پر تھا۔ لیکن چند دن کے بعد جب اسکی جان، ناموس اور عزت کی ضمانت دیدی گئی تو اس نے اطاعت قبول کرلی۔ اور اس کو سرنگاپٹم بھیجدیا گیا۔ وہاں جاکر اس کی حسین ہمشیرہ سے حیدر علی نے شادی کرلی۔ وہ بخشی بیگم کے نام سے سرفراز ہوئی "

انگریزوں کی سازشیں

یہ آگے لکھا جاچکا ہے کہ پونا میں مرہٹوں میں نااتفاقی اور پھوٹ پڑ گئی تھی۔ اور مرہٹے دو جماعتوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ ایک جماعت رگھوبا کی حمایت پر تھی۔ اور دوسری جماعت پیشوا نارائن راؤ کے نوزائیدہ بچے کی حمایت پر۔ اور یہ جماعت نانا فرنویس وزیر اعظم کے ماتحت تھی۔ اس جانشینی کے مسئلہ نے یہاں تک طول کھینچا کہ انگریز رگھوبا کی حمایت میں جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ جب جنگ نے طول کھینچا تو نانا فرنویس نے حیدر علی سے مدد مانگی اور اس کو بتلایا کہ کس طرح انگریز دن بدن اپنی چیرہ دستیوں سے ہندوستان پر قبضہ کر رہے ہیں۔ تحفظ وطن کی خاطر اب ضروری ہے کہ دیسی حکمرانان ملک متحد ہو کر انگریزوں کو ملک سے نکالدیں۔ اسی طرح نظام علیخاں نظام الملک نے بھی نواب حیدر علی سے مدد طلب کی۔ اسلئے کہ انگریز اس کے علاقۂ گنٹور پر بغیر اسکی مرضی کے قابض ہو چکے تھے۔ اور انکا اثر دن بدن بڑھتا جارہا تھا۔ نواب حیدر علی بھی ان واقعات کو

دیکھ رہے تھے اور انکے دل میں بھی انگریزوں کی طرف سے عناد پیدا ہو چکا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ انگریزوں نے ۱۷۶۹ء میں صلحنامہ مدراس کی رو سے امداد کا وعدہ کیا تھا۔ مگر جسوقت مرہٹے میسور پر حملہ آور ہوئے تو انہوں نے مدد دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اسیطرح نواب حیدر علی کو نظام الملک پر بھی بالکل بھروسہ نہیں تھا۔ ان کی دوربین آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔ کہ حیدر آباد میں انگریزوں کا کس قدر رسوخ ہے۔ خود نظام الملک اور انکا وزیر رکن الدولہ کس قدر طوطا چشم ہیں۔ اور حیدر آبادی فوجیں کہانتک صعوبات جنگ کی متحمل ہو سکتی ہیں۔ ابھی پونا و حیدر آباد سے نامہ و پیام جاری ہی تھا۔ کہ یورپ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جنگ چھڑ گئی۔ انگریزوں نے ہندوستان میں پانڈیچری فتح کر لیا۔ اور بندرگاہ ماہی پر قبضہ کرنے کے لئے بڑھے۔ یہ بندرگاہ ملیبار میں واقع ہے۔ اور تمام ملیبار حیدر علی کے زیر حکومت تھا انگریزی فوج نے ماہی پر چڑھائی کی۔ اور باوجود حیدر علی کی ممانعت کے ان کے ملک سے گذری۔ اس پر فرانسیسیوں نے حیدر علی سے مدد مانگی۔ اور چونکہ وہ حیدر علی کے ملک میں تھے۔ اس لحاظ سے وہ حیدر علی کی ہی حمایت میں تھے۔ اور انکی امداد کرنا حیدر علی پر فرض تھا سر آلفرڈ لائل اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"فرانسیسیوں کی حمایت کے علاوہ حیدر علی کی دوربین نگاہیں دیکھ رہی تھیں۔ کہ ہندوستان کی کمزوری کی اصلی وجہ ہندوستان کی بحری طاقت کا فقدان ہے۔ اور بحری طاقت ہی کی وجہ سے یوروپین اقوام ہندوستان پر تسلط جما رہی ہیں۔ اس خیال سے حیدر علی نے بھی بحری طاقت کا انتظام شروع کر دیا تھا۔ اور اس کے علاوہ ماہی بندر حیدر علی کے لئے یوروپ سے رسل و رسایل قایم رکھنے اور انگریزوں کے خلاف فرانسیسیوں سے سامان جنگ حاصل کرنے کیلئے ایک عمدہ بندرگاہ تھا۔

حیدر علی کو پہلے ہی سے انگریزوں سے بدظنی تھی۔ اور جبکہ انگریزوں نے ماہی پر قبضہ کر لیا۔ تو اس نے پوری قوت کے ساتھ انگریزوں پر حملہ کر دیا۔"

اس حملہ کے ہوتے ہی انگریزوں نے اپنی قدیم روایات سے کام لیکر حیدر آباد میں سازش شروع کر دی۔ اور یہ جھوٹی خبر مشہور کر دیگئی۔ کہ شہنشاہ ہندوستان دکن کی صوبہ داری نواب حیدر علی کو تفویض کرنیوالا ہے۔ اسکے ساتھ ہی گنٹور کا علاقہ نظام الملک کے حوالے کر دیا گیا۔ نظام الملک اس خبر سے گھبرا گیا۔ مگر انگریزوں نے تسلی دی کہ حیدر علی سے وہ خود سمجھ لیں گے۔ جس پر نظام الملک خاموش رہ گیا۔ نواب محمد علی والا جاہ نے جس کو نواب حیدر علی سے حد درجہ حسد تھا۔ اس سازش میں بہت بڑا حصہ لیا۔

" انگریزوں نے عہدنامۂ مدراس کو ردی کا کاغذ سمجھ کر پھینک دیا۔ اور جب حیدر علی کو امداد کی ضرورت تھی۔ تو انہوں نے مدد دینے سے صاف انکار کر دیا۔ نواب والا جاہ محمد علی کے تمام ملک پر یہ قبضہ کر چکے تھے۔ جو حیدر علی کیلئے تشویش کا باعث بن گیا۔ دوسری طرف انگریزوں نے گنٹور پر قبضہ کر لیا۔ جس کے باعث نظام الملک بھی ان سے بگڑ بیٹھا۔ اور انگریزی فوج حیدر علی کے علاقے سے بغیر اسکی اجازت کے گذر کر ادھونی پر بڑھنا چاہی۔ ایک طرف تو مرہٹے انگریزوں سے لڑ رہے تھے۔ اور دوسری طرف نظام الملک آمادۂ جنگ تھا۔ ان مواقع سے حیدر علی نے فائدہ اٹھانا چاہا۔ مگر انگریزوں نے گنٹور کا علاقہ نظام الملک کو واپس دیکر اس کو اپنی طرف ملا لیا۔ لیکن جنگ کی ابتدا اس طور پر ہوئی کہ یورپ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جنگ چھڑ جانے سے ہندوستان میں انگریز تمام فرانسیسی علاقوں پر قبضہ کرکے ماہی پر بڑھے۔ جو حیدر علی کے علاقہ ملیبار میں

فرانسیسیوں کی ایک بندرگاہ تھا۔ حیدر علی کو فرانسیسیوں کی حمایت اور دوستی لازمی تھی۔"

(تاریخ ہند از تھامپسن)

یہی مورخ آگے چلکر لکھتا ہے :۔

"نواب حیدر علی سے اگر انگریز اپنا وعدہ ایفا کرتے۔ تو وہ انکا بہترین دوست ثابت ہوتا۔ کیونکہ اس کو انگریزوں پر کامل اعتماد تھا۔"

مورخ ڈی لافوسی لکھتا ہے :۔

"انگریزوں نے اپنی وعدہ شکنی اور ہیرہ وستی سے حیدر علی کو اپنا دشمن بنالیا۔"

ایک اور انگریزی مورخ لکھتا ہے :۔

"نواب حیدر علی خان کو خیال ہوا کہ انگریز بد عہد ہیں۔ اور نظام علی خاں خود غرض ہے۔ اس لئے اس نے اپنے پرانے دوست فرانسیسیوں کو پھر شریک حال بنانا چاہا۔ اس خیال سے اس نے فرانسیسیوں کی طرف توجہ کی۔"

رسالۂ انگلش ملٹری بیاگرافی میں تحریر ہے :۔

"انگریزوں کو نواب حیدر علی خان کے ساتھ بموجب عہد نامہ ۱۷۶۹ء دوستی اور اتفاق رکھنا مناسب تھا۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ مرہٹے جب بار بار اس کے ملک پر حملہ آور ہوئے تو اس نے متعدد مرتبہ انگریزوں سے مدد مانگی لیکن انہوں نے نہیں دی۔ جب نواب نے انگریزوں کے قول و فعل میں یکسانیت نہیں دیکھی تو وہ فرانسیسیوں کی حمایت کرکے انکی دوستی کا متلاشی ہوا۔"

انگریزوں سے دوسری جنگ
۱۷۸۰ء سے ۱۷۸۴ء تک

انگریزوں کو جسوقت نانا فرنویس، نظام الملک اور حیدر علی کے نامہ و پیام کی خبر ملی۔ تو

انہوں نے بھی اپنے دو سفیر پادری شوارٹز اور بعد میں مسٹر گرے کو دربار حیدری میں دوستی بڑھانے کیلئے بھیجا۔ مگر نواب حیدر علی اسوقت جان چکے تھے۔ کہ انگریزوں کے وعدے کس قسم کے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے ان سفیروں کو بے نیل و مرام واپس کر دیا۔ نوٹ۔ ان دو انگریزی سفیروں میں پادری شوارٹز جاسوس تھا۔ جس کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے حیدر علی کی فوجی طاقت کا اندازہ کرنے اور حیدر علی کے خلاف جو جماعت تھی۔ ان سے اطلاعات حاصل کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ سلطنت خداداد کے زوال کے زیر عنوان اس پر مفصل بحث کی گئی ہے (محمود)

اس کے بعد ہی فوراً انگریزوں نے فرانسیسیوں کے بندرگاہِ ماہی پر قبضہ کر لیا۔ جس کی وجہ سے نواب حیدر علی اپنی پوری طاقت کے ساتھ ملکِ کرناٹک پر حملہ آور ہوئے۔ نواب حیدر علی کے اس حملے کے متعلق سر آلفرڈ لائل بسنکایر۔ ڈی۔ لافوسی وغیرہ متفق اللفظ ہیں کہ ایک طوفان برق و باد تھا۔ جو میسور سے اٹھا۔ اور ملک کرناٹک پر چھا گیا۔ نواب کے زیر کمان تقریباً اسّی ہزار کی فوج تھی۔

حقیقت میں نواب حیدر علی کا یہ حملہ اس قدر مہیب اور زبردست تھا کہ ملک کرناٹک نے اس سے پہلے اس قدر فوجوں کی کثرت اور خونریزی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ نواب حیدر علی اپنی فوجوں کو مختلف سپہ سالاروں اور شاہزادہ ٹیپو سلطان و کریم صاحب کی زیرِ کمان دیکر خود بھی ایک دستہ فوج کے ساتھ جولائی ۱۷۸۰ء میں پائین گھاٹ علاقۂ والا جاہ محمد علی کیطرف پیش قدمی کی۔ اور محمد علی کی فوجوں سے جنگ شروع ہو گئی۔

شہزادہ ٹیپو سلطان کی فوجوں نے پائیں گھاٹ سے نکلکر آرنی کا محاصرہ کر لیا۔ اسکے بعد بخشی بدر الزماں کو اسی محاصرہ پر مامور فرما کر ٹیپو سلطان ثمری کی طرف بڑھے۔

حملات حیدری کا مصنف لکھتا ہے:-

"والا جاہ محمد علی کے قلعہ دار حسین علی خاں نے شہزادہ کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ کہ میں قلعہ کی حفاظت کیلئے تیار ہوں۔ مگر اس جگہ کثرت سے اہلِ سادات آباد ہیں۔ اور خواتین سادات آپ کی گولہ باری سے خوفزدہ ہو رہی ہیں۔ اس لئے گولہ باری موقوف کر کے آپ قلعہ پر قبضہ کر لیں۔ ٹیپو سلطان نے ہنسکر قلعہ کی کنجیاں لے لیں۔ اور قلعہ کا انتظام سیدی امام کے سپرد کر دیا۔"

فتح آرنی کے بعد ترو تور، کلوہ اور کاویری پٹن معمولی لڑائیوں کے بعد فتح ہو گئے۔

شاہزادہ کریم صاحب نے بندرگاہِ محمود بندر پر چڑھائی کر کے اس کا محاصرہ کر لیا اور چند دن کی جنگ کے بعد محمود بندر پر حیدری افواج کا قبضہ ہو گیا۔

نواب حیدر علی چنگما گھاٹ سے نکلکر ارکاٹ پر قابض ہو گئے۔ راستہ میں جو چھوٹے چھوٹے قلعہ تھے۔ حیدری افواج کے سیلاب کے آگے خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔ اور نواب کی فوج۔ ار اگست ۱۷۸۰ء میں کنجی ورم کے نواح میں تھی۔ اور فوج کے ہراولی دستے مدراس کے بالکل قریب پہونچ گئے تھے۔

مورخ سنکلیر لکھتا ہے:۔

"حیدری فوجوں کی لوٹ مار اور آتش افروزی سے دھویں کے بادل جس میں آگ کے شعلے اور چنگاریاں ملی ہوئی تھیں۔ مدراس سے صاف نظر آ رہے تھے۔"

جنگِ پولی پور ۱۷۸۱ء

حیدری فوج کنجی کوٹہ پر قابض ہو گئی۔ اور خود نواب حیدر علی نے محمد علی والا جاہ پر ضرب لگانے کیلئے ارکاٹ کا محاصرہ کر لیا۔ انگریزوں نے ارکاٹ کو بچانے کیلئے مدراس سے جنرل سر ہکٹر منرو کو (جس نے جنگ بکسر بنگالہ

بین ۱۷۶۳ء میں ناموری پیدا کی تھی) اور علاقہ نظام سے کرنل بیلی کو جو گنٹور کی طرف جا رہا تھا۔ روانہ کیا۔ اور حکم دیا کہ دونوں فوجیں متفق ہو کر حیدر علی پر حملہ آور ہوں۔ نواب حیدر علی کو جس وقت یہ خبر ملی تو ارکاٹ میں ایک دستہ فوج کو چھوڑ کر مقابلہ کے لئے مقام کینچی پر آ گئے اور ٹیپو سلطان کو پولی پور کی طرف بڑھایا۔ کہ انگریزوں کی دونوں فوجوں کو ملنے نہ دیں۔ سر ہکٹر منرو کی فوج بھی پولی پور سے دو میل آگے ندی کے کنارے کیمپ کی ہوئی تھی۔ جس وقت کرنل بیلی پولی پور پہونچا تو لڑائی شروع ہو گئی۔ نواب حیدر علی نے دوسری طرف سے ایک دستہ فوج لیکر کرنل بیلی پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اس قدر سخت تھا۔ کہ کرنل بیلی ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ اب حیدری توپ خانہ باغ پر گولے برسانے لگا۔ اور ایک گولہ کرنل بیلی کی میگزین پر ایسا پڑا کہ تمام باروت جل اٹھی۔ اور تمام باغ دہویں سے بھر گیا۔ حیدر علی نے اپنے سواروں کو لڑائی کا حکم دیا۔ انگریزی فوج کٹ کٹ کر گرنے لگی اور کرنل بیلی اسیر ہو گیا۔ باقی ماندہ فوج نے ہتھیار رکھ دیا۔ جس کو اسیر کر لیا گیا۔ نواب حیدر علی کو کامل فتح حاصل ہوئی۔

سر آلفرڈ لائل لکھتا ہے :۔

"ہندوستان میں اس سے بڑھکر مصیبت انگریزوں پر اور کوئی نہیں پڑی۔ جس میں دو ہزار انگریزی سپاہ اسیر ہو گئی۔ ان میں ڈیوڈ بیرڈ بھی تھا۔ جس نے بعد میں محاصرہ سرنگاپٹم ۱۷۹۹ء میں نام پیدا کیا۔"

ملا فیروز اپنی تاریخ جارجنامہ میں لکھتے ہیں :۔

زماہِ نہم روز نہ رفتہ بود ... بہ بیلی زمانہ بر آشفتہ بود
شدہ اخترش گند بر آسماں ... بہ شوریدہ و تند گشتہ جہاں

خود و لشکر از شہر پیرم بکام | سوئے مندر و تیز برداشت گام
فزوں پنج صد بود بر پنج ھزار | ز ہند و یورپ مردم کارزار

میدانِ جنگ میں ٹیپو سلطان کی آمد کا حال اس طرح بیان کیا جاتا ہے :-

بناگاہ ٹیپو بداں جا رسید | سر آتشِ جنگ بالا کشید
ستیزہ بہ پیوست از دو گروہ | چو انگریز بود در میانِ دو کوہ
بگاہ گذر رہ برو تنگ بود | نہ میدانِ آویزش جنگ بود

کرنل بیلی کی اسیری کے متعلق لکھتے ہیں :-

فراواں بہ شمشیر و بارانِ تیر | بکشتند و افتاد بیلی اسیر
شش و سی ز نام آورانِ سپاہ | تبہ گشتہ افتادہ بر خاک راہ
ہماں نیز پنجاہ از مہتراں | پُر از زخم بستہ بہ بندِ گراں
فرومایہ لشکر براں تل خاک | ازاں ہر کہ وارستہ بد از ہلاک
بیفتاد در دست دشمن بہ بند | گر از تیغ بد جستہ گر بے گزند
یکے تن نہ گشتہ رہا از سپاہ | کسے خستہ کس بستہ کس شد تباہ
چنیں است پایان رزم و نبرد | سرے زیر تاج و سرے زیر گرد

بہادر نامے کا مصنف لکھتا ہے :-

ٹیپو سلطان

جہاں جو نے لشکر جو دیکھا کھڑا | تو آ سامنے اسکے باندھا پرا
سوارانِ جنگی و مردانِ کار | ہوئے قایم آ کر یمین و یسار
لگی لڑنے پھر دونوں جانب کی فوج | لگا مارنے خون ہر طرف موج
ہوا اس گھڑی اس قدر کشت و خوں | کہ حیرت میں تھا چرخ فیروزہ گوں

عدو اس قدر واں پہ کشتے ہوئے　　کہ میدانمیں کشتوں کے پشتے ہوئے

ہوا موت کا واں پہ بازار گرم　　دلونمیں رحم اور نہ آنکھونمیں شرم

برستی تھی یوں گولیاں اس گھڑی

کہ بھادوں کی جس طرح برسے جھڑی"

رسالہ ملٹری بیاگرافی مطبوعہ لنڈن میں تحریر ہے۔ کہ "اس جنگ میں ساڑھے چار ہزار فرنگی سپاہی مقتول ہوئے۔ کرنل فلیچر بھی اسی جنگ میں مارا گیا۔ کرنل بیلی اور کپتان بیرڈ باقی ماندہ فوج کے ساتھ اسیر ہو گئے"۔

جسوقت کرنل بیلی کی شکست کی خبر سر ہکٹر منرو کو ملی تو یہ اپنی بڑی بڑی توپوں کو دریا میں پھینک کر مدراس فرار ہو گیا۔

تسخیر ویلور وارکاٹ ۱۷۸۱ء

حیدر علی نے کرنل بیلی اور اسکی فوج کو سرنگاپٹم روانہ کر کے ویلور پر قبضہ کرتے ہوئے پھر ارکاٹ کا محاصرہ کر لیا۔ چونکہ قلعۂ ارکاٹ کی فصیل بہت اونچی تھی۔ اس لئے نواب حیدر علی نے مٹی کے بڑے بڑے دمدمے بنا کر ان پر توپیں چڑھا دیں۔ اور قلعہ پر گولہ باری ہونے لگی۔ قلعہ کی والاجاہی اور انگریزی افواج بھی نہایت مستعدی سے مدافعت کرتی رہیں۔ اور حیدری فوجوں کو فصیل تک پہنچنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ تین مہینے کا محاصرہ اور متواتر گولہ باری سے فصیل قلعہ میں رخنے پڑ گئے۔ جس پر حیدری سواروں نے ایک زبردست حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں نواب حافظ علیخاں (دامادِ نواب حیدر علی خاں) شہید ہو گئے۔ مگر حیدری سپاہ نے حصار قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اور دست بدست جنگ شروع ہو گئی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں والاجاہی اور انگریزی فوجیں مغلوب ہو گئیں۔ اور والاجاہ محمد علی کے تمام

سردار اسیر ہو گئے۔ ارکاٹ پر نواب حیدر علی کا قبضہ ہو گیا۔

والاجاہ محمد علی کے سرداروں میں سے سید حمید کمیدان۔ راجہ بیربر اور میر صادق نے نواب حیدر علی کی ملازمت اختیار کرلی۔ سید حمید کو چار ہزار سپاہ کی سرداری پر مقرر کیا گیا۔ راجہ بیربر کو ارکاٹ کی گورنری دیگئی۔ اور میر صادق افسر محاصل مقرر ہوا۔

فتح بدنور کے بعد نواب حیدر علی خاں نے ارکاٹ میں ایک جشن شاہانہ اور دربار منعقد کیا۔ جس میں روضۂ ٹیپو مستان کے متولی نے نذر گذرانی اور نواب نے ایک سو ایک ۱۰۱ اشرفی اور شامیانۂ زربفت مع چوبہائے طلائی درگاہ کو روانہ فرمایا۔

۱۷۶۸ء میں نواب والاجاہ محمد علی موضع کولار کو جو حیدر علی کا مولد تھا۔ قبضہ کر کے سمجھ بیٹھا تھا کہ حیدر علی مطیع ہو جائیں گے۔ مگر خدا کی شان کہ اس کے صرف بارہ سال بعد حیدر علی نے ارکاٹ پر جو محمد علی کا دارالامارۃ تھا۔ قبضہ کر کے دربار شاہانہ منایا اور محمد علی ایک مفرور کی حیثیت میں انگریزوں کے سہارے مدراس میں ایک پناہ گزین کی زندگی بسر کرتا رہا۔ اس دربار میں نواب حیدر علی نے فرمایا:۔

"والاجاہ محمد علی کی وطن دشمنی اور ہر وقت کی غداری سے اس قدر تنگ آگیا ہوں کہ اس دفعہ میں کرناٹک کے باشندوں کے حق میں غضب الٰہی کا آلہ بنکر آیا ہوں"۔

(نشان حیدری)

میدان جنگ حقیقت میں نمونۂ محشر تھا۔ دشمنوں کے ساتھ جو لوگ میل جول رکھتے تھے۔ یا جو لوگ دشمنوں کو علانیہ یا خفیہ تائید پہونچاتے تھے۔ ان سے نہایت سختی کے ساتھ انتقام لیا گیا۔ بلکہ اس جرم میں کئی ایک مواضعات تباہ کر دئے گئے۔ ہزارہا عورت اور مرد اسیر ہوے۔ مگر جب کامل طور پر قبضہ ہو گیا تو نواب حیدر علی نے جو سلوک وہاں کی

رعایا سے کیا۔ اس کے متعلق مسٹر ڈبلیو ٹارنس ممبر پارلیمنٹ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۳۸ پر لکھتا ہے :۔

"ایک مہیب و خونریز حملہ کے بعد ارکاٹ پر ۳۱ر نومبر کو حیدر علی کا قبضہ ہو گیا۔ قبضہ کے بعد رعایا سے نہایت انسانیت کا سلوک کیا گیا۔ لوٹ اور قتل و غارت قطعی طور پر روک دئے گئے۔ ہر شخص کو عام اجازت تھی کہ امن و آسائش کے ساتھ اپنا کاروبار جاری رکھے۔ بلکہ ان ملازموں کو جو والا جاہ محمد علی کے تھے۔ ان کے سابقہ عہدوں پر بحال رکھا گیا۔ جو انگریز قیدی حیدر علی کے قبضہ میں آئے۔ انہیں حیدر علی کی جانب سے روپیہ دیا گیا کہ اپنی ضروریات مہیا کر لیں"۔

حیدر علی کی یہ جنگ جس قدر ہیبت ناک تھی۔ اسکے متعلق ایمپائر اِن ایشیا کا مصنف لکھتا ہے :۔

"انگریزوں نے جب ماہی پر قبضہ کر لیا۔ تو حیدر علی کے غصہ کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ وہ کرناٹک پر ایک طوفان بلا بنکر چھا گیا۔ شہر و دیہات اور گاؤں پر نہ صرف قبضہ کیا گیا۔ بلکہ انہیں تباہ کر دیا گیا۔ وہ لوگ (یعنے انگریز) جو محمد علی کی نیابت کرتے ہوئے حکمرانی کر رہے تھے۔ رعایا کی حفاظت کرنے کے بجائے ان کو اپنی قسمتوں پر چھوڑ کر چلا گئے۔ عذر یہ تھا کہ فوج مدافعت کے قابل نہیں رہی۔

مدراس پہونچکر انگلستان کو خطوط لکھے گئے۔ جس میں حیدر علی کے ظلم و ستم کی داستانیں بیان کی گئیں۔ اور اشتعال دلایا گیا کہ حیدر علی سے انتقام لینا ضروری ہے۔ اس لیے کہ ملکی لوگ حیدر علی سے متنفر ہیں۔ لیکن وہ ایک ثبوت بھی اس کا دے نہیں سکے۔ بلکہ اسکے عوض کرناٹک کے لوگ حیدر علی کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے۔ اس کی مثال

کرنل کاہبی کے واقعہ سے ملتی ہے :-

" کرنل کاہبی اپنے ایک خط میں اقرار کرتا ہے کہ لوگ اس کی ذرا ذرا سی نقل و حرکت کی اطلاع حیدر علی کے کیمپ میں پہنچا دیتے ہیں "

ایک اور دوسری مثال اس سے زیادہ واضح ہے :-

" کرنل بیلی جب پولی پور میں حیدری فوج میں گھر گیا. تو جنرل منرو اسکی تائید کو پہنچنا چاہا. لیکن اس کو راستہ معلوم نہیں تھا. مقامی لوگوں میں سے چند اشخاص کو پکڑ کر راستہ دکھانے کیلئے کہا گیا. انکے گلے میں طوق پہنائے گئے. ان سے کہا گیا کہ اگر وہ سیدھا راستہ دکھائیں. اور مقام مقصود تک پہونچا دیں تو انہیں انعام دیا جائیگا. ورنہ مار دئے جائیں گے. یہ لوگ بادل ناخواستہ چلے. اور دن بھر کے سفر کے بعد انگریزی فوج کو ایک ایسی جگہ لے گئے. جہاں ایک تالاب تھا. اور آگے جانے کا راستہ مسدود. اس لئے منرو بروقت بیلی کی تائید کو نہ پہونچ سکا"

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ کرناٹک کے لوگ بھی جو انگریزوں کے محکوم تھے حیدر علی سے حد درجہ محبت رکھتے تھے.

انگریزوں کی جانب سے صلح کی درخواست

نواب حیدر علی ارکاٹ میں مقیم تھے. مدراس سے انگریزوں کا ایک وفد صلح کی درخواست لیکر آیا. دورانِ گفتگو میں نواب نے کہا :-

" مجھے گمان تھا کہ انگریزی قوم میں سچائی اور وفائی ہے. مگر آزمایش سے اب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ وہ ان صفات سے معرّا ہے"

نواب نے اس سفارت کو بے نیل ومرام واپس کر دیا.

فتحِ چندرگیری و چتور ۱۷۸۱ء

ارکاٹ کے جشنِ شاہانہ سے فارغ ہوکر نواب حیدرعلی خاں نے میر معین الدین خاں کو چتور روانہ کیا۔ میر علی رضا خان مضافات ارکاٹ پر قبضہ کرنے کیلئے اور شاہزادہ ٹیپو سلطان جنوبی قلعوں کی تسخیر پر روانہ ہوئے۔

میر معین الدین بخشی چتور فتح کر کے چندرگیری کی طرف بڑھا۔ جہاں نواب نصیرالدولہ عبدالوہاب خاں عرف محفوظ خاں برادر نواب والا جاہ محمد علی مقیم تھا۔ میر معین الدین بخشی نے عبدالوہاب خاں کو اطاعت کیلئے لکھدیا۔ اور ابھی اس کا جواب آیا نہیں تھا کہ ایک واقعہ پیش آگیا۔ یعنے سوارانِ حیدرعلی قلعہ کی ایک جانب گھانس، لکڑی جمع کرنے کیلئے دامن کوہ میں پھر رہے تھے۔ کہ قلعہ دار نے جاسوس سمجھ کر ان پر فائر کا حکم دیدیا۔ جب یہ خبر معین الدین کو پہونچی۔ تو اس نے فوراً قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ اور شہر پر گولہ باری ہونے لگی۔ اور اتفاق سے دو گولے عبدالوہاب خاں کے حرم سرا میں گرے۔ مورخ نشانِ حیدری و حملات حیدری لکھتے ہیں کہ عبدالوہاب خاں کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑگئے۔ اور وہ بے ہوش ہوگیا۔ اور ادھر تمام عورتیں گھبراگئیں۔ بیگم عبدالوہاب خان نے میر معین الدین کو اطلاع دی کہ قلعہ پر قبضہ کرنا مقصود ہو تو قلعہ حاضر ہے۔ گولہ باری موقوف کی جائے۔

گولہ باری موقوف ہوئی۔ اور بیگم اپنے شوہر کو پالکی میں ڈالکر مع خواص و خدام میر معین الدین کے کیمپ میں آگئی۔ میر معین الدین قلعہ پر قبضہ کرتے ہوئے اسیرانِ جنگ کو نواب حیدرعلی کے پاس لے آیا۔ جہاں سے انہیں سرنگاپٹم روانہ کردیا گیا۔

شہزادہ ٹیپو سلطان قلعۂ ماہی منڈل اور کیلاس گڈھ فتح کرتے ہوئے ستیا منگلم

کیطرف بڑھے۔ جہاں کا قلعہ نہایت مضبوط اور اسکی حفاظت کیلئے ایک زبردست فوج تھی۔ مگر حیدری سپاہ کی شانِ سپہگری اور فتوحات دیکھکر بغیر کسی لڑائی کے قلعہ ٹیپو سلطان کے حوالے کر دیا گیا۔ یہاں سے ٹیپو سلطان آمبور کی طرف بڑھے۔ جہاں انگریزی فوج اور والا جاہی فوج مقیم تھی۔ پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد آمبور فتح ہو گیا۔

دوسری طرف حیدری افواج نے اپنے مختلف سپہ سالاروں کے ماتحت کوہ موکل۔ کشن گڈھ، جنیہ گڈھ، ترناملے۔ علی آباد، کرناٹک گڈھ فتح کر لیئے۔

فتح آمبور کے بعد ٹیپو سلطان نے کوہ رادت اور نیلور پر قبضہ کر کے نیاک گڈھ پر حملہ آور ہوئے۔ جہاں انگریزی سپاہ متعین تھی۔ چند دن کی لڑائی کے بعد یہ قلعہ بھی فتح ہو گیا۔ اور قلعہ داروں کو اماں دیگئی۔ مگر قلعہ والوں نے ٹیپو سلطان کے کیمپ میں آکر غداری کی۔ جس پر انہیں قتل کر دیا گیا۔ اور انگریز اسیروں کو سرنگا پٹم بھیجدیا گیا۔

نواب حیدر علی خود بھی اپنی فوج لیکر اطراف واکناف میں قتل و غارت کرتے ہوئے ۱ اگست کو نواح مدراس میں پہنچے۔ انگریز خوفزدہ ہو کر قلعہ اور جہازوں میں پناہ گزین ہو گئے۔

نواب حیدر علی خان کے فتوحات کا دائرہ اسقدر وسیع ہو گیا تھا کہ تمام ملک کرناٹک سوائے چند ساحلی مقامات کے حیدری فوجوں کے قبضہ میں تھا۔ وارن ہیسٹنگس کو جب یہ خبر ملی کہ پورا مدراس کا علاقہ انگریزوں کے ہاتھ سے چلا گیا ہے۔ تو اس نے جنرل سرائر کوٹ کو جس نے بنگال میں بہت ناموری پیدا کی تھی۔ بحری راستہ سے مدراس بھیجا۔

جنرل سرائر کوٹ اور والا جاہ محمد علی کی گفتگو

جس وقت انگریزی جنرل سرائر کوٹ مدراس پہنچا تو والا جاہ محمد علی اپنا قصر امارۃ ترملکھڑی چھوڑ کر متیال پیٹ میں بالکل پریشانی کی حالت میں دن بسر

کر رہا تھا۔ سر آئر کوٹ نے محمد علی سے اسکی فوجوں کے متعلق دریافت کیا۔ جس پر والاجاہ نے جواب دیا کہ :-

"میں نے انگریزی فوج کی حمایت کی توقع پر اپنی سپاہ کو موقوف کردیا تھا۔ اور جو باقی تھی۔ وہ اب حیدر علی کے قبضہ میں ہے۔"

کہا جاتا ہے کہ سر آئر کوٹ کو اس جواب پر ہنسی آگئی اور اس نے کہا :-

"بغیر فوج کے بادشاہت کرنا اور کاسہ گدائی لیکر بھیک مانگنا دونوں برابر ہیں۔"

نواب محمد علی والاجاہ نے دو لاکھ ہون (چھ لاکھ روپیہ) جنرل کے سامنے پیش کئے۔ اور کہا کہ اب سوائے دو ہزار پیادے اور پانچ سو سوار کے اور کچھ فوج نہیں ہے۔

جنرل سر آئر کوٹ نے اپنی سپاہ کے ساتھ نئی فوج بھی بھرتی کی۔ اور مدراس سے نکلکر کڑک بالا اور آجراوا کم ہوتا ہوا کوہ مور کے دامن میں کیمپ قائم کیا۔ کہ محمود بندر پر چڑھائی کرے۔

ٹیپو سلطان نے اس عرصہ میں نطھر نگر (ترچناپلی) اور تنجاور پر حملہ کرکے تمام ملک کو لوٹ لیا۔ اور اسی نواح میں انکی فوجوں کا میجر ہال کی متعینہ فوج سے مقابلہ ہوگیا۔ چند دن کی لڑائی کے بعد میجر ہال کی فوج ہتھیار ڈالکر اسیر ہوگئی۔ جہاں سے انہیں سرنگا پٹم بھیجدیا گیا۔

حیدری فوج کی شکست ۱۷۸۱ء

جنرل سر آئر کوٹ کوہ مور سے نکلکر وانڈی واش پہنچا۔ جہاں کپتان فلنٹ محصور تھا۔ انگریزوں کی اس نئی فوج کے آتے ہی حیدری فوج محاصرہ اٹھا کر وانڈی واش ہوتے ہوئے محمود بندر چلی گئی۔

جنرل کوٹ نے وانڈی واش پر قبضہ کرکے محمود بندر پر چڑھائی کی۔ اس خبر کے سنتے ہی نواب حیدر علی خان اور ٹیپو سلطان محمود بندر پہونچ گئے۔ یہاں انگریزی اور حیدری افواج

ہیں ایک خونریز جنگ ہوئی. دورانِ جنگ میں سرائر کوٹ کو معلوم ہوا کہ نواب حیدر علی میدانِ جنگ میں موجود ہیں. تو اس نے انگریزی جہازوں کو اس مقام پر گولہ باری کرنیکا حکم دیا. جس کی وجہ سے نواب دوسری جگہ ہٹ گئے. اور انکے ہٹتے ہی انگریزی فوجوں نے حصار قلعہ پر قبضہ کر لیا. عین لڑائی میں میر علی رضا خاں پر ایک گولہ گرا. جس سے وہ شہید ہوگئے (میر علی رضا خان کی لاش دفن کے لئے گرم کنڈا روانہ کردی گئی.) یہ پہلا وقت تھا کہ انگریزی جہازوں نے بھی جنگ میں حصہ لیا. اور چونکہ حیدری فوج اسکا جواب دے نہیں سکتی تھی. اس لئے انکا بہت سخت نقصان ہوا. نواب حیدر علی اپنی فوجوں کو یہاں سے نکال کر تنڈی وانم چلے گئے. اور محمود بندر انگریزوں کے قبضہ میں آگیا.

اب میدان جنگ کی یہ حالت تھی. کہ انگریز اپنی فتح پر مسرور تھے. مگر انہیں اس قدر جرأت نہیں تھی کہ جہازوں کی پناہ چھوڑ کر اندرونِ ملک بڑھیں. اس لئے وہ بنگال سے آنے والی مدد کا انتظار کرنے لگے. بنگالہ سے کرنل گال اور اسٹورٹ کے ماتحت پانچہزار کی فوج اور گولہ بارود کی ۲۵ کشتیاں آگئیں. اس نئی فوج کے آنے پر کرنل کوٹ اندرونِ ملک قسمت آزمائی کرنے کیلئے نکلا. اور اس وقت اس کے ہمراہ نواب والاجاہ محمد علی کا فرزند سیف الملوک بھی تھا. جنرل کوٹ نے پولی پور میں اسی جگہ قیام کیا. جہاں کرنل بیلی مقیم ہوا تھا. تیسرے دن حیدر علی بھی اپنی فوجیں لیکر آگئے. اور میدان کارزار گرم ہوگیا.

اس جنگ میں کرنل اسٹورٹ اور سیف الملوک زخمی ہوگئے. شام تک لڑائی ہوتی رہی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا. انگریزوں کو اپنی تازہ دم فوج کی وجہ سے توقع تھی کہ حیدر علی کو شکست ہوگی. مگر نتیجہ انکے حسب خواہش نہیں نکلا. دوسرے دن شہزادہ ٹیپو سلطان نے پیچھے سے انگریزی فوجوں پر حملہ کیا. جس کی وجہ سے انگریزی افواج پولی پور چھوڑ کر شولنگر کی طرف

بڑھیں۔ راستہ میں حیدری افواج سے چھوٹے چھوٹے مقابلے ہوئے۔ جس میں کبھی حیدر علی غالب آتے۔ اور کبھی انگریز۔ جنرل کوٹ ۱۷۸۱ء میں شولنگر پہنچا۔ جہاں حیدری فوج کے ایک دستے کو سخت شکست دیکر شولنگر پر قابض ہوگیا۔ اسکے بعد اس کی فوجیں آرنی کی طرف بڑھیں۔ اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ سیدی امام قلعہ دار نے سختی سے مدافعت کی۔ مگر انگریزی فوجوں نے رات کے وقت شبخون مار کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ جس وقت نواب حیدر علی کو سقوط شولنگر اور آرنی کی خبریں پہنچیں۔ تو ایک زبردست فوج سے وہ آرنی پر بڑھے۔ مگر اس سے پیشتر جنرل کوٹ محاصرہ کے خوف سے قلعہ خالی کر کے مدراس کی طرف واپس ہوگیا تھا۔ کیونکہ ٹیپو سلطان نے راستے میں انگریزی سامان رسد جو مدراس سے آرہا تھا۔ لوٹ لیا تھا۔ مدراس پہنچکر جنرل کوٹ کا انتقال ہوگیا۔ اور جنرل اسٹورٹ سپہ سالار بنا دیا گیا۔

مدراس گورنمنٹ میں ردوبدل ۱۷۸۱ء

اس عرصہ میں انگلستان سے نیا گورنر لارڈ میکارٹنی مدراس آگیا۔ اور چونکہ یوروپ میں انگریزوں اور ڈچ والوں میں جنگ چھڑ گئی تھی۔ اس لئے اس نے آتے ہی انگریزی افواج کو ڈچ علاقہ ناگ پٹم پر قبضہ کرنے کا حکم دیدیا۔ کرنل بریٹ وائیٹ کے ماتحت ایک زبردست فوج بھیجی گئی۔ جس نے ناگ پٹم پر قبضہ کر کے تلچری پر چڑھائی کی۔ مگر ٹیپو سلطان کی فوجوں نے کاویری ندی کے قریب اس کو گھیر لیا۔ چند دن کی لڑائی کے بعد انگریزی فوجوں کو کامل شکست ہوئی۔ انگریزی فوج قریب قریب کل کٹ گئی۔ اور باقی رہی سہی اسیر ہوگئی۔ کرنل بریٹ وائیٹ بھی مقید ہوگیا۔

فرانسیسی جہاز حیدر علی کی کمک پر ۱۷۸۲ء

ہندوستان میں فرانسیسی حیدر علی کی حمایت میں تھے۔ اور موجودہ جنگ کی ابتدا بھی انہیں

کو انگریزوں سے بچانے کیلئے ہوئی تھی۔ اسکے علاوہ حیدر علی کی ملازمت میں موسیو آلن کے علاوہ موسیو ڈی لالی بھی تھے۔ جنہوں نے فرانس کو یہاں کے حالات سے خبردار کر دیا تھا۔ فرانسیسی گورنمنٹ نے اپنے مقبوضات بچانے اور حیدر علی کی امداد کے خیال سے ایک جنگی جہازوں کا بیڑا بھیجدیا جو امیر البحر سفرن کے ماتحت تھا۔

یہ بیڑا جس وقت خلیج بنگالہ میں آیا۔ تو اس کے اور انگریزی بیڑے کے درمیان جو امیر البحر ہیوجز کے ماتحت تھا۔ جنگ چھڑ گئی۔ اور فرانسیسی متواتر غالب آئے۔ انگریزوں کا مدعا یہ تھا کہ فرانسیسی اپنے سپاہی ساحل پر اتارنے نہ پائیں۔ مگر فرانسیسیوں نے محمود بندر پر اپنی فوج اتار دی۔

اب سمندر میں فرانسیسی جہازات کے آجانے سے حیدر علی کی ہمت اور بڑھ گئی اس سے پہلے انگریز ساحلی مقامات چھوڑ کر آگے نہ بڑھتے تھے۔ ادھر حیدر علی کو محمود بندر کی لڑائی نے سبق دیدیا تھا۔ فرانسیسی سپاہ نے محمود بندر پر اتر کر چدم برم اور پرما کوئل پر قبضہ کر لیا۔ اس پر انگریزوں نے ایک زبردست فوج کڈلور پر اتار دی۔ جو جنرل اسٹورٹ کے ماتحت تھی۔ نواب حیدر علی بھی اپنی فوجوں کے ساتھ کڈلور کی طرف بڑھے۔ سوقت سمندر میں فرانسیسی جہازات انکی کمک کیلئے موجود تھے۔ یہاں ایک سخت جنگ ہوئی۔ جس میں انگریزی فوجوں کو کامل شکست ہوئی۔ حیدری افواج خشکی پر سے حملہ کر رہی تھیں۔ اور فرانسیسی جہازوں پر سے گولے برسا رہے تھے۔ اس فتح کے بعد نواب حیدر علی نے اپنی فوجوں کو وانڈی واش اور پانڈیچری پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اور خود آرنی کی طرف بڑھے۔ آرنی کا قلعہ فتح ہو گیا۔ اس کے بعد نواب بیمار ہو کر ارکاٹ میں مقیم ہو گئے۔

میدان جنگ کی حالت

سمندر میں انگریزی اور فرانسیسی بیڑے ایک دوسرے

کے ساتھ آمادہ پیکار تھے ۔ اور اِدھر اُدھر حملے کرتے ہوئے پھر رہے تھے ۔ ایک وقت فرانسیسی بیڑے نے مدراس پہونچکر گولہ باری بھی کی۔ لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا ۔ اس کے بعد انگریزی فوجیں کڈلور سے واپس آکر مدراس میں جہازوں کی پناہ میں مقیم ہوگئیں ۔ اور ساحل چھوڑ کر کھلے میدان میں حیدری افواج کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھیں۔ اس کی خبر جب وارن ہیسٹنگس گورنر جنرل کو معلوم ہوی تو اس نے ایک زبردست فوج جنرل پیرس کے ماتحت اوڑیسہ و شمالی سرکار کے راستہ سے روانہ کی ۔ وارن ہیسٹنگس کی حکمت عملی نے چھوٹے ناگپور کے راجہ کو جس کے علاقہ میں اڑیسہ تھا ۔ اپنی جانب ملا لیا تھا اور راجہ کو راستہ دینے کیلئے ۱۶ سولہ لاکھ روپیہ کی رقم دیگئی ۔ یہ راجہ نانا فرنویس کا طرفدار تھا ۔ جو اس وقت پونا میں انگریزوں سے برسر جنگ تھا مگر اس کے دربار میں کچھ ایسی سازشیں ہوئیں کہ یہ نانا فرنویس کا ساتھ چھوڑ کر انگریزوں سے مل گیا ۔ بلکہ روپیہ لیکر انکی فوجوں کے گذرنے کیلئے راستہ بھی دیدیا ۔ تمام انگریزی مورخین وارن ہیسٹنگس کی حکمت عملی کی تعریف کرتے ہیں ۔ کہ اس نے راجہ کو اپنی طرف ملا کر ہندوستان کو مرہٹوں سے بچا لیا ۔ اور جنوب میں بھی حیدر علی کے مقابلہ میں فوج بھیجنے کے قابل ہوا ۔

حیدر علی کی وفات ۱۷۸۲ء

جس وقت نواب حیدر علی ارکاٹ کے قریب نرسنگ رائن پیٹ میں مقیم تھے ۔ تو انکے مرض نے اور زور پکڑا ۔ نواب حیدر علی کو سرطان کا مرض تھا ۔ پیٹھ کے پھوڑے نے تمام پیٹھ کو چھلنی کردیا تھا جراح و حکیم علاج سے عاجز آچکے تھے ۔ مشیروں نے عرض کیا کہ آپ مہمات سے کنارہ کش ہوکر آرام فرمائیں ۔ اور شہزادہ ٹیپو سلطان کو طلب کرکے انتظام سپرد کردیں ۔ نواب حیدر علی نے شہزادہ کے نام رقعہ لکھا ۔ جو اس وقت ملیبار میں لڑائی میں مصروف تھا ۔ کرناٹک میں نواب کی مصروفیت کو دیکھکر باشندگان کورگ اور ملیبار نے بغاوت کردی تھی ۔ نواب نے میر مخدوم علی کو

کورگ پر روانہ کردیا گیا۔ جنہوں نے جاتے ہی بغاوت فرو کردی۔ مگر خود بھی ایک ہنگامہ میں شہید ہو گئے۔ ٹیپو سلطان نے ملیبار میں نائروں کی بغاوت کو کامل طور پر دبا دیا۔ شہزادہ کو رقعے لکھنے کے بعد دوسری صبح ۶، دسمبر ۱۷۸۲ء میں نواب نے کل فوج کو ایک ماہ کی تنخواہ بطور انعام دینے کا حکم دیا۔ اور فوج کے ساتھ محتاجوں کو بھی زر نقد اور کھانا تقسیم کیا گیا

نواب حیدر علی خان کی آخری گھڑیاں

قریب شام کے نواب نے تاریخ دریافت فرمائی معلوم ہوا کہ محرم کی چاندرات ہے۔ تو آپ نے غسل کرانے کا حکم دیا۔ غسل کے بعد دوسرا لباس پہن کر کلمۂ اور درودِ شریف پڑھکر منہ پر ہاتھ پھیرا۔ پھر اسی وقت چند سردارانِ فوج کو طلب کر کے دس ہزار فوج شمالی ارکاٹ پر اور پانچہزار فوج نواح ارکاٹ پر حملہ کرنے کیلئے روانہ فرمائی۔ اور اس کے چند ساعت بعد اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کردی

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

یہ وہ شب تھی کہ ۱۱۹۵ھ رخصت اور ۱۱۹۶ھ کا آغاز ہو رہا تھا۔ اور انگریزی تاریخ ۷، دسمبر ۱۷۸۲ء تھی۔

امرائے سلطنت نے سلطان ٹیپو کی آمد تک نواب حیدر علی کی وفات کی خبر کا اظہار خلافِ مصلحت ملکی سمجھ کر مخفی رکھتے ہوئے جنازہ خفیہ طور پر سرنگاپٹم بھیجدیا۔ جہاں گنبد میں دفن کر دیا گیا۔ ایک شاعر نے

تاریخ وفات:۔ "حیدر علی خان بہادر" کہی ہے۔

۱۱۹۵ھ

نواب حیدر علی خان کی وفات کا ہندوستان پر اثر

"نواب حیدر علی خان بہادر" کی بے وقت موت ہندوستان کیلئے ایک ناقابل تلافی نقصان اور صدمۂ جانکاہ تھا۔ جس سے انگریزوں کے اکھڑتے ہوئے قدم پھر جم گئے۔ نواب حیدر علی کے اٹھنے کے ساتھ گویا ہندوستان کا اقبال بھی رخصت ہوا معلوم تو ایسا ہوتا ہے کہ قدرت کو بھی شاید یہی منظور تھا۔ کہ یہ ہندوستان جنت نشان اغیار کی طوق غلامی میں گرفتار ہو جائے۔

"نواب حیدر علی خان بہادر" جس زبردست شخصیت کے مالک تھے۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پونا میں جو مرہٹے نانا فرنویس کے ماتحت انگریزوں سے لڑ رہے تھے۔ اور باوجود فاتح ہونے کے جس وقت "نواب حیدر علی خاں" کی وفات کی خبر پہونچی تو انہوں نے صلحنامۂ سالبی پر جس کو وہ پہلے ٹھکرا چکے تھے۔ اب سر اطاعت خم کر کے دستخط کر دئے۔ نواب حیدر علی خان کی وفات کے وقت انگریزوں کی ہندوستان میں جو حالت تھی وہ مسلمان مورخین سے نہیں بلکہ انگریزی مورخین کی زبانی سنئے۔

مورخ سنکلیر لکھتا ہے:۔

"ہندوستان میں انگریزوں کی حالت اس سے زیادہ خطرے میں کبھی نہیں تھی۔ بنگال پر نگدر کا راجہ حملہ کرنیوالا تھا۔ وسطی ہندوستان میں نانا فرنویس کے ماتحت مرہٹے انگریزوں سے ایک کامیاب جنگ میں مصروف تھے۔ جنوب میں انگریزی فوجیں جہازوں کی پناہ لئے ہوئے ساحل مدراس پر مقیم تھیں معلوم تو یہ ہو رہا تھا کہ انگریز ملک میں کوئی دم کے مہمان ہیں"۔

مورخ ڈی لا تورسی لکھتا ہے:۔

"ہندوستان میں انگریزوں کی حالت انتہائی درجہ کمزور ہو گئی تھی۔ کہ حیدر علی کی وفات نے پھر انہیں سنبھال لیا"۔

اور ایک انگریزی مورخ لکھتا ہے:۔

"حیدر علی کی وفات انگریزوں کی خوش قسمتی کا باب تھی۔ اس کی وفات سے نہ صرف میسوریوں کو بلکہ مرہٹوں کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ نانا فرنویس کو حیدر علی کی فتوحات سے امید ہو چلی تھی کہ انگریز ہندوستان سے رخصت ہونیوالے ہیں۔ مگر اسکی وفات نے نانا فرنویس کو مایوس اور مجبور کر دیا کہ انگریزوں کی شرائط صلح پر دستخط کردے"

ایک اور انگریزی مورخ کی زبانی سنیئے:۔

"قسمت ہندوستان کے خلاف ہو چکی تھی۔ اس لئے حیدر علی کی غیر متوقع وفات نے انگریزوں کے قدم ہندوستان میں جما دئیے"۔

اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ ہندوستان کی قسمت میں انگریزوں کی محکومی کا جوا مقدر ہو چکا تھا۔ حیدر علی کی وفات نے انگریزوں کے اکھڑے ہوئے قدم کو پھر ہندوستان میں جما دیا۔

ہم آگے لکھ چکے ہیں کہ ہندو مورخین کا اعتراف ہے کہ حیدر علی نے نانا فرنویس کی اس تجویز کو جو انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے متعلق تھی انگریزوں پر ظاہر کر کے اپنی فراست و حب الوطنی کا کوئی اچھا ثبوت نہیں دیا۔ وہ اب نانا فرنویس کی عجلت پسندی اور فقدانِ سیاست کو بھی دیکھیں کہ ابھی میسور کی اس جنگ کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ اور حیدر علی کے بہادر فرزند ٹیپو سلطان نے ابھی جنگ جاری رکھی تھی۔ لیکن نانا فرنویس نے انگریزوں سے دبکر صلح کر لی۔ نانا فرنویس ٹیپو سلطان کی شخصیت سے ناواقف نہیں تھا۔ حالیہ جنگ میں بیلی اور بریٹ وائیٹھ کی شکست سے سلطان کی شہرت تمام ہندوستان بلکہ انگلستان تک پہنچ چکی تھی۔ اب یہ امر

لاحاصل ہے کہ ہم نانا فرنویس پر اعتراض کریں۔ یا انگریزوں کی سازشوں کا ماتم ؟ ہندوستان کی قسمت میں انگریزوں کا محکوم بنکر رہنا مقدر تھا۔ حیدر علی کی وفات نے انکے قیام وثبات کی ایک صورت پیدا کردی۔

نواب حیدر علی کی تدفین

تاجدارِ میسور کی وفات کی خبر ملکی وجنگی مصلحتوں کی وجہ سے اسوقت تک مخفی رکھی گئی۔ جب تک ٹیپو سلطان ملیبار سے نہ آگئے۔ سلطان کے آنے کے بعد جنازہ نہایت تزک واحتشام سے سرنگاپٹم بھیجا گیا۔ جہاں لال باغ میں دفن ہوا۔ ٹیپو سلطان نے اس پر ایک عالیشان مقبرہ تعمیر کیا۔ اسوقت کے کسی شاعر نے تاریخ وفات لکھی ہے جو گنبد کی مغربی دیوار پر کندہ ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — اللہ محمدؐ ابوبکرؓ عثمانؓ علیؓ

زہے گنبد کز شکوہِ بنا — فلک زیر دستش بود در علو

تو خواہی مہ و خواہ خورشید خواں — فلک داغ گردید از رشک او

بود شمسہ اش نور چشم فلک — قمر یافتہ ضوء تعلیم ازو

تراوش کناں بحر رحمت ز خاک — گروہے ز کروبیاں گرد او

سحر گہ پئے کسب فیض و شرف — گذشتم ازیں خوابگاہ نکو

چوں ایں مضجع تازہ آمد بچشم — نمودہ چو روحانیاں جست جو

کہ ایں شاہِ آسودہ را چیست نام — چہ تاریخ رحلت نمودست او

یکے زاں میاں گفت تاریخ و نام

کہ۔ حیدر علیخان بہادر۔ بگو

۱۱۹۵

نواب حیدر علی خاں کا حلیہ، مشاغل، عادات و اطوار

حلیہ، لباس و طرزِ گفتگو

نواب حیدر علی پورے گرانڈیل جوان تھے۔ قد چھ فیٹ کا، رنگ گندمی، چہرہ پر رعب، درشتی، چستی و چالاکی کے آثار نمایاں تھے۔ داڑھی، مونچھ اور ابروؤں کا صفایا کرتے تھے۔ لباس ہندوستانی، سفید ململ یا تنزیب کا۔ جس کی آستین چست اور دامن فراخ تھا۔ پہنتے تھے۔ سر پر اونچا عمامہ باندھتے تھے۔ فوجی لباس ایک خاص وضع کا تھا۔ اور تمام فوج میں یہی لباس رائج تھا۔ نواب کا لباس سفید اطلس کا ہوتا تھا۔ جس میں سنہری گل و بوٹے ہوتے تھے۔ پیلے مخمل کے موزے۔ سفید ابریشمی کمر بند، اور سر پر گلناری پگڑی رہتی تھی۔ اکثر بید کی چھڑی ہاتھ میں رہتی تھی۔ جس کے سرے پر جواہرات جڑے ہوئے تھے۔

طرزِ گفتگو

حیدر علی بات چیت نہایت سہولت اور آسانی سے کیا کرتے۔ ہر شخص کی بات پوری سنتے۔ اور اس کا جواب دیتے۔ مذاق کی بھی عادت تھی نواب کی مذاقیہ گفتگو کی شہرت اب تک میسور میں ہر جگہ ہے۔

زبان

حیدر علی کی مادری زبان فارسی تھی۔ اس کے علاوہ جنوبی ہندوستان کی مروجہ زبانوں یعنے "دکھنی اردو، کنڑی، تمل، مرہٹی اور تلنگی" میں بھی گفتگو کرتے تھے۔ جس میں کنڑی کو بوجہ ملک میسور کی مروجہ زبان ہونے کے امتیاز حاصل تھا کہا جاتا ہے کہ فرانسیسی زبان میں بھی کچھ کچھ گفتگو کر لیتے تھے۔

دل ودماغ

نواب حیدر علی کی دماغی قوتیں ایسی زود رس اور قوی تھیں۔ کہ ایک ہی وقت میں بہت سے کام سرانجام دیتے تھے۔ دربار میں کئی کئی منشی ایک ہی وقت میں عرضیاں سناتے۔ نواب سنتے جاتے اور دوسری طرف جواب اور حکم احکام بھی دیتے تھے۔ اور ساتھ ساتھ کھیل تماشے بھی دیکھتے جاتے تھے۔ ذہن اور حافظہ اس قدر تیز کہ بچپن کی باتیں یاد تھیں۔ اور جس کسی کو ایکبار دیکھ لیتے۔ پھر کبھی نہ بھولتے۔ اور اپنے ہر سپاہی کو پہچانتے تھے۔ جنگی و ملکی پیچیدہ مسائل اس قدر آسانی سے حل کر لیتے تھے۔ کہ دیکھنے والے کو گمان ہوتا کہ آپ بغیر سوچے بول رہے ہیں۔ میدانِ جنگ کے مختلف محاذوں پر سپہ سالاروں کو ہدایات جنگ بھیجتے تھے۔ گویا کہ موقع پر حاضر ہیں۔

موسیو مڈلٹ لکھتا ہے :-

"نواب حیدر علی خاں کے عزم بلند کا پلّہ کسی طرح تیمور و نادر سے کم نہیں تھا۔"

ادب شناسی

شہنشاہ اکبر کی طرح نواب حیدر علی بھی امّی تھے۔ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اس لئے تمام فرامین و احکام جب لکھاتے تو دوسرے منشی سے پڑھوا کر اپنی مہر جو انگوٹھی پر کندہ تھی۔ چسپاں کرتے تھے۔ اور جس کاغذ پر دستخط کی ضرورت ہوتی۔ اس پر علاوہ مہر کے دستخط بھی کرتے۔ جو صرف لفظ "ح" تھا۔ اکثر کہا کرتے تھے۔ کہ بعض لوگ مجھ کو امّی کہتے ہیں۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ کیونکہ میرے پیغمبرؐ بھی اُمّی ہی تھے۔ باوجود بے علم ہونے کے اس قدر ادب شناس تھے کہ انکی محفل میں خلافِ ادب گفتگو کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوتی۔ نواب حیدر علی کے فرامین اور خط وکتابت سے پتہ چلتا ہے کہ انکی ادب شناس نظر نے کس قدر بلند پایہ ادیبوں اور میر منشیوں کو اپنے دربار میں جگہ دی تھی۔

ملک داری

فرائض ملک داری پر پورا عبور حاصل تھا۔ رعایا کے آرام و آسائش کا خیال ہمیشہ رکھا کرتے تھے۔ اکثر راتوں کو بھیس بدل کر ملک اور رعایا کے حالات دریافت فرماتے۔ داد خواہوں کو حکم تھا کہ جب عمالان حکومت کے انصاف سے انہیں تسلی نہ ہو تو سر دربار حاضر ہو کر اپنا معروضہ پیش کریں۔ انگریزی مورخین کو اعتراف ہے۔ کہ حیدر علی کی حکومت میں پولس کا انتظام اعلےٰ درجہ کا تھا۔ اور محاصل وصول کرنے کیلئے رعایا پر ظلم نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ ظالم اور رشوت خوار عاملوں کو تازیانہ سے پٹواتے تھے۔ تمام جنوبی ہند میں بہادری کوڑا یعنے بہادر (حیدر علی) کا کوڑا مشہور ہے۔ فوج کی ساخت و پرداخت میں خاص ملکہ تھا۔ سپاہیوں سے غیر معمولی محبت اور انکے آرام و آسائش کا اس قدر خیال رکھتے کہ انکے آرام کے ساتھ اپنا آرام اور ان کی تکلیف کے ساتھ خود بھی تکلیف برداشت کرتے تھے۔ اس لئے تمام فوج ہمیشہ جاں نثاری پر تیار رہتی تھی۔ اگر کوئی سپاہی ذرا بھی بہادری کا کام کرتا تو اس کو انعام دیتے۔ اور اس کے ساتھ ہی سپاہیوں پر فوجی قانون کے مطابق نہایت سخت تاکید بھی رہتی کہ وہ بر وقت اپنے کام پر مستعد رہیں۔ یہی نہیں بلکہ رعایا کے کسی فرد سے بھی بہادری اور وفاداری ظاہر ہوتی تو انعام و اکرام دیا جاتا۔ چنانچہ جس وقت انگریزوں سے پہلی جنگ ہوئی تو انگریزوں نے قلعۂ کاٹ مینا کا محاصرہ کرلیا۔ اور سیڑھیاں لگا کر فصیل قلعہ پر چڑھنے لگے۔ یہاں حیدری فوج بالکل کم تھی۔ اس لئے مدافعت میں رعایا نے بھی حصہ لیا۔ جس میں عورتیں بھی شریک ہوئیں۔ عورتوں نے چڑھنے والے انگریزی سپاہیوں پر فصیل قلعہ سے گرم گرم پانی جس میں گوبر گھولا ہوا تھا۔ ڈالنا شروع کیا۔ اور یہ کام انہوں نے اس مستعدی سے کیا کہ انگریزی سپاہی فصیل پر چڑھنے سے باز آگئے یہ خبر جب نواب تک پہنچی تو ٹیپو سلطان کی معرفت ان سب عورتوں کو طلائی کڑے اور

روپئے بطور انعام بھیجے گئے۔

نواب حیدر علی کو کسانوں پر خاص توجہ تھی۔ ہمیشہ ان کی دلجوئی اور ہمت افزائی کی جاتی۔ لیکن غنیم کے حملوں کے وقت اپنے ملک کے سرسبز قطعات اور لہلہاتی ہوئی کھیتیوں کو برباد کردینے میں انہیں کوئی دریغ نہ ہوتا تھا تاکہ دشمن کو سامان رسد نہ مل سکے۔ سوداگروں کی خوب آؤ بھگت کی جاتی۔ اور باہر سے جو سوداگر ملک میں آتے۔ ان کی خاطر تواضع حد درجہ کی جاتی تھی۔ اور ان کی تمام جنس خرید کر دوبارہ ان کو اپنے ملک میں آنے کی ترغیب دلائی جاتی تھی۔

نواب کو اپنی سوار فوج پر خاص توجہ تھی۔ اور نواب کی لڑائیوں میں اکثر اچانک دھاوے اور شبخون زیادہ ہوتے تھے۔ اس لئے فوج میں ہمیشہ گھوڑوں کی ضرورت رہتی تھی۔ نواب کے حکم سے میسور میں دو جگہ گھوڑے، بیل اور ہاتھیوں کے فارم (چراگاہ) کھلے ہوئے تھے۔ جہاں ان جانوروں کی نسل کشی اور پرورش ہوتی تھی۔ وہی سلسلہ آج بھی ریاست میسور میں قایم ہے اور اس محکمہ کا نام میسور میں محکمہ امرت محل ہے۔ اس میں زیادہ تر گائے اور بیل رکھے جاتے ہیں۔ گھوڑوں کیلئے بھی ایک علیحدہ فارم قایم تھا۔

خوراک

وہ خود مختار بادشاہ جس کے سلطنت کی وسعت اسّی ہزار (۸۰۰۰۰) مربع میل سے زیادہ ہو۔ اور اس وقت کے تمام ہندوستان کے بادشاہوں سے بلحاظ وسعتِ ملک سب سے بڑھکر طاقتور ہو۔ اسکے سفرہ کے متعلق تمام مورخین خاموش ہیں۔ مگر مقامی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ایامِ جشنِ دسہرہ میں ان کا دسترخوان اسقدر وسیع ہوتا تھا کہ شاہانِ دہلی کے دسترخوان پر رشک ہوتا تھا۔ ورنہ معمولی طور پر بالکل سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ چونکہ بچپن سے طبیعت محنتی اور جفاکش تھی۔ اس لئے ہمیشہ غذا

بھی سادہ اور دو وقتہ تھی۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ کئے وقت جو یا راگی کی سوکھی روٹی اور پانی پر گذر ہوتا تھا۔ دوسرے وقتوں میں بھی دسترخوان پر راگی (ایک قسم کا غلہ جو میسور میں بکثرت ہوتا ہے اور عام لوگوں کی غذا ہے) کی روٹی ضرور ہوتی تھی۔

روزانہ مشاغل

نواب حیدر علی ہر صبح قبل طلوعِ آفتاب بیدار ہو کر گذشتہ دن اور رات کے ضروری اخبار سنتے۔ ذمہ دار افسروں کو اجازت تھی کہ جب کوئی بالکل ہی ضروری خبر سنانی ہو تو رات اور دن میں کسی وقت بھی حاضر ہو کر سنائیں قریب آٹھ بجے دیوان خانہ میں تشریف فرما کر خطوط اور عرضیاں سنتے۔ اور انکے جواب لکھاتے اس سے فارغ ہو کر گھوڑے، ہاتھی اور شکاری چیتے وغیرہ ملاحظہ کرتے۔ کہا جاتا ہے کہ نواب بعض خوبصورت چیتوں کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے۔ اور انہیں اپنے ہاتھ سے کھلاتے۔ اور چیتے بھی نواب سے اس قدر مانوس تھے کہ نواب کو دیکھتے ہی بطور کتوں کے خوشی سے کودتے اور دُم ہلاتے۔ ان چیتوں کو نوکر پکڑے ہوئے رہتے۔ اور انکے سروں پر ایک قسم کی ٹوپی ہوتی تھی۔ جو رسّی کے ایک ادنیٰ اشارے سے وقتِ ضرورت آنکھوں کو ڈھانپ لیتی تھی۔ قریب دس بجے ناشتہ کر کے پھر دیوان خانہ میں آتے۔ جہاں باہر کے آئے ہوئے سفیروں کو شرفِ باریابی بخشا جاتا۔ اسکے بعد دربار عام (نواب کا دربار عام ایک زردوزی شامیانے میں ہوتا تھا) میں تشریف لاتے۔ یہاں فریادی بذاتِ خود پیش ہوتے۔ اور مقدمات کا فیصلہ کیا جاتا۔ ماتحت راجگان اور امراء کے وکیل اس دربار میں ضرور شامل رہتے تھے۔ جب عرضیاں اور مقدمات کی سماعت ختم ہو جاتی تو تاجروں کو حضوری میں طلب کیا جاتا۔ اور ان میں بعض کو خصوصیت سے بیٹھنے کا حکم بھی ملتا۔ تاجروں کو پان دیکر رخصت کیا جاتا۔ یہ دربار قریب تین بجے کے ختم ہوتا۔ جس کے بعد محل میں جاکر آرام کرتے۔ اور پھر پانچ بجے باہر

آکر فوج کامعائنہ فرماتے منشیوں کو ہمیشہ ساتھ رہنے کا حکم تھا۔ یہاں بھی احکام صادر کیئے جاتے جس کے بعد ہوا خوری کو جاتے تھے۔

رات کو رقص وسرود کی محفل گرم ہوتی۔ اس میں عود وعنبر کی انگیٹھیاں سلگتیں۔ اور خوب روشنی کی جاتی۔ اِن محفلوں میں امراءِ مصاحب اور امیر زادے بھی شامل ہوا کرتے تھے ان امیرزادوں سے چار امیر زادے کمر بستہ مع شمشیر رہتے تھے۔ گیارہ بجے تک یہ جلسہ رہتا جس کے بعد محل میں تشریف لیجاتے۔

حیدر علی کے مشاغل زندگی میں یہ معمول صرف ان ایّام کا ہے۔ جبکہ وہ سرنگاپٹم میں رہتے تھے۔ ورنہ انکی تمام زندگی جنگ اور سفر میں کٹی۔ سفر میں اکثر ہفتے میں دو دفعہ شیر، چیتے اور ہرن وغیرہ کے شکار کو جاتے۔ اور اس وقت ساتھ صرف نیزہ اور تلوار رکھتے تھے۔

جب حیدر علی کسی بڑی مہم سے فتح پاکر آتے تو جشن منایا جاتا۔ جس میں شعراٗ قصائد پڑھتے اور انعام پاتے تھے۔

عدل و انصاف

حیدر علی کے عدل و انصاف کی روایات بھی اسی قدر مشہور ہیں جس قدر ان کی بہادری ۱۷۶۷ء میں ایک روز حیدر علی کوئمبتور میں ہوا خوری کیلئے نکلے۔ راستے میں ایک بڑھیا نے نواب کو روک کر فریاد کیا کہ اسکی عرضی کی داد نہیں ملی۔ دریافت کرنیسے معلوم ہوا کہ عرضی۔ عرض بیگیوں کے سردار حیدر شاہ کے ہاتھ میں دیگئی تھی۔ اور کیفیت یہ تھی کہ نقیبوں کے سردار آغا محمد نے اسکی لڑکی چھین لی ہے۔ حیدر شاہ سے دریافت کیا گیا تواس نے بڑھیا اور اسکی لڑکی کو طوائفوں سے تبلایا۔ اور اسی لیے پیش نہ کرنیکا حیلہ کیا۔ نواب نے کل واقعہ دریافت کرکے حیدر شاہ کو دو سو کوڑے

لگا کر معزول کر دیا۔ اور آغا محمد کا سر قلم کر دیا گیا۔ کہ آئندہ رعیت کو کوئی نہ ستائے۔ لڑکی بڑھیا کو واپس دلائی گئی۔

نواب حیدر علی کی صولت وسطوت کا یہ حال تھا کہ شریر اور مفسد ان کے نام سے کانپتے تھے۔ نواب نے خاص خاص جرموں کی سزا دینے کیلئے دو سو لنسقچی ملازم رکھے تھے۔ جن کا کام مجرموں کو کوڑے لگانا ہوتا تھا۔ اس طریق سزا دہی میں امیر، غریب، سپاہی، اور افسر سب برابر ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ کسی جرم پر شاہزادہ ٹیپو سلطان کو بھی حیدر علی نے اپنے ہاتھ سے کوڑے لگائے تھے

شاہانِ مغلیہ کا طمطراق سرنگا پٹم میں روما کے تماشے

نواب حیدر علی کے حکم سے آتشبازی کا تماشہ بھینسوں اور بیلوں کی لڑائیاں۔ ہاتھیوں کی باہم ٹکریں۔ پہلوانوں کی کشتیاں ہمیشہ شام محل کے روبرو ہوا کرتیں۔ فوج کے بہادر سپاہی زرہ بکتر پہنکر ریچھوں اور شیروں سے لڑتے۔ اگر سپاہی غالب آجاتے تو انہیں خلعت اور انعام کے علاوہ تنخواہ میں اضافہ ہوتا اگر جانور غالب آنے والا معلوم ہوتا تو فوراً اسکی پیشانی پر گولی ماردی جاتی۔ ایسے وقت نواب ہر وقت بندوق ہاتھ میں لئے رہتے تھے۔ اور گولی وہی مارتے تھے۔

تاریخ ہند بتلاتی ہے کہ شاہان بیجاپور نے بھی ہاتھیوں کی باہم لڑائیاں اپنے یہاں رائج کی تھیں۔ مگر جسوقت یہ خبر شہنشاہِ ہندوستان شاہجہاں کو پہونچی۔ تو اس نے فوراً سفیر کے ذریعہ بازپرس کی۔ کیونکہ یہ کروفر صرف شہنشاہ ہندوستان ہی کیلئے زیبا سمجھا جاتا تھا۔ مگر نواب حیدر علی کے زمانے میں سلطنت دہلی کا چراغ ٹمٹمارہا تھا۔ اور ہندوستان بھر میں حیدر علی کے پایہ کا اور کوئی خود مختار زبردست بادشاہ نہیں تھا۔

اقوال

نواب حیدر علی کے مقولے کثرت سے لوگوں کی زبان پر ہیں۔ مگر ان میں جو زیادہ مشہور اور تاریخی شہرت پا چکے ہیں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ایک بہادر آدمی میدان جنگ میں تن بے سر کا اچھلنا کودنا دیکھکر رقص بسمل کا لطف حاصل کر سکتا ہے۔

(۲) توپ اور بندوق کی آواز آہنگِ سرود سے زیادہ مزہ دیتی ہے۔

(۳) مردوں کی عمدہ نشست گاہ خانۂ زین ہے۔

(۴) لڑائی کے فتح کر لینے میں جو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ وہ کسی جشن سے حاصل نہیں ہو سکتی

(۵) میرا پیغمبر بھی امی اور میں بھی امی۔ یہ خدا کی قدرت کا ایک ادنے نمونہ ہے کہ مجھ ایسے جاہل سے ایسے کارہائے نمایاں ظہور پذیر ہوں۔ جو ہزاروں عالموں سے وقوع میں نہ آئیں

(۶) اگر مجھے مجھ ایسا ایک اور شخص ملجائے تو خدا کی تائید سے ہفت اقلیم فتح کر ڈالوں۔ اور دنیا کو پھر حضرت عمرؓ کی فتوحات کا نقشہ دکھادوں۔

لونڈی بچہ

نواب ہمیشہ جب کسی کو پکارتے تو لونڈی بچہ پکارتے۔ ایک وقت ایک مصاحب نے عرض کی کہ بادشاہوں کی زبان سے اس قسم کے الفاظ نکلنا زیب نہیں دیتا۔ اس پر نواب نے اس مصاحب کو انہیں الفاظ سے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اور تم اور جو کوئی بھی ہے۔ وہ تمام لونڈی بچے ہیں۔ بی بی بچے تو صرف دو ہی ہیں۔ جن کا نام حسنینؓ ہے۔ بی بی تو وہی ایک ہوئیں۔ جن کا نام حضرت فاطمۃ الزہراؓ ہے۔ اور باقی تمام لونڈیاں ہیں۔

شجاعت اور بہادری

نواب حیدر علی یہ جانتے ہی نہیں تھے۔ کہ خوف وہراس کیا چیز ہے مشکل سے مشکل امر میں بھی انہوں نے کبھی

ہمت نہیں ہاری۔ سرنگاپٹم میں جب راجہ کی سازش کی وجہ سے جان پر بن گئی تھی۔ تو تن تنہا دریائے کاویری میں کود کر بنگلور آگئے تھے۔ تریمک راؤ کے مقابلہ میں جب کامل شکست ہوگئی تو سرنگاپٹم فرار ہو کر پھر فوج جمع کر کے مقابلہ کیلئے نکلے۔ میدانِ جنگ میں شجاعت اور بہادری کا یہ حال تھا۔ کہ صفِ دشمن میں گھس جانے سے کبھی خوف نہ کھاتے تھے مستقل مزاجی کا یہ حال تھا۔ کہ کبھی کسی نے نہیں دیکھا کہ نواب پریشان خاطر ہیں۔ کڈپہ میں رات کے وقت جب افغان ان پر حملہ آور ہوئے تو نہایت اطمینان سے اپنے بستر پر تکیئے رکھکر چادر اڑھادی تاکہ حملہ آوروں کو گمان نہ ہو۔ اور اس کے بعد خود باہر نکلے۔

فراست و قیافہ شناسی

نواب کو قیافہ شناسی میں بھی خاص ملکہ تھا۔ انسان کو دیکھکر اس کے ظرف و کم ظرفی، پست نظری و بلند خیالی، شجاعت اور بزدلی پہچان جاتے تھے۔ نواب حیدر علی تو بالکل لکھے پڑھے نہ تھے۔ دستخط بھی مشکل سے کرتے تھے۔ ایک دن کسی فرمان پر اپنا نشان بنا رہے تھے۔ سامنے ایک شخص کھڑا حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ نواب حیدر علی تاڑ گئے۔ کہا کہ دستخط کو کیا دیکھتا ہے۔ پیشانی کو بتلایا کہ یہاں دیکھ۔ یعنی میرے طالع کو دیکھ۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس پر ہو جائے۔)

بے تعصبی اور مذہبی رواداری

نواب حیدر علی خاں حد درجہ غیر متعصب تھے ان کی تمام زندگی میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ مذہب کی بنا پر انہوں نے کسی سے کچھ تعرض کیا ہو۔ ان کے مشیر، وزراء اور فوج میں ہندو اور مسلمان دونوں یکساں تھے۔ مصنف حملات حیدری نے اپنی تاریخ میں بہت سے ہندوؤں کے نام لکھے ہیں۔ جن میں قلعہ دار بھی ہیں، اور فوجی افسر بھی۔ وزراء بھی

کشن راؤ اور پورنیا مشہور ہیں۔ حیدر علی کا پہلا پرائیویٹ سکریٹری کھنڈے راؤ برہمن تھا۔ جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ اس کے بعد اس منصب جلیلہ پر کئی ایک ہندو فائز رہ چکے ہیں۔ سفارت کے اہم عہدوں پر بھی ہندو فائز تھے۔ نواب حیدر علی کو ہندوؤں پر اس قدر اعتماد تھا کہ سیاسی مجرم بھی ہندو پالیگاروں کے قلعے میں قید کئے جاتے تھے میتھک سوسائیٹی کے تاریخی کاغذات میں ایسے بہت سے ہندو سیاسی مجرموں کے نام دیئے گئے ہیں۔ جو ان پالیگاروں کے قلعہ میں مقید تھے۔ انگریزوں سے پہلی جنگ کے دوران میں مدراس سے دو انگریز پادریوں نے حیدری فوج میں آکر اپنے آپ کو فرانسیسی مشہور کردیا۔ اور نواب کی فرانسیسی فوج کے ملازموں کو ورغلانا شروع کیا۔ نواب کو جس وقت خبر ہوی تو صرف ان کے ظاہری لباس و تقدس کی بنا پر انہیں بجائے سزا دینے کے قید کرکے پانڈیچری روانہ کردیا۔

رواداری کی مثالیں عام طور پر میسور میں ہر شخص کی زبان پر ہیں۔ جس قدر قدیم مندر ملک میسور میں ہیں۔ سب کی جاگیریں حیدر علی نے نہ صرف بحال رکھا۔ بلکہ اپنی طرف سے بھی انعامات دیئے۔ جنکی سندات مندروں میں موجود ہیں۔ اگر ان سب کی تفصیل لکھی جائے تو بہت طویل ہوگی۔ یہاں صرف دو تین مثالیں دی جاتی ہیں۔ جن کی صحت کیلئے میسور کے محکمۂ آثار قدیمہ کے سالانہ رپورٹیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) ڈیون ہلی کے مندر میں جو ناقوس استعمال میں ہے۔ وہ نواب حیدر علی کا عطیہ ہے۔

میسور آرکولاجیکل رپورٹ ۱۹۱۴ء

(۲) سرنگاپٹم میں سری رنگا ناتھ کے مندر میں جو برتن استعمال میں ہیں وہ حیدر علی کے دئے ہوئے ہیں

(۳) سرنگیری کے مندر میں نواب حیدر علی کے لکھے ہوئے تین اسناد ملے ہیں۔ جو بطور ریکارڈ محفوظ ہیں۔ ان میں ایک وہ خط ہے جو نواب حیدر علی نے ۱۷۶۹ء میں یہاں کے گرو کو لکھا تھا۔ اس خط

میں بعد ہدیۂ آداب وسلام کے نواب نے لکھا ہے کہ :۔

"آپ نے بالاجی نپٹا اور وینکٹ رامنیا کے ذریعہ جو اطلاع دی ہے۔ اس سے آگاہی ہوئی۔ آپکی شخصیت واجب التعظیم اور آپ کا تقدس باعث برکت ہے۔ یہ ایک قدرتی بات ہے کہ ہر شخص کے دل میں آپ سے ملنے اور سعادت حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو۔ معلوم ہوا ہے کہ صاحب رگھوناتھ راؤ پیشوائے پونا آپ سے ملنا اور آپ کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ آپ کو انکے پاس بغرض ملاقات بھیجا جائے۔ اس لئے میں اب آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ پونا تشریف لیجاکر صاحب موصوف کی خواہش پوری کریں۔ آپکے اس سفر کیلئے ایک ہاتھی۔ ایک پالکی۔ پانچ گھوڑے۔ اور پانچ اونٹوں کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ دیوتا کیلئے زرین کپڑے، آپ کے علَم (نشان) کیلئے پانچ ریشمی تھان۔ اور خاص آپ کیلئے دو خلعتیں اور ایک جوڑی شال بھی ارسال خدمت ہے۔ اخراجات سفر کیلئے ساڑھے دس ہزار روپیہ ارسال ہیں"۔

اس خط میں حیدر علی نے اپنے نام کے ساتھ شروع میں "نواب" اور آخیر میں "خان بہادر" کا خطاب استعمال کیا ہے۔ یہ خط مطلا و مذہب ہے۔ (میسور آرکولاجیکل رپورٹ ۱۹۱۶ء صفحہ ۷۳)

دوسرا خط جس پر تاریخ نہیں ہے۔ سوامی ابھینوا نرسیمہا بھارتی کے نام ہے۔ جس میں سوامی جی کے خط اور تحفوں کی وصولی لکھی ہوئی ہے۔ اس خط میں نواب حیدر علی نے گرو جی کو یقین دلایا ہے کہ مندر کے نام جو انعام ہیں وہ بحال رکھے جائیں گے۔ اور ساتھ ہی درخواست کی گئی ہے کہ سوامی جی مندر میں جاکر اقامت کریں۔ اور سوامی جی سے یہ بھی درخواست کی گئی ہے کہ ارسال شدہ تحائف کو قبول کیا جائے۔ (میسور آرکولاجیکل رپورٹ ۱۹۱۶ء صفحہ ۷۳)

تیسرا خط ۱۷۸۰ء کا ہے۔ دراصل یہ ایک حکمنامہ ہے۔ جو عمالانِ حکومت کے نام ہے۔ اس

ہیں انہیں ہدایت کی گئی ہے کہ سرینگری مندر کی جاگیرات میں مندر کے ملازم اپنی جانب سے جو محصولات وصول کرتے ہیں۔ ان میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ پیدا کی جائے۔ اس حکم نامہ کے عنوان پر نواب حیدر علی کی مہر اور سنہ ہجری لکھا ہوا ہے۔ (میسور آرکولاجیکل رپورٹ ۱۹۱۶ء صفحہ ۷۳)

سری رنگناتھ کا مندر

سرنگاپٹم کا سب سے بڑا مندر جو سری رنگناتھ جی کے مندر کے نام سے مشہور ہے۔ نواب حیدر علی کا تعمیر کردہ ہے۔ میتھک سوسائٹی جرنل مورخہ اپریل ۱۹۳۹ء کے صفحہ ۴۵۴ پر تحریر ہے:۔

"۱۷۷۴ء میں قدیم الدین خاں نامی ایک شخص کے گھر میں آگ لگ گئی۔ جسکی وجہ سے بہت سی جانوں کے اتلاف کے علاوہ سری رنگناتھ کا مندر بھی جلکر تباہ ہوگیا۔ حیدر علی نے اس مندر کو دوبارہ تعمیر کیا۔" (اپی گرافی کرناٹکا جلد نہم صفحہ ۲۷)

"بیلور میں گنگا سیوا کے مندر کا درمیانی قبہ حیدر علی کا تعمیر کردہ ہے۔"

(اپی گرافی کرناٹکا جلد پنجم صفحہ ۳۷)

رحم دلی

نواب کی درشتی و سختی جس قدر مشہور ہے۔ اسی قدر انکی رحمدلی بھی مشہور ہے محمد علی کمیدان جو سپہ سالار افواج حیدری تھا۔ اور جس کے کارنامے ہم سوانح حیدری میں لکھ چکے ہیں۔ ایک وقت عہدہ سے اس لئے معزول کر دیا گیا تھا کہ اسکے تیور بگڑے ہوئے تھے۔ اور کہا جاتا ہے کہ خود اسکے دل میں نواب بننے کی خواہش تھی۔ حیدر علی نے اس کو معزول کر دیا۔ مگر پھر چند دن کے بعد اس کو اسکے سابق عہدے پر بحال کر دیا۔

حیدر علی کی رحمدلی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انکے حکم سے ہر بڑے شہر میں سرکاری خرچ سے ایک یتیم خانہ موجود تھا۔ جہاں لاوارث بچے پرورش پاتے تھے۔ جس کی نظیر اس زمانہ میں اور آجکل کی مہذب و متمدن سلطنتوں میں بھی نہیں ملتی۔ انگریزی مورخین نے ان یتیم خانول

کے وجود کا اعتراف تو کیا ہے۔ مگر اپنی روایتی تعصب دوستی سے یہ بھی لکھا ہے کہ ان یتیم خانوں میں جو لڑکے پرورش پاتے تھے۔ وہ بڑے ہونیکے بعد فوج میں بھرتی کر لیئے جاتے تھے۔

تعمیرات

نواب حیدر علی کو فن تعمیر قلعہ میں کامل دستگاہ تھی۔ انکے بنائے ہوئے بہت سے قلعے موجود ہیں۔ جب کوئی نیا قلعہ فتح ہوتا تو پھر اسکی درستگی و تعمیر نواب کے حسب مرضی ہوتی تھی۔ بنگلور، میسور، بلاری، چیلدرگ اور سرنگاپٹم کے قلعہ جات نواب نے از سر نو تعمیر کیئے۔ نواب حیدر علی کے فن تعمیر قلعہ کے متعلق انکے دشمنوں کو بھی اعتراف ہے کہ نواب کامل الفن تھے۔ قلعۂ بلاری کے متعلق انگریزی تاریخ میں مشہور ہے۔ کہ ایک فرینچ انجنیر نے اس کو تعمیر کیا۔ نواب حیدر علی نے جس وقت اس قلعہ کا معائنہ فرمایا تو انہوں نے فرینچ انجنیر کو اس بنا پر پھانسی چڑھا دی کہ قلعہ جس پہاڑی پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اس سے ملی ہوئی اور ایک اونچی پہاڑی ہے۔ جس پر غنیم کی فوج قابض ہو کر قلعہ والوں کو تنگ کر سکتی تھی۔ انجنیر کو پھانسی پر چڑھانے کی روایت صرف چند انگریزی مورخین کی زبانی ہے۔ ورنہ دوسرے تاریخوں میں اسکا کہیں ذکر نہیں۔ بہر طور اس سے پتہ چلتا ہے کہ نواب حیدر علی کو کس قدر اس فن میں مہارت حاصل تھی۔ ان قلعوں کے ساتھ ساتھ حیدر علی نے بعض اہم مقامات پر جیسے سرنگاپٹم، حیدر نگر، گرم کنڈہ، ڈنڈیگل وغیرہ میں توپ ڈھالنے اور بارود گولہ اور دوسرے ہتھیار بنانے کے کارخانہ بھی قایم کیئے تھے۔

چونکہ نواب حیدر علی کا اکیس ۲۱ سالہ عہد حکومت تمام تر لڑائیوں اور جنگوں میں گذرا۔ اس لئے نواب کی بنائی ہوئی کوئی مسجد یا عمارت سوائے دریا دولت باغ اور محل سلطانی کے دوسری اور نہیں ہے۔ محل کا بہت سا حصہ ٹیپو سلطان نے بعد میں تعمیر فرمایا تھا۔

انگریزی مورخین لکھتے ہیں کہ دریا دولت باغ میں جو تاریخی تصاویر دیواروں پر ہیں

وہ نواب حیدر علی کے حکم سے بنائی گئی ہیں۔ ان تصاویر میں ایک میں کرنل بیلی کی شکست کا منظر دکھایا گیا ہے۔ اور دوسرے میں ایک کارٹون ہے۔ جس میں میر نظام علیخاں نظام الملک کی دوستی و دشمنی دکھائی گئی ہے۔

اطاعتِ والدین

نواب حیدر علی کے والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ نواب حیدر علی اپنے سے بڑے خویش و اقارب کا حد درجہ ادب کرتے تھے ایک دفعہ جبکہ ۱۷۶۸ء میں انگریزوں سے جنگ ہو رہی تھی۔ تو حیدر علی کی والدہ بیٹے کے دیکھنے کیلئے حیدر نگر سے پائین گھاٹ کے میدانِ جنگ میں تشریف لائیں۔ جس وقت حیدر علی کو خبر ہوئی تو آپ نے تین میل آگے تمام فوج کو دست بستہ کھڑا کر دیا۔ اور آپ مع شہزادہ ٹیپو سلطان و کریم شاہ استقبال کو بڑھے۔ جب محافہ قریب آگیا۔ تو نواب اور شہزادے داہنے بائیں جلو میں ساتھ ہوئے۔ جب سواری فوج کے آگے آئی تو کل فوج نے نہایت تعظیم سے سلامی اتاری۔ والا بیگم کے جلو میں دو سو کنیزیں برقعہ پہنے ہوئے عربی گھوڑوں اور گجراتی بیلوں پر سوار تھیں اور محافے کے پیچھے آٹھ رتھ تھے۔ جن پر زردوزی پردے پڑے ہوئے تھے۔ سواری کے آگے فرانسیسی سوار اور چھ سو نیزہ بردار اور پیچھے چار سو ہندوستانی سوار تھے۔ والا نواب بیگم دو روز قیام فرما کر جب واپس گئیں۔ تو نواب اسی مقام تک ہمرکاب رہے جہاں پہلے استقبال ہوا تھا۔

تعلیم و تربیت اولاد

حیدر علی اگرچہ خود ان پڑھ تھے۔ مگر انہوں نے اپنے بچوں کی تعلیم کیلئے نہایت اہتمام کیا تھا۔ مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ امورِ جنگی و سیاسی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ حیدر علی جنگوں میں ٹیپو سلطان کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ٹیپو سلطان کو عالم بننے کا بہت شوق تھا۔ اور وہ ہمیشہ لکھنے پڑھنے ہی میں مصروف

عکس تحریر سلطانی

اورادنامہ

تیپو سلطان

بدون حکم میر کلب حضرت حبیب اللہ نعمت یک کار نخواہم کرد
اگر نکنم کہ حکم در خاطر ہی نبی بکند نو سزا او باید ملعون قلم یک

در امور کہ روزی و تعلق کند در تقصیر نکنم سزای ان است کہ
باید ملعون قلم یک

خلاف کس روی دعا باری نکنم سزای ان ہمین حال گرفت
قلم یک

بدون حکم آنحضرت للہ یک بدر و یک نخواہم گرفت و حرف از او
کسے نخواہم گرفت اگر کنم سزا در باطن ہی ظاہر باری قلم یک

با ہر کس سوای امورات کہ رود بہ قلم در کلام دعا باری و کل
منع سزا او ان شر دار باید گشتہ قلم یک

[illegible]

[illegible]

[illegible]

عکسِ تحریرِ سلطانی

یہ عکس سلطان کے اقرار نامہ سے لیا گیا ہے. جس کا ذکر حالات نواب حیدر علی میں آچکا ہے۔ غالباً یہ تحریر اس وقت کی ہے. جب سلطان کی عمر ۱۶ - ۱۷ سال کی تھی۔

نظر آتے تھے۔ حیدر علی کو جب ٹیپو سلطان کا یہ انہماک معلوم ہوا تو ایک دن انہوں نے کہا:۔کہ

"جانِ پدر! سلطنت کیلئے قلم سے زیادہ تلوار کی ضرورت ہے"۔

حیدر علی نے اپنے فرزند کو امور سلطنت میں ماہر ہونے کیلئے جس قسم کی تعلیم دی تھی اور ہر کام مشورہ سے کرنے کے متعلق جو ہدایت کی تھی۔ اسکی ایک جھلک اس اقرار نامہ سے ملتی ہے: جو باپ نے بیٹے سے لیا تھا:۔

ٹیپو سلطان نے یہ اقرار نامہ اپنے قلم سے فارسی زبان میں لکھکر دیا تھا نیچے اس کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔

اقرار نامہ

(۱) بغیر مرضی مبارک حضرت خداوند نعمت کوئی کام نہیں کرونگا۔ اگر کروں تو جو سزا مناسب سمجھی جائے۔ دی جائے۔

(۲) اگر سرکاری امور میں چوری یا تغلبی کروں تو پھانسی کی سزا دی جائے۔

(۳) اگر جھوٹ بولوں یا دغا بازی کروں تو پھانسی کی سزا دی جائے۔

(۴) بغیر مرضیٔ مبارک حضور کے کسی سے نذر یا کوئی اور چیز لوں تو میری ناک کاٹ کر شہر بدر کر دیا جائے۔

(۵) سوائے امور سرکاری کے اگر میں کسی سے کلم و کلام یا دغا بازی کروں تو پھانسی کی سزا دیجائے

(۶) اگر سرکار کی جانب سے مجھے کسی ملک کی حکومت تفویض کی جائے اور میرے ماتحت فوج رکھی جائے تو میں تمام متعلقہ امور ان لوگوں کے مشورہ سے سرانجام دونگا۔ جنہیں سرکار نے اس غرض کیلئے مقرر کیا ہے۔ اگر اس کے عوض کسی دوسرے ذریعہ سے یہ کام کروں تو پھانسی کی سزا دیجائے

(۷) اگر کبھی خط و کتابت یا خرید و فروخت یا کوئی خط کسی جگہ سے آئے تو سوائے حضور کے مقرر

کردہ مشیروں کی صلاح کے کوئی کام نہیں کرونگا۔

(۴) یہ چند قلم اپنی رضامندی سے لکھکر دے رہا ہوں اور انکے مضمون کو دل میں بطور یادداشت رکھتا ہوا اقرار کرتا ہوں کہ ہر کام ان دفعات کے مطابق کرونگا۔ اگر نہ کروں تو جو سزا چاہے دی جائے۔

نواب حیدر علی کی بلند نظری اور اتحادِ اسلامی کی کوششیں

نواب حیدر علی اس قدر دُور اندیش اور بلند نظر تھے۔ کہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمانوں کی کمزوری ان کے آپس کے نفاق کا باعث ہے۔ اس لئے حیدر علی نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد قایم رہے۔ اور اس مقصد کیلئے انہوں نے ہر طرح کوشش کی۔ چنانچہ جب کبھی والاجاہ محمد علی اور نظام الملک کی طرف سے ذرا بھی صلح کی سلسلہ جنبانی ہوئی تو آپ نے اتحاد بین المسلمین کے خیال سے فوراً صلح کرلی جس کا ثبوت اسی کتاب کے گذشتہ اوراق میں ملتا ہے۔

بحری طاقت

حیدر علی کے کارناموں میں یقیناً یہ سب سے بڑا اور نمایاں کارنامہ ہے کہ بندرگاہ منگلور پر قبضہ کرنیکے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ نہ صرف تجارت بلکہ ملک کی مدافعت کیلئے بحری طاقت کی ضرورت ہے۔ انہوں نے یہاں جہازات بنانے کا ایک کارخانہ قایم کیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل جنگوں میں مصروفیت اور ہندوستانیوں کو جنگی جہازوں کی تعمیر سے ناواقفیت کی وجہ سے اس شعبہ کو زیادہ ترقی نہیں ہوئی۔ تاہم ان کی وفات کے وقت ایک بڑا اور ساٹھ چھوٹے جہازات موجود تھے۔ اگر اس شعبہ کو ترقی ہوتی تو یقیناً میسور کی دوسری جنگ میں ان جہازات سے بہت مدد ملتی۔ اس سے قطع نظر یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ حیدر علی کی بلند نظری کسقدر وسیع تھی۔ انگریزی مورخین نے حیدر علی کی تعریف میں سب سے بڑھکر انکے اسی کارنامہ کی تعریف کی ہے۔

نواب حیدر علی کے متعلق مورخین کی آراء

تاریخ رولرس آف انڈیا میں نواب حیدر علی کی نسبت لکھا ہے :-

" حیدر علی کو تمام جانوروں میں شیرزہ نہایت پسند تھا۔ حیدر علی میں بھی یہی صفات موجود تھے۔ ان میں شیرزہ کی سی شجاعت و بہادری موجود تھی۔ اور جس طرح جانوروں میں شیرزہ کی صفات میں خوبصورتی اور فطرت میں شرافت موجود ہے۔ حیدر علی میں بھی موجود تھی۔ اس لیئے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ حیدر علی ہندوستان کا شیرزہ تھا۔ بہت سی باتوں میں وہ ایک ایسا شخص تھا۔ جس نے اپنے وقت میں دوسروں سے اپنے آپ کو برتر و فائق ثابت کیا۔ اور خصوصًا اس کی سچائی اور معاملات میں راستی نے اس کو ممتاز بنا دیا تھا۔ ہندوستان میں انگریزوں کو حیدر علی سے بڑھکر طاقتور رقیب اور کوئی نہیں ملا۔ حیدر علی کی فراست اور دانائی کا اس سے بڑھکر اور کوئی ثبوت ہی نہیں ہو سکتا۔ کہ حیدر علی نے ہندوستان کی اصلی کمزوری کا راز پہچان لیا تھا۔ یعنے یہ کہ خشکی پر قبضہ رکھنے کیلیئے بحری طاقت کی ہندوستان کو سخت ضرورت ہے۔ جس کے فقدان کی وجہ سے ہندوستان کے ساحل غیروں کے رحم و کرم پر ہیں۔ اس لئے اس نے ایک بحری طاقت کی بنیاد رکھی۔ حیدر علی کے پیش نظر دو خاص مقاصد تھے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک زبردست بحری طاقت قایم کی جائے۔ اور دوسرا جنوبی ہندوستان میں ایک بڑی شہنشاہیت قایم ہو۔ پہلے مقصد میں حیدر علی کو اتنی کامیابی نہیں ہوئی۔ جتنی کہ دوسری میں۔ چنانچہ بیس سال کے قلیل عرصہ میں اس نے ایک ایسی سلطنت اور

شہرت حاصل کرلی۔ جس کی وجہ سے آج بھی لوگ اسکے نام کی تعریف، توصیف و تعظیم کرتے ہیں۔"

حقیقت میں حیدرعلی نے ایک ایسی وسیع اور زبردست سلطنت کی بنیاد رکھی، جو اسی ہزار مربع میل پر پھیلی ہوئی تھی۔ اور انکے ماتحت کئی نواب اور راجگان خراجگذار تھے۔ اور اس لحاظ سے اگر حقیقت دیکھی جائے تو نواب حیدرعلی ایک بادشاہ نہیں بلکہ شہنشاہ تھے۔ (چونکہ حیدرعلی کے نام کے ساتھ نواب عام طور پر مشہور ہو گیا ہے۔ اس لئے ہم نے بھی اپنی تاریخ میں حیدرعلی کو نواب کے خطاب ہی سے منسوب کیا ہے)

ایک ہندو مورخ اپنی تاریخ میں جو انگریزی زبان میں ہے لکھتا ہے :-

"انگریزوں کو اپنی سلطنت قایم کرنے کیلئے ہندوؤں، مرہٹوں، جاٹوں، گورکھے، اور سکھوں سے کئی مشہور و معروف زبردست لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ مگر ان میں سب سے زیادہ اگر کوئی طاقتور دشمن انہیں ملا تو وہ حیدرعلی تھا۔ جس کو انگریز شکست نہ دے سکے۔ ۱۷۶۶ء سے ۱۷۸۲ء تک اس نے اپنی بہادری کا سکہ انکے دل پر بٹھا دیا اس کا مدراس کا مشہور دھاوا، ایک ایسا تاریخی اور جنگی کارنامہ ہے کہ مدت العمر یاد رہیگا۔ مگر اسکے ساتھ ہی اسکے دل میں اس قدر رحم اور وسعت تھی کہ اس نے مدراس پر قبضہ نہیں کیا۔ جو اس کیلئے ایک آسان بات تھی۔ اگر اس وقت مدراس پر حیدرعلی کا قبضہ ہو جاتا تو جنوبی ہندوستان میں اسی وقت انگریزوں کا قصہ ختم تھا۔ اس کے بعد کی جنگ میں بھی اس کو اس قسم کے مواقع حاصل ہوئے۔ مگر قسمت ہندوستان کے خلاف تھی۔ حیدرعلی کی وفات میسوریوں اور مرہٹوں کیلئے ایک نقصان عظیم کا باعث ہوئی۔ اسکے وفات کی خبر سنتے ہی مرہٹوں نے ہتھیار رکھکر انگریزوں سے بمقام سالبی

انگریزی شرایط پر صلح کرلی۔

حیدر علی اگرچہ ایک جاہل مسلمان اور زبردست سپاہی تھا۔ مگر تعصب مذہبی سے بالکل مبرا تھا۔ وہ ایک مادر زاد سپاہی اور ایک عمدہ شہسوار تھا۔ حیدر علی کی زندگی میں اس کے مقابل کا کوئی اور جنرل ہندوستان میں نہیں نکلا۔ بلکہ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں بھی اس پایہ کے لوگ بہت کم پیدا ہوئے ہیں۔ حیدر علی ہی صرف وہ ہندوستانی بادشاہ تھا۔ جس نے اپنے ملک کی مدافعت کیلئے بحری طاقت قایم کی"

پادری شوارٹز جو ۱۷۷۹ء میں سرنگاپٹم آیا تھا۔ اپنی کتاب میں لکھتا ہے:-

"حیدر علی کا محل ہندوستانی طرز تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ محل کے آگے ایک وسیع میدان ہے۔ اور محل کے دونوں طرف متعلقہ کمروں میں سلطنت کے دفاتر ہیں۔ یہاں شاہانہ سطوت حکومت نہیں کرتی۔ بلکہ باقاعدگی اور سلیقہ شعاری کی حکومت ہے۔ سزا دینے کیلئے دوسو چابک تیار رہتے ہیں۔ اور ان کے ہاتھ سے نہ افسر بچتے ہیں اور نہ شہزادے۔ جب میں حیدر علی کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ تو اس نے تھوڑے وقت میں ایک ہی دفعہ کئی عرضیاں سنیں۔ اور جواب لکھوایا۔ اس کو یہ پرواہ ہی نہیں تھی کہ لوگوں کا مذہب کیا ہے۔ اس نے ہر ایک کو اپنی خواہش اور عقیدے پر آزاد چھوڑ دیا تھا۔ وہ صبح سے شام تک کام میں منہمک رہتا۔ گویا کہ وقت اور کام کا غلام ہے۔ ہر ایک کام خواہ کتنا ہی چھوٹا ہوتا۔ خود ہی نگرانی کرتا۔ یہاں تک کہ خیموں کیلئے رسیاں ہیں یا نہیں۔ وہ بھی خود ہی دیکھتا"

نوٹ۔ پادری شوارٹز جو ۱۷۷۹ء میں سرنگاپٹم میں خاص جاسوسی کے لئے آیا تھا۔ اس نے واپس جاکر میسور کی رانیوں کی جانب سے ایجنٹ کے طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی سے معاہدہ کیا۔

اس معاہدہ کی تفصیل کتاب سنداانڈٹریٹیز میں موجود ہے اور شوارٹز کا دستخط بھی۔ اس سازش کا ذکر "سلطنتِ خداداد کے خلاف سازش" کے عنوان کے تحت کسی اور جگہ دیا گیا ہے

حیدر علی کے مظالم کی داستان

انگریزی مورخین نے نواب حیدر علی کو جو بے رحم اور ظالم مشہور کر رکھا ہے۔ اس کا اصلی سبب یہ نہیں ہے کہ ملک کرناٹک نواب کے ہاتھوں سے اُجڑ گیا۔ بلکہ ان کو نواب پر اس لئے غصہ ہے کہ انگریزی اسیروں کے ساتھ نہایت بے رحمانہ سلوک کیا گیا۔ اور انکی ختنہ کر کے ان کو مسلمان بنایا گیا۔ ان الزاموں کے ثبوت میں جو کتابیں پیش کی جاتی ہیں۔ ان میں ایک مسٹر جے۔ مرے کی کتاب میموئرس آف دی لیٹ وار۔ اور دوسری جمیس اسکری کی اسیری کے حالات ہیں۔ یہ کتاب لنڈن میں ۱۸۲۴ء میں شائع ہوی۔

جے مرے اپنی کتاب میں لکھا ہے:۔

"ہمارا قید خانہ میسور کے کمسن راجہ کے وسیع محل کے قریب تھا۔ محل کے سامنے میدان کے مشرقی جانب سلطان کا محل تھا۔ ہمارا قید خانہ اس جگہ تھا کہ ہم انگریزی قیدیوں کو سلطانی محل کے چھت پر چلتے ہوئے دیکھ سکتے تھے۔ نگران کی باتیں سنائی نہ دیتی تھیں۔ یہاں ہم نے ۲۷ ستمبر ۱۷۸۳ء کو دسہرہ کا تماشہ دیکھا۔ جبکہ میسور کا راجہ اپنے تخت پر بیٹھا ہوا دسہرے کے کھیل تماشہ دیکھ رہا تھا۔ سلطان کے حکم سے انگریزی قیدی علیحدہ علیحدہ رکھے گئے تھے۔ جنرل بیلی ایک مسافر خانہ میں مقید تھا۔ جان میتھیوز اور بیرڈ دوسری جگہ تھے۔ عام سپاہیوں کو علیحدہ ایک مربع کمرہ میں قید کیا جاتا تھا۔ اس طرح شہر کے مختلف حصوں میں قید خانے تھے۔ ہمارا قید خانہ دراصل ایک گھر تھا۔

جس میں ایک فراخ صحن تھا۔ اور اس کے گرد اٹھارہ فیٹ کی مٹی کی بنی ہوی چار دیواری تھی۔ ہمیں ان قیدیوں سے جو دوسری جگہ تھے۔ بات کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اس لئے قیدی ان نوکروں کے ذریعہ جوان پر متعین تھے۔ ایک دوسرے کو پیغام بھیجتے تھے۔ ایک دہوبی جو ہمارے کپڑے دہونے کیلئے متعین تھا۔ اکثر اسی کے ذریعہ ہم آپس میں پیغام اور پیسہ بھیجتے تھے۔ افسروں کو بیڑیاں ڈالکر رکھا جاتا تھا۔ بیمار ہونے پر سوائے معمولی بازاری ادویات کے اور کوئی خاص دوائیاں دی نہیں جاتی تھیں۔ لکھنے پڑھنے کیلئے کتابیں مہیا نہیں تھیں۔ ہم اپنا فرنیچر (پلنگ کرسی وغیرہ) خود بنا لیتے تھے۔ بیلی اور جنرل میتھیوز اور بہت سے دوسرے افسر اسی حراست میں مرگئے۔ فریزر۔ رمنی اور سیامسن ان تینوں افسروں کو میسور لیجاکر قتل کردیا گیا۔ معائینہ کے دن ہم کو سخت خوف رہتا کہ کہیں ہم کو جبریہ مسلمان بنا کر ملازمت میں داخل نہ کرلیا جائے۔ قید خانہ کا افسر سید ابراہیم قیدیوں پر نہایت مہربان تھا۔ یہ شخص کسی زمانہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازم تھا۔ اگرچہ وہ سلطان کی ملازمت میں تھا۔ مگر ہمارے متعلق سلطان کی کوئی بات نہیں سنتا تھا۔ سید ابراہیم کے مرنے کے بعد اس کی اس وفاداری کی قدر کرتے ہوئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس کا مزار تعمیر کیا۔ اور اس کو عمدہ حالت میں رکھا ہے۔

(نوٹ :۔ سید ابراہیم کی قبر چن پٹن میں عاقل شاہ کے مقبرے کے قریب واقع ہے۔ اس پر ایک سادہ گنبد تعمیر کیا گیا ہے۔ (محمود)

ہم اس قید کی حالت میں دن گذار رہے تھے۔ کہ ایک دن سلطان کی جانب سے ایک برہمن نے آکر ہم کو خوشخبری سنائی۔ کہ سلطان اور کمپنی میں صلح ہوگئی ہے

اور ہم کل رہا کر دیئے جائیں گے۔ اس خبر کو سن کر ہم نے ہمارے پاس جو کچھ پیسہ تھا اس کو جمع کر کے آپس میں ایک دوسرے کی دعوت کی۔ رات بھر اس خوشی میں ہم کو نیند نہیں آئی۔ صبح کو ایک لوہار بیڑیاں کاٹنے آیا۔ ہم ایک پر ایک گرے پڑتے تھے۔ کہ جلد بیڑیاں کٹ جائیں۔ یہاں تک کہ ہم جو بالکل دوست بنے رہتے تھے۔ بیڑیاں جلد کٹانے کیلئے ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔ آخر کار شام کے تین بجے تک سب بیڑیاں کٹ گئیں۔ جس کے بعد ہم کو سلطانی محل کے پاس لیجایا گیا۔ میدان سے گذرتے وقت ہم نے بہت سے یوروپین لڑکوں کو دیکھا۔ جن کو ختنہ کر کے مسلمان کیا گیا تھا۔ ہم نے ان سے کہا کہ مدراس پہونچکر ان کی رہائی کی تجویز کرینگے۔ محل میں ہمارے نام لکھ لیکر ہم کو کرنل بریث وائٹ کے قیدخانہ میں بھیجدیا گیا۔ شام تک تمام یوروپین یہاں جمع ہو گئے۔ اور ہم قلعہ سے نکلکر سومنات پیٹ پہنچے۔ جو دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ ہم کو یہاں اجازت دی گئی۔ کہ بازار دیکھیں۔ اور دریائے کاویری میں غسل کریں۔ اگرچیکہ ہماری بیڑیاں کٹ چکی تھیں۔ مگر ہمارے ہاتھ پیر جواب دے رہے تھے۔ اور یہ معلوم ہو رہا تھا۔ کہ ابھی بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ آزادی کے ساتھ ہاتھ پیر استعمال کرنے کیلئے ہم کو ایک عرصہ لگا۔ ہماری رفتار دیکھکر ہمیں خود ہنسی آرہی تھی"۔

جیمس اسکری کی کتاب کا اقتباس :-

"ہمارا جہاز "ہنی بال" فرانسیسوں کے ہاتھ آگیا۔ امیر البحر سفرن نے جون ۱۷۸۲ء میں ہم کو کڈلور میں حیدر علی کے افسروں کے حوالے کر دیا۔ قیدیوں میں بعض لڑکے بھی تھے۔ یہاں ان لڑکوں کی ختنہ کر کے ان کے کانوں میں بالیاں ڈالی گئیں۔ ان کو فواعد

سکھلانے پر سرجن ڈیمپسٹر مقرر رہا۔ جو کمپنی کا ایک مفرور سپاہی تھا۔ قیدیوں کی جملہ تعداد ایک سو تھی۔ ہم اس اسیری میں دس سال تک رہے۔ ہماری طویل اسیری درحقیقت ان انگریزی کمشنروں کی غلطی ہے۔ جنہوں نے صلح کے وقت ہماری رہائی کا مطالبہ نہیں کیا۔

ہمیں سرنگاپٹم لاکر فوجوں میں بھرتی کر لیا گیا۔ میرے چار ساتھیوں کو چیلدرگ کی فوج میں کام کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ یہاں سے ہم فرار ہو کر سرحد پر پہونچے۔ اس وقت ہمارے جسم پر سلطانی فوج کی وردی، ڈوپٹہ، بہری کپڑے کی قمیص اور کمبل تھی۔ سرحد پار ہو کر ہم ڈاکٹر ٹٹل کے گھر پہونچے۔ یہاں ہم نے اس کو اپنا حال سنایا"

جیمس اسکری کے حالات کا مصنف لکھتا ہے :-

" جیمس اسکری جان میڈوس کے ماتحت میسور کی تیسری جنگ میں شامل تھا۔ جس کے بعد وہ انگلستان گیا۔ یہاں شہر پلائی موتھ میں اس نے ایک دوکان کھولی تھی۔ مصنف کتاب لکھتا ہے۔ کہ جیمس دوکان پر بیٹھا ہوا آہیں بھرا کرتا تھا۔ کہ کاش پھر اس کو سرنگاپٹم کی قید نصیب ہو۔ اس کتاب میں سرنگاپٹم میں شام کا وقت جو کھیل تماشے ہوتے تھے۔ انکا حال بھی مفصلاً درج ہے۔

اسی کتاب میں اسکری کی زبانی مصنف لکھتا ہے کہ کس طرح سرنگاپٹم میں انگریز لڑکوں کی شادی ہوئی۔ سلطان کا مقصد شاید یہ تھا۔ کہ اگر ان لوگوں کی شادی ہو جائے تو وہ ملک میں مقیم ہو جائیں گے۔ کرناٹک کے حملوں میں بے شمار لڑکیاں حیدر علی کے ہاتھ لگی تھیں۔ جن میں سے چند لڑکیوں کو ہمارے لئے بھیجا گیا تھا۔ انتخاب کا

طریقہ یہ تھا کہ لڑکیاں ایک قطار میں کھڑی کر دی جاتی تھیں۔ اور ان کی پشت پر ہمیں کھڑا کر دیا گیا تھا۔ داروغہ حکم دیتا تھا کہ دونوں صف ایک ساتھ پلٹیں۔ اور جو مقابل ہولے ہیں۔ اس طرح ہر ایک کے حصہ میں چار و ناچار ایک لڑکی آئی۔ ہم کو اس کے بعد صندوق پلنگ وغیرہ دیا گیا۔ اور ہم کو حکم دیا گیا کہ ان لڑکیوں کو لیکر اپنی اپنی رہائش گاہ پر چلے جائیں۔ ہم کو آسائش گاہ کو جانے کیلئے بازار میں سے گذرنا ہوتا تھا۔ یہاں لوگوں کا ہجوم اس قدر کثرت سے تھا کہ لڑکیوں میں خلط ملط ہو گیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ مقام پر پہونچنے پر ایک کی عورت دوسرے کے قبضہ میں تھی۔ اس طرح نہ صرف آپس میں لڑائیاں ہوئیں۔ بلکہ لڑکیاں بھی ایکدوسرے سے لڑتی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے دشمن ہمارے اس طریق سے خوش ہیں دو ماہ کے بعد ایک قاضی نے آکر ہمارا نکاح کیا۔ جیمس اسکری اپنی عورت کے متعلق کہتا ہے۔ کہ ارکاٹ کی ایک نوخیز لڑکی تھی۔ جو میری غربت اور تمام مصائب میں وفاداری کے ساتھ رہی۔ ہماری رجمنٹ کو جس وقت چتلدرگ سے دوسری جگہ جانے کا حکم ملا تو میں اور میرے چار ساتھیوں نے فرار ہونے کا تہیہ کر لیا حکم شام کے وقت آیا تھا۔ میدان میں سپاہی جمع ہو رہے تھے۔ اتنے میں ایک شخص میرا نام (شمسو خاں) لیکر پکارا۔ یہ وہ وقت تھا کہ میں اپنی عورت اور بچے کی صورت کو آخری دفعہ دیکھ رہا تھا۔ میری صورت اور میری حالت سے اس کو کچھ شبہ پیدا ہو گیا۔ اور وہ ایک قسم کی گھبراہٹ اور بے چینی کے ساتھ مجھ کو دیکھ رہی تھی۔ وہ مجھے مختلف سوالات پوچھ رہی تھی۔ جن کا مجھ سے جواب نہ بن آتا تھا میں نہیں چاہتا تھا کہ جدائی کا لفظ منہ سے نکالوں۔ بغیر بات کئے ہوئے میں باہر آگیا

اور ہم فرار ہو کر انگریزی علاقہ میں آگئے"۔

(نوٹ :۔ مذکورۂ بالا دونوں مضامین کتاب "سیج آف سرنگاپٹم" محاصرۂ سرنگاپٹم سے لئے گئے ہیں۔)

یہ ہیں وہ مظالم جن کی بنا پر حیدر علی اور سلطان کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ اس کے خلاف یہی قیدی جب تک فرانسیسیوں کی قید میں تھے۔ اور ان کی جو حالت تھی۔ وہ اسی جیمس اسکری کی زبانی سنئے :۔

کپتان اسکری اپنی کتاب اسکریس کیپٹیوٹی میں لکھتا ہے :۔

"ہم لوگوں نے ایک مدت تک فرانسیسیوں کی قید میں طرح طرح کی اذیتیں پائیں۔ آخر ان سنگدلوں نے ہماری قوم کے اسیروں کو جو تعداد میں پانچسو تھے۔ کئی جہازوں پر سوار کرا دیا۔ چھ ماہ کے بعد سب کے سب ہم قلعہ کڈلور میں پہنچے۔ جب یہاں کچھ دن گذرے تو ہم کو چدمبرم جو نواب کے قلعہ جات میں خاص استحکام رکھتا ہے۔ لے گئے۔ وہاں اس قلعہ کے درمیان ہم کیا دیکھتے ہیں کہ جا بجا سینکڑوں آدمی بحالِ تباہ پڑے ہوئے مردہ معلوم ہوتے ہیں۔ اکثر مارے بھوک کے ایسی حالت میں تھے۔ کہ اگر گندے مقام پر ایک سڑی ہڈی کہیں پڑی دیکھتے تو اس کی طرف بھی ہاتھ بڑھا دیتے۔ خوراک ہم لوگوں کی یہاں یہ تھی کہ فقط گائے کا گوشت اور موٹے چاول کھانے کو ملتے۔ اسی غذا اور شور زمین کا باعث تھا۔ جو ہمارے ساتھ کے اکثر آدمی رو رو کر مر گئے۔ اور اکثر تن و توش والوں کو ہم نے دیکھا کہ گھڑی بھر کے تشنج میں انکے اعضا اکڑ گئے۔ خدا جانے فرانسیسیوں کو انگریزوں سے ایسی کیا عداوت تھی۔ جو ہم سب کو ایسے ظالموں کے حوالے کر دیا۔ کپتان اسکری کہتا ہے کہ جب ہم قریب

اس کے بے مثل تدبر کو حرکت ہوتی ہے۔ آزاد ہو کر وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لیتا ہے۔ لیکن یہ انتقام وہ ذلیل انتقام نہیں ہوتا جس کی مثالیں ادنیٰ دل و دماغ والوں میں آسانی سے مل سکتی ہیں۔ وہ صحیح معنوں میں ایک بہادر تھا۔ اور ایک بہادر انسان اپنے دشمن سے جو سلوک کرتا ہے۔ وہی سلوک اس نے اپنے دشمن سے کیا۔

ان ابتدائی مشکلات سے نپٹ لینے کے بعد حیدر علی جیسی دل و دماغ والی شخصیت کے لئے راجۂ میسور کی چھوٹی سی راجدھانی پر قانع رہنا ایک ناممکن امر تھا۔ اس نے ہندوستان کی وسیع سرزمین پر نظر کی۔ یہ وہ وقت تھا کہ مغلیہ سلطنت کی شان و شوکت ختم ہو چکی تھی۔ اور ملک پارہ پارہ بن چکا تھا۔ ایک طرف تو مرہٹی طوفان برق باد بنکر مسلمانوں کی خرمن ہستی کو نشانہ بنا رہا تھا۔ تو دوسری طرف مغربی قومیں اپنی عیاری و مکاری کا جال بچھا کر تمام ملک کو اپنے تسلط میں لانا چاہتی تھیں۔

ایسے وقت حیدر علی ایک آہنین عزم لیکر اٹھا۔ اسکے مطمح نظر مسلمانوں کی سربلندی کے ساتھ ساتھ ابنائے ملک کی فلاح و بہبودی بھی تھی۔ ان مقاصد کے حصول کیلئے اس نے اپنی ذات کو وقف کر دیا۔ لیکن ملک کی بدقسمتی اور مسلمانوں کے طالع کی خرابی نے نہ صرف ابنائے وطن بلکہ اس کے خاص ہم مذہبوں کو بھی اس کا دشمن بنا دیا۔ مرہٹوں کو گوارا نہیں تھا کہ حیدر علی کو عروج حاصل ہو۔ ارکاٹ اور حیدرآباد کو منظور نہیں تھا کہ یہ بہادر سپاہی اپنے ارادوں میں کامیاب رہے۔ انکی سیاست بالکل سطحی تھی۔ انکے دل و دماغ خود غرضی سے ماؤف ہو چکے تھے۔ انہیں ملک کے مستقبل کی پرواہ نہیں تھی۔ ان کے ساتھ ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی تھی جس کو حیدر علی کے عروج میں اپنی موت کا سامان نظر آ رہا تھا۔ اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اسکا اکیس ۲۱ سالہ عہد حکومت ہمیشہ میدانِ جنگ میں گذرا۔

اسکو اپنی وفات تک ہمیشہ دشمنوں سے برسر پیکار رہنا پڑا۔ بلکہ اسکی موت تک میدان جنگ ہی میں ہوی وہ اگر دولت و امارت چاہتا یا عیش و عشرت اسکا مقصود ہوتا تو اس کیلئے میسور کی راجدھانی جس پر وہ قبضہ کر چکا تھا۔ کافی تھی۔ لیکن ہندوستان کی آزادی کی تڑپ، اور مسلمانوں کی سربلندی کی آرزو اس کو آمادہ کی کہ حصول مقصد کے لئے ہمیشہ سر اور دھڑ کی بازی لگاتا رہے۔ اور یہ بہادر سپاہی اس سے ایک لمحہ کیلئے بھی کبھی نہیں جھجکا بات ۱۷۶۱ء سے ۱۷۸۲ء تک اگر حیدر علی کی زندگی پر نظر کیجائے تو اس کو کسی ایک سال بھی آرام و چین کی زندگی میسر نہیں ہوی۔ ۲۱ سال کی یہ زندگی ایک طوفانی زندگی تھی۔ جس میں اسکو کامیابی و ناکامی اور فتح و شکست سے ہمیشہ دوچار ہونا پڑا۔ ارکاٹ و حیدرآباد کے مسلمان، پونا کے مرہٹے، مدراس کے انگریز اور خاص میسور اور اس کے اطراف کے پالیگار، کڑپہ، کرنول اور ساونور کے نواب۔ ان سب میں کوئی نہیں تھا جو حیدر علی کا دوست تھا۔ مگر اس جانباز سپاہی کی مستقل مزاجی یا سخت جانی اور اس کے بے پناہ تدبر نے ان تمام مشکلات میں گھر جانے کے باوجود بھی ایک ایسی سلطنت کی بنیاد رکھی جو ملک و ملت کی آزادی کی ضامن تھی۔ اس نے اپنی وفات کے وقت ایک ایسی سلطنت مسلمانوں اور ابنائے ملک کے لئے چھوڑی۔ جس کا رقبہ اسّی ہزار میل اور اس کے حدود دھاڑواڑ سے لیکر ٹراونکور تک پھیلے ہوے تھے۔ اس کے آگے تلوار کے روبرو قلم ایک بے معنی شے تھی۔ اس کا مقولہ تھا کہ "اگر مجھے اپنے جیسا ایک اور شخص ملجائے تو میں دنیا کو فتوحات عمرؓ کا نقشہ دکھادوں۔" وہ اُمّی محض تھا۔ لیکن اس کی تدبیر، سیاست دانی و بیدار مغزی کا لوہا دوست و دشمن دونوں تسلیم کر چکے تھے۔ موت کا بے رحم ہاتھ یا ملک کی بدقسمتی ۱۷۸۲ء میں اس کا اگر خاتمہ نہ کر دیتی تو یقیناً ملک کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔

وہ جان چکا تھا کہ مسلمانوں کے زوال کے اسباب کیا ہیں۔ اس کو اس بات سے آگاہی تھی کہ مغرب کا تفوق مشرق پر صرف بحری طاقت کی وجہ سے ہے۔ مغرب سے مشرق کو آنے کیلئے راس امید (کیپ آف گڈ ہوپ) کا راستہ اسلامی ممالک کے تمدن، تجارت اور خوشحالی پر ایک کاری ضرب لگا چکا ہے۔ اس لئے کہ جو تجارت مغرب کی مشرق سے یا مشرق کی مغرب سے ہو رہی تھی۔ وہ بری راستے کے ذریعہ تھی۔ اور اس کا گذر ایران و عراق اور عرب و مصر کے درمیان سے تھا۔ راس امید کا بحری راستہ کھل جانے سے تجارت مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکلکر یوروپین اقوام کے ہاتھوں میں آچکی تھی۔ جو ایسی مہلک ضرب تھی کہ جس سے اسلامی ممالک کی عام خوشحالی فنا ہوگئی۔ اور ادھر ہندوستان کا ساحل بحری مدافعت کا سامان نہ ہونے کی وجہ سے اپنا آغوش ہر سمندری قزاق وڈاکو کیلئے کھلا رکھتا تھا۔ پرتگیزوں نے جو مظالم ہندوستان کے مغربی ساحل پر کئے۔ فرانسیسی اور انگریزوں نے مغربی و مشرقی ساحلوں پر اپنا جو اقتدار جمایا وہ صرف اس بحری طاقت کی وجہ سے تھا۔ حیدر علی نے اس راز کو سمجھ لیا تھا کہ جبتک ہندوستان کے پاس اسکی اپنی بحری طاقت نہ ہوگی۔ اسوقت تک ملک کو مغربی قوموں سے نجات ملنا مشکل ہے۔ اس لئے اس نے ایک بحری بیڑے کے قیام کی طرف توجہ کی۔ اسکے دوسرے کارنامے اگر نظر انداز بھی کر دئے جائیں تو یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جو اس کو تمام سلاطین ہندوستان میں ممتاز کر دیتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان کے ہندو یا مسلمان فرمانرواؤں نے کبھی بحری طاقت کی طرف توجہ نہیں کی۔ ہندوستان کے ساحل ہمیشہ غیر محفوظ رہے ہیں۔ ہندوستان کے ہندو راجاؤں کو معلوم تھا کہ محمد بن قاسم کا ساحل سندھ پر کامیاب حملہ عربوں کی بحری طاقت کا نتیجہ تھا۔ لیکن ہندوستانیوں نے پھر بھی اس طرف توجہ نہیں کی۔ اس کے بعد یہ ہندوستان کی خوش قسمتی تھی۔ کہ اس کے ساحلوں پر

کوئی قوم حملہ آور نہیں ہوئی۔ اور جو حملے بھی ہوئے۔ وہ بری راستوں سے ہوئے۔ یہ شہنشاہ اکبر کا زمانہ تھا کہ بحری راستوں سے مغربی قومیں ہندوستان میں آئیں۔ اکبر کے بعد سلاطین مغلیہ میں جہانگیر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب نہایت شان و شوکت کے شہنشاہ ہوئے۔ اور یہی وہ زمانہ تھا کہ مغلیہ سلطنت کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا۔ باوجود اس فراست و دانائی کے اور باوجود تمام ذرائع مہیا رہنے کے بھی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سلاطینِ مغلیہ نے کبھی اس آنیوالے خطرہ کی طرف توجہ نہیں کی۔ جو نہ صرف انکی سلطنت بلکہ آخر کار تمام عالم اسلام کیلئے زوال کا باعث ہوا۔ انہیں معلوم تھا کہ تجارت غیروں کے ہاتھ میں جا رہی ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ حاجیوں کے جہازات لٹ رہے ہیں۔ انہیں یہ بھی پتہ تھا کہ ہندوستان کے ساحل بالکل غیر محفوظ اور خصوصاً جنوب مغربی ساحل پرتگالیوں کی جولانگاہ بنا ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ انکی اس وقت کی سیاست کچھ اور ہو۔ انہیں اپنی بری طاقت پر گھمنڈ تھا۔ اور وہ مستقبل سے بے نیاز تھے۔

اسی طرح جنوب کی وہ زبردست اور عظیم الشان سلطنت جس کا نام وجیانگر ہے۔ اس نے بھی اپنے ساحلوں کی حفاظت اور بحری بیڑے کی طرف بالکل توجہ نہ کی۔ بلکہ اس کے خلاف وہ پرتگالیوں کو مدد دیکر ان کے ذریعہ دکن کی اسلامی سلطنتوں کو ختم کر دینا چاہی۔ دکن کی اسلامی سلطنتوں کو بھی کبھی اس طرف خیال نہیں آیا۔

یہ سعادت صرف میسور کے اس جانباز سپاہی کے حصہ میں آئی جو جان چکا تھا کہ ہندوستان کا مستقبل کسقدر خطرے میں ہے۔ اسی لئے اس نے بحری جنگی بیڑے کی بنیاد رکھدی۔ ہندوستان کی تاریخ اس کے اس زرین کارنامے پر جسقدر بھی فخر کرے۔ بجا ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس بات پر ناز ہے کہ اس کا جنگی نظام ہمیشہ ہندوستانیوں سے

ممتاز رہا ہے۔ اور اسی لئے انہیں ہندوستانیوں پر فتح حاصل ہوتی رہی ہے۔ لیکن اسی قوم کو اعتراف ہے کہ حیدر علی کا جنگی نظام ان کے اپنے اس وقت کے نظام جنگ سے بھی بہتر تھا۔ کرنل اسمتھ کی ناکامیابی، کرنل بریٹ وائیٹ کی شکست، سر ہکٹر منرو اور سر اٹر کوٹ کی پسپائی، اور مدراس کا محاصرہ اس امر کا ثبوت دے رہے ہیں کہ اسکی جنگی چالیں اس کے حریفوں سے بہت بڑھی ہوئی تھیں۔۔ اسی لیے تمام مغربی مورخین کو بھی اپنی تاریخوں میں اعتراف کرنا پڑا۔ کہ

"ہندوستان میں انگریزوں کو حیدر علی سے بڑھکر اور کوئی زبردست حریف نہیں ملا۔ تمام بڑے بڑے معرکوں میں اس نے انگریزوں کو شکست فاش دی۔ بلکہ ہندوستان میں انگریزوں کی ہستی اسکے رحم وکرم پر منحصر ہو گئی تھی"!

یہ ترکی کی خوش قسمتی تھی کہ وہاں موجودہ زمانہ میں **مصطفٰے کمال** کی ایک ایسی شخصیت پیدا ہوئی جسکی زندگی کے حالات بالکل حیدر علی سے ملتے جلتے ہیں۔ مصطفٰے کمال بھی ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوتا ہے۔ سپہ سالار کے عہدہ پر ترقی کرتا ہے۔ وردانیال (گیلی پولی) میں ملک وملت کے دشمنوں کو وہ زبردست شکست دیتا ہے کہ پھر انکو اس طرف رُخ کرنیکی جرأت نہیں ہوتی۔ لیکن اسکا صلہ اسکو یہ ملتا ہے کہ اسکو اناطولیہ میں جلاوطن کر کے اس کے سر کیلئے انعام مشتہر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حیدر علی بھی ایک معمولی خاندان میں پیدا ہوتا ہے۔ سپہ سالار کے عہدے پر ترقی کرتا ہے۔ ملک کو مرہٹوں کے آہنی پنجے سے رستگاری دلاتا ہے۔ اسکا صلہ بھی اسکو وہی ملتا ہے جو مصطفٰے کمال کو ملا۔ جس طرح مصطفٰے کمال پر یونانیوں کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح حیدر علی پر مرہٹوں کو مسلط کیا جاتا ہے۔ جس طرح مصطفٰے کمال نے سقاریہ کی جنگ میں ٹڈی دل یونانیوں کے پرخچے اڑا کر ایک آزاد سلطنت قایم کرتا ہے۔ اسیطرح مرہٹوں اور میسور کے راجہ کی ٹڈی دل فوج کو شکست فاش دیکر حیدر علی نے بھی ایک آزاد سلطنت قایم کی تھی۔

مصطفٰے کمال بھی ہر وقت اپنے سر کی بازی اسی طرح لگاتا ہے۔ جس طرح حیدر علی نے لگائی تھی۔ حیدر علی پر جس طرح آفات و مصائب کے پہاڑ ٹوٹے۔ اور جس طرح اس نے ان کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اسی طرح مصطفٰے کمال بھی کبھی ہراساں نہیں ہوا۔ استقلال حاصل کرنے کے بعد مصطفٰے کمال کو مہلت ملی کہ اپنی قوم کو بامِ ترقی پر پہونچانے کے وسائل اختیار کرے۔ اس کی پوری قوم اسکی شریک حال رہی۔ لیکن حیدر علی کو کوئی ایسا موقع نہیں ملا۔ اس کے اہلِ وطن (جیسے مرہٹے) اور اس کے ہم مذہب مسلمان (ارکاٹ و حیدر آباد) اور بیرونی دشمن (ایسٹ انڈیا کمپنی) نے اس کی پوری زندگی میں اس کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا لیکن اس کے باوجود بھی وہ اپنی وفات کے وقت ایک ایسی طاقتور اور زبردست سلطنت چھوڑ جاتا ہے۔ جو ترکوں کی موجودہ سلطنت سے زبردست اور رقبہ میں اس سے کئی گنا بڑھکر تھی۔ اور جو دشمنوں کے دلوں میں خار بنکر کھٹکتی رہی۔ اور جب تک اس کو بالکل ختم نہ کر دیتے ایسٹ انڈیا کمپنی اور مرہٹے تو خیر خود مسلمانوں کو بھی صبر نہ آیا۔

خدا رحمت کرے ہندوستان اور عالم اسلام کے اس زبردست ہیرو پر۔ جو ہندوستان کا نجات دہندہ بنکر آیا تھا۔

ابوالفتح
فتح علی ٹیپو سلطانؒ

درمیانِ کارزارِ کفر و دیں
ترکشِ ما را خدنگِ آخریں

ابوالفتح فتح علی ٹیپو سلطان رح

پیدائش خاک دیون ہلی کی تقدیر چمک اٹھی بہ ۱۱۶۳ھ (مطابق ۱۷۵۲ء) ۲۰ ماہ ذی الحجہ بروز شنبہ کی پہلی ساعت میں بطنِ حیدر و فاطمہ (سلطان کی والدہ کا نام فاطمہ بیگم تھا) سے وہ لعل شب تاب پیدا ہوا۔ جس کی نظیر ہندوستان ہی کی نہیں بلکہ دنیا کی تاریخ بھی بمشکل پیدا کر سکے گی۔ جس طرح اسکی پیدائش عجیب و غریب حالات کے تحت میں ہوی۔ اسی طرح اسکی زندگی اور موت کے حالات بھی حیرت انگیز ہیں۔

نوٹ:۔ دیون ہلی بنگلور سے شمال مشرق کی طرف تقریباً بائیس میل پر ایک قریہ ہے۔ یہاں قلعہ سے باہر جس مکان میں سلطان کی پیدائش ہوی۔ وہاں پر ایک چبوترہ اور چار دیواری باندھکر ایک کتبہ نصب کیا گیا ہے۔ جس میں سلطان کی تاریخ پیدائش کندہ ہے۔ یہ مکان اب نہیں ہے۔ صرف چار دیواری کے اندر چبوترہ اور کتبہ موجود ہے۔

نواب حیدر علی کا کاشانہ اقبال اس در مقصود سے خالی تھا۔ جس کو اولاد کہتے ہیں اس لئے بذریعۂ روح پُر فتوح حضرت ٹیپو مستان ولی رحمۃ اللہ علیہ (جن کی مزار شہر ارکاٹ میں ہے) بارگاہِ ایزدی میں دعا مانگی گئی۔ کہ بخشش اولاد سے یہ خاندان بہرہ ور ہو۔ دعا مقبول ہوئی۔ اور حسبِ منت جب شہزادۂ بلند اقبال پیدا ہوا۔ تو حضرت ٹیپو مستان کے نام نامی پر اس کا نام ابوالفتح فتح علی ٹیپو سلطان رکھا گیا۔

اس شہزادۂ بلند اقبال کے تولد کے ساتھ ہی آسمانی برکات کا نزول اس طرح ہونے

درمیانِ کارزارِ کفر و دیں ؛ ترکشِ مارا خدنگِ آخریں



ٹیپو سلطان بحالتِ جوانی

لگا کہ فوجی ملازمت سے ترقی کرتے ہوئے ایک سال کے اندر ہی اندر حیدر علیؒ ڈنڈیگل کے گورنر بھی ہو جاتے ہیں۔ (اور دن بدن ترقی کرتے ہوئے) تھوڑے ہی عرصہ میں رئیسول کی ریاست اور بادشاہوں کے تخت وتاج ان کی قوتِ بازو کے مرہون احسان بنجاتے ہیں۔ انکے اسپ صبارفتار کی جولانی سرزمین جنوبی ہند میں زلزلہ ڈالدیتی ہے۔ ایک جانب تو ارکاٹ اور حیدر آباد کی اسلامی ریاستیں کبھی ان کا دم بھرنے لگتی ہیں۔ اور کبھی ان کو مٹانے کیلئے غیراقوام کے ساتھ ملکر سازش کرتی ہیں۔ دوسری جانب مرہٹے، انگریز اور فرانسیسی بھی اس بڑھتی ہوئی طاقت سے لرزہ براندام رہتے ہیں۔ دریائے کرشنا سے جنوب میں جس قدر ملک ہے۔ وہ نشانِ حیدری کے سایۂ عاطفت میں آجاتا ہے۔ ریاست میسور جو صرف ۳۳ دیہات پر مشتمل تھی۔ ایک وسیع اور عریض سلطنت بنجاتی ہے۔

بچپن

سلطان کی پیدائش جن حالات کے تحت میں ہوئی۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کی پرورش اور تربیت کے متعلق والدین نے کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔ جس وقت سلطان کی عمر کا پانچواں سال شروع ہوتا ہے۔ تو عربی اور فارسی کی تعلیم کے علاوہ امور جہانبانی کی تعلیم کیلئے اعلے پیمانہ پر انتظام کیا گیا۔ فنونِ سپہ گری اور شہسواری سکھلانے کیلئے بڑے بڑے مشہور استاد ملازم رکھے گئے۔ ٹیپو سلطان نے پندرہ سولہ برس کی عمر میں خود کو ایک لائق شہزادہ اور بہادر سپاہی ظاہر کیا۔ اور باپ کے ساتھ لڑائیوں میں شامل ہونے لگا۔ اس کے بعد باپ کے حکم سے بطور خود میدان کارزار میں جاکر طریقۂ جنگ سے کامل واقفیت حاصل کی۔

بچپن کے حالات میں سب سے زیادہ دلچسپ اور حیرتناک امر یہ ہے کہ جب ٹیپو سلطان کی عمر چھ یا سات سال کی تھی۔ تو وہ سرنگاپٹم میں اس جگہ جہاں اب مسجد اعلیٰ ہے کھیل

رہا تھا۔ کہ ایک فقیر روشن ضمیر کا گذر اس طرف سے ہوا۔ (حیدر علی راجۂ میسور کی ملازمت میں نایک کے عہدے پر تھے۔ اور اسوقت زیر عتاب تھے) اُس نے بچے کو دیکھکر کہا کہ:۔

"تیری خوش نصیبی ایک دن تجھے اس ملک کا حکمراں بنائیگی۔ اور جب وہ وقت آئیگا۔ تو اس جگہ ایک ایسی مسجد تعمیر کر جو زمانہ میں تیری یادگار رہے۔"

بچے نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:۔

"جب وہ بادشاہ ہوگا تو ضرور ایسا کریگا"

خدا کی شان کہ باپ شہر سے دور، راجۂ میسور کا معتوب ہوکر اپنی آخری بازی میدانِ جنگ میں کھنڈے داؤ سے کھیل رہا ہے۔ ماں اور دوسرے عزیز و اقارب قلعہ میں اسیر ہیں۔ مگر بچہ یقین کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ فقیر کی ہدایت کی تعمیل لفظ بلفظ کریگا۔ اور دنیا نے دیکھ لی کہ فقیر کی پیشین گوئی کس طرح پوری ہوئی۔ اور سلطان نے اپنا وعدہ کس خوبی سے پورا کیا۔

جوانی اور ایامِ ولیعہدی

شہزادہ ٹیپو نے جبکہ اس کی عمر پندرہ سال کی تھی اپنے نامور و شجیع باپ حیدر علی خان بہادر کے ساتھ رہکر فنون جنگ کی عملی تعلیم حاصل کی۔ یہاں تک کہ دو سال کے عرصۂ قلیل میں وہ اپنی خداداد قابلیت سے ایک بہت بڑا سپاہی، لائق جنرل اور فاضل اہل قلم بن گیا۔ یہاں تک کہ فوجوں کی علیحدہ کمان اس کے تفویض کردی گئی۔ تخت نشینی تک سلطان کے کارنامے حالات نواب حیدر علی میں لکھے جا چکے ہیں۔ مگر یہاں دوبارہ سلسلہ قایم رکھنے کیلئے اجمالاً تذکرہ کیا جاتا ہے۔

جس وقت ۱۷۷۲ء میں سلطان کی عمر ۲۱ سال کی تھی: تو نواب حیدر علی خاں نے

اس کو آٹھ ہزار سوار جوشن پوش اور بائیس[۲۲] ضرب توپ دیکر مرہٹہ سپہ سالار ترمک راؤ کے مقابلے میں بھیجا سلطان نے پائین گھاٹ میں اتر کر میدان کاویری میں ڈیرے نصب کئے اسوقت معلوم ہوا کہ مرہٹہ فوج دتہر میسوری کو لوٹ رہی ہے۔ اور کسی گاؤں کی لوٹ کا سامان بھی ان کے ساتھ ہاتھی گھوڑوں پر لدا ہوا موجود ہے۔ سلطان یہ حالت دیکھکر خود بھی بھیس بدلکر لوٹنے والوں کے ساتھ شامل ہوگیا۔ گویا کہ وہ بھی مرہٹی فوج کا کوئی سردار ہے۔ جب لوٹ ہوچکی تو مرہٹے سامان لاد کر چلنے لگے۔ اسی وقت یکایک بحکم سلطانی مرہٹی سپاہ پر گولیاں برسنی شروع ہوگئیں۔ آخر دشمن سب اسباب وہیں چھوڑ کر فرار ہوا سلطان چار ہزار گھوڑے، سینکڑوں بیل اور اونٹ، مع بیس ہاتھی۔ جن پر تمام اسباب و سامان لدا ہوا تھا اپنے قبضہ میں لیکر صحرائے ماگڑی کیطرف واپس ہوا۔

اس جنگ میں دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ صحرائے ماگڑی درگ میں سلطان چھ ہزار سوار اور تین ہزار شتر سوار اور تین ہزار پیادے اور توپ خانہ کے ساتھ خیمہ زن تھا رائے پتی کی ندی کے قریب مرہٹی فوج کے رسد کا قافلہ آکر اترا۔ اس قافلہ میں اڑتیس[۳۸] ہاتھی سینکڑوں اونٹ اور بیل۔ بہت بڑا خزانہ اور حفاظت کے لئے دس ہزار سوار موجود تھے سلطان نے رات کے وقت شبخون مارا۔ اور قتل عام شروع کر دیا۔ صبح ہوتے ہوتے دشمن کی سب فوج کٹ گئی۔ اور جو کچھ بچے وہ بھاگ گئے۔ آخر کار صبح ہوگئی۔ ٹیپو سلطان نے اس تمام بار برداری اور اسلحہ کو سرنگاپٹم روانہ کر دیا۔

جب یہ خبر ترمک راؤ سپہ سالار افواج مرہٹہ کو پہونچی تو اس کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ اور اس کے ساتھ ہی پونا میں کچھ ایسے واقعات ہووے کہ وہ نواب حیدر علی سے صلح کر کے پونہ کو روانہ ہوگیا۔

انگریزوں سے پہلی جنگ

اس جنگ کا آغاز ۱۷۶۶ء میں ہوا۔ اسوقت سلطان کی عمر ۱۶ سال کی تھی۔ اس جنگ میں نواب حیدر علی خان بہادر نے اپنے لائق فرزند ٹیپو سلطان کو سات ہزار کی جرار فوج دیکر نگر کی جانب روانگی کا حکم دیا۔ ٹیپو سلطان نے بندرگاہ کوڑیال میں پہونچکر انگریزی فوج کو دیکھتے ہی اندازہ کرلیا، کہ وہ اپنی سات ہزار کی فوج سے دشمن کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اس لیئے اس نے ایک طویل مراسلہ والد کی خدمت میں مزید کمک کیلیئے بھیجا۔ حیدر علی بذاتِ خود ایک بہت بڑی کمک لیکر آپہنچے۔ اور ٹیپو سلطان کو قلعہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ سلطان نے قلعہ فتح کرلیا۔ انگریزی سپہ سالار شکست کھاکر ساحل کی طرف مع اپنی فوج کے چلا گیا۔ اور وہاں سے جہاز میں سوار ہوگیا۔ اس نمایاں کامیابی پر باپ نے بیٹے کی بہت تعریف کی۔

اسی جنگ میں جبکہ نظام، مرہٹے اور انگریز ملکر مختلف محاذ پر حملے کررہے تھے۔ تو نواب حیدر علی نے فوج دیکر ٹیپو سلطان کو مدراس پر حملہ کرنے کیلیئے بھیجا۔ سلطان کا دھاوا ایسی عجلت اور سختی سے ہوا کہ مدراس کے انگریز سراسیمہ اور پریشان ہوکر نواب حیدر علی کی پیش کردہ شرائط پر صلح کرنے کیلئے مجبور ہوگئے۔

اسی سال کڈپہ، کرنول، بلاری، اناگندی اور دھارواڑ پر لشکر کشی ہوئی اور بہ حیثیت سپہ سالار نوجوان شہزادہ نے ان سب میں حصہ لیا۔ جہاں جاتا تھا۔ فتح وظفر اس کے ہمرکاب رہتی تھی۔

شادی

جب ان لڑائیوں سے فرصت ہوئی اور نواب حیدر علی خان مظفر و منصور سرنگاپٹم واپس آئے۔ تو مناسب جانا کہ شہزادہ والاتبار اور خاندان کی دوسری شادیوں سے فرصت پالیں۔ چنانچہ ۱۷۷۴ء میں ٹیپو سلطان کی شادی

حسبِ مرضی نواب حیدر علی خان امام صاحب بخشی نائطہ کی لڑکی سے اور حسب تجویز خواتین محل رقیہ بانو صبیہ لالہ میاں شہید چرکولی و خواہر برہان الدین سے ہو گئی ۔ دونوں نکاح ایک ہی شب میں ہوئے ۔

نظام اور مرہٹوں سے جنگ

ابھی ان شادیوں سے فرصت نہ ہوئی تھی ۔ کہ نواب حیدر علی خاں بہادر کو نظام، مرہٹے اور انگریزوں سے جنگ پیش آئی ۔ ۱۱۸۰ھ مطابق ۱۷۶۶ء میں قلعہ گتی فتح ہوا ۔ اور ۱۱۸۸ھ سے لیکر ۱۱۹۱ھ تک (مطابق ۱۷۷۴ء سے ۱۷۷۹ء) قلعہ چتلدرگ، علاقہ کڑپہ اور کنجی کوٹہ فتح کر لئے گئے ۔ اور ۱۱۹۴ھ مطابق ۱۷۸۰ء میں پھر میسور کی دوسری جنگ شروع ہو گئی ان مذکورۂ بالا جنگوں میں سلطان ہر جنگ میں شریک رہا ۔

میسور کی دوسری جنگ

تاریخ شاہد ہے کہ نواب حیدر علی خان کو جن انگریز جنرلوں سے مقابلہ پڑا ہے ۔ ان میں سب سے زیادہ ہشیار کرنل بیلی اور سر آئر کوٹ تھے ۔ بیلی کو جو شکست فاش ہوئی ۔ اس میں ٹیپو سلطان کی کارگذاری کو بہت بڑا دخل ہے ۔ جنرل سر آئر کوٹ ایک جہاندیدہ اور تجربہ کار اور بڑا آزمودہ جنرل تھا ۔ جس نے نواب حیدر علی کی فوجوں کو بھی شکست دی تھی ۔ جسوقت محمود بندر پر لڑائی ہو رہی تھی ۔ تو نواب حیدر علی خان بہادر نے اپنی فوجوں کی کمان شہزادۂ والا تبار ٹیپو سلطان کے ہاتھ میں دیدی تھی ۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ٹیپو سلطان نے کہاں تک فنون جنگ میں ترقی کی تھی ۔

حیدر علی کی رحلت

ابھی میسور کی دوسری جنگ ختم بھی نہیں ہوئی تھی ۔ کہ ملیبار کے نائروں نے بغاوت کر دی تھی چنانچہ سلطان اپنے باپ

کے حسب الحکم نائروں کی تنبیہ کیلئے روانہ ہو گیا. اور حیدر علی خان ارکاٹ سے ۱۶ سولہ میں شمال کی جانب خیمہ زن تھے. کہ پیام اجل آ پہنچا. اور ۱۱۹۵ھ کی اخیر شام یعنے ۱۱۹۶ھ (مطابق ۱۷۸۲ء ۷ دسمبر) کی چاندرات کو انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا.

سلطان کو منگلور کے قریب نواب حیدر علی کا خط ملا. جو کہ وفات سے ایک روز پیشتر لکھا گیا تھا. جس میں یہ تحریر تھی:-

"نور چشم راحت جانِ پدر!

درصورتے کہ تم کو اس نواح کے متمردوں کی تنبیہ و تادیب سے قرار واقعی جمعیت خاطر اور اطمینان کلی حاصل ہو تو چشم پدر کو اپنے دیدار راحت آثار سے جلد روشن اور منور کرو. اور اگر کچھ کمک اور فوج کی احتیاج ہو تو اس کا حال گذارش کرو. فقط"

خط کے ملتے ہی سلطان بسرعت تمام ارکاٹ کی جانب روانہ ہوا. نواب حیدر علی کی وفات کو امراء اور سرداران فوج نے ملکی مصلحت کے پیش نظر نہایت پوشیدہ رکھا تھا. سلطان کو جب والد کے انتقال پُر ملال کی خبر ملی تو اسکے رنج و غم کی کوئی انتہا نہ رہی.

اس عرصہ میں شہزادہ کریم شاہ نواب حیدر علی کے عوض کاروبار سلطنت چلا رہا تھا سلطان جس وقت سرنگاپٹم پہونچا تو کریم شاہ نے بڑھکر استقبال کیا. اور تمام امور مملکت کو سلطان کے تفویض کر دیا.

سلطان کی تخت نشینی

حیدر علی کی وفات کے بعد اب وہ وقت آ پہنچا کہ فقیر کی پیشین گوئی پوری ہو.

یعنے ٹیپو سلطان نے ۲۰ محرم ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲ء روز یکشنبہ کو تاج شاہی زیب سر کیا۔ ارکان دولت کو خلاع فاخرہ سے سرفراز کیا گیا۔ فوج کو انعام دیا گیا۔ محفل جشن آراستہ ہوئی۔ امرائے دولت واعیان سلطنت نے نذریں پیش کیں۔ مبارک سلامت کی دہوم ہوئی۔ تخت نشینی کی اطلاع کیلئے خط، رقعے، فرمان، پروانے چاروں طرف روانہ کیئے گئے۔ تمام ملک کے ناظموں، قلعداروں اور افسران فوج کو لکھا گیا۔ کہ جو جہاں ہے اپنا فرض منصبی نہایت خوبی اور اطمینان سے ادا کرتا رہے۔ اسی طرح میر صادق اور پورنیا دیوان اور وزیر مالیات مقرر ہوئے۔

ملا فیروز اپنی تاریخ فتوحات برطانیہ میں سلطان کی تخت نشینی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

سران سپہ محفل آراستند — ہمہ دست بر سینہ برخاستند
بگفتند کای شاہ گردوں سریر — ہمہ چاکرانیم فرماں پذیر
سر ماست بر خط فرماں بری — زتو حکم کردن زما چاکری
نترسیم از آتش و آب و خاک — فدائی ہوا خواہیت جان پاک
چوں سلطاں لقب یافتی از نخست — کنوں تخت و تاج شہی زان تست
پسر در جہاں آں بود نیک نام — کہ برتر نہد از پدر چند گام
ز رخسار چوں ماہ برکش نقاب — نہاں چند داری بابر آفتاب
چوں ایزد ترا داد فر شہی — تبقدیم فرماں مکن کوتہی
سکندر صفت ملک تسخیر کن — سر دشمناں زیر شمشیر کن
بزن سکۂ خویش بر سیم وزر — کہ از سکہ نام شہاں شد سمر

بسر جائی دہ تاج شاہنشہی | بنا پائے بر تخت فرماں دہی
بفتح و ظفر پائے نہ در رکاب | جہانگیر شو چوں بلند آفتاب
بسے نامداراں و گردن کشاں | پئے خدمت تنگ بستہ میاں
اگر حکم سازی بہ وقتِ وغا | چو جوہر در آہن بسازیم جا
بفرمانت ای شاہ مالک رقاب | بدریا بتازیم ہمچوں حباب
بفرمانت ای شہ در آذر رویم | نداریم غم چوں سمندر رویم
باقبالت اے سرور دیں پناہ | ربائیم از فرق کیواں کلاہ
خدا یاور و بخت یار تو باد | جہاں از کرم زیر بار تو باد
سریر تو بادا سپہر بریں | سم مرکبت باد تاج زمیں
سر حاسداں زیر پائے تو باد | ہمہ عیش عالم برائے تو باد"

جس وقت حیدر علی کی وفات ہوی تھی۔ اس وقت انگریزوں سے جنگ کا خاتمہ نہ ہوا تھا۔ اور مختلف محاذ پر لڑائیاں برابر جاری تھیں۔ رسوم تخت نشینی سے فارغ ہو کر سلطان نے پھر جنگ کی طرف توجہ کی۔ دو ہزار فرانسیسی سپاہی کمک کے لئے روانہ کئے گئے۔ اس وقت انگریزی فوج جنرل اسٹیورٹ اور جنرل لانگ کے ماتحت وانڈی واش میں پڑی ہوی تھی۔ سلطان نے ممرو اور عملور کے راستے سے وانڈی واش پر بڑھکر پانچ میل پر قیام کیا۔ اور جنگ کیلئے فوجوں کو ترتیب دی۔ مگر دوسرے ہی دن انگریزی فوج بغیر کسی جنگ کے گورنر مدراس کے حکم پر اپنا بوریہ بستر سنبھال کر مدراس چلی گئی۔ سلطان اپنی فوجوں کو لیکر ترووتور کی طرف بڑھا۔ اور ڈیرے ڈالدئے۔

بغاوتیں | اسی اثنا میں خبر آئی کہ نواب کے لے پالک لڑکے ایاز خاں نے ملیبار

میں باغی ہوکر کوڑیال بندر اور نگر کو بمبئی کی انگریزی فوج کے حوالے کر دیا ہے۔ اور دوسری طرف اپنے شامیا دارالسلطنت سرنگاپٹم میں قلعہ دار سے سازش کر رہا ہے کہ حرم سرائے سلطانی کو مقید کر کے دارالسلطنت پر قبضہ کرلے۔ تیسری طرف کڈپہ کے نواب عبدالحلیم خاں کے بھائی نے انگریزوں سے مچھلی بندر میں خفیہ طور پر معاہدہ کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ اور اسی طرح کنانور میں بالیا ہونے سرکشی کی ہے۔

ان خبروں کے موصول ہوتے ہی سلطان نے بدرالزماں خاں نائطہ۔ صلابت خاں بخشی۔ میر غلام علی اور میر معین الدین کو تسخیر پائیں گھاٹ کیلئے یعنے انگریزوں سے جنگ کرنے کیلئے چھوڑ کر حیدر نگر کا رخ کیا۔ چنگی گھاٹ پر پہونچکر محمد علی کمیدان کو دارالسلطنت پر بھیجا۔ قمرالدین خاں کو کڈپہ کی جانب روانہ کیا۔ سلطان ڈبونہلی۔ مدگری اور سرا کی راہ سے ہوتے ہوئے نواح چیلدرگ میں مقیم ہوا۔

محمد علی سرنگاپٹم میں

محمد علی کمیدان نے سرنگاپٹم کے قریب آکر مشہور کیا کہ وہ براہ کورگ تسخیر حیدر نگر کیلئے جا رہا ہے۔ اس نے قلعہ دار سرنگاپٹم کو ایک نہایت دوستانہ خط لکھا۔ اور درخواست کی کہ جنگ پر جانے سے پہلے اس کو ایک شب قلعہ سرنگاپٹم میں اہل و عیال کے ساتھ گذارنے کا موقع دیا جائے قلعہ دار نے محمد علی کی عاجزی اور درخواست پر اجازت دیدی۔ ان میں اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ ابھی تک چونکہ اسکی اور شامیا کی سازشیں پایۂ تکمیل کو نہ پہونچی تھیں۔ اس لئے ابھی سے محمد علی کو روکنا مناسب نہ تھا۔ اندرونی طور پر محمد علی نے اپنے سپاہیوں کو یہ حکم دیا کہ جب وہ قلعہ میں داخل ہوکر بگل بجائے تو تمام کے تمام دیوار پر چڑھکر قلعہ پر قبضہ کرلیں۔ اس کے تمام سپاہی قلعہ کے اطراف میں چھپ گئے۔ محمد علی منتخب پچاس ہاتھیوں کے ساتھ

قلعہ کو روانہ ہوا۔ اور آنے کی اطلاع دی۔ جونہی قلعہ کا اندرونی دروازہ کھلا۔ ان پچاس ساتھیوں نے محافظوں کو قابو میں کر کے بگل بجا دیا۔ باہر جو فوج کمینگاہوں میں تھی۔ فوراً نکل آئی۔ اور آناً فاناً میں تمام قلعہ پر قابض ہو گئی۔ محمد علی نے قلعہ دارا ور اپنچے شامیا کے مکانات کا محاصرہ کر لیا۔ اور اس وقت تک انہیں یہ معلوم بھی نہیں ہوا۔ کہ قلعہ پر کیا گذری۔ قلعہ دار اور اپنچے شامیا گرفتار کر لئے گئے۔ دوسرے دن صبح کو حسب الحکم والدہ سلطان بعض مجرموں کو توپ سے اڑا دیا گیا۔ اور اپنچے شامیا کو بھاری طوق آہنی پہنا کر قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ قلعہ کی کمان اسدخاں رسالدار کو دیگئی۔ اور سید محمد خاں مہدوی گورنر سرنگا پٹم بنایا گیا۔ اس مہم سے فارغ ہونیکے بعد محمد علی اپنی فوج کے ساتھ نگر کیطرف بڑھکر حضور سلطانی میں باریاب ہوا۔ جہاں سلطان نے اس نمک حلالی اور مستعدی پر اس کو خلعت فاخرہ بخشی۔

تسخیر حیدرنگر

محمد علی کمیدان کی فوج کے آنے پر سلطان حیدرنگر کیطرف بڑھا۔ اور اٹھارہ دن کی سخت جنگ کے بعد انگریزی فوج نے پسپا ہو کر قلعہ سلطان کے حوالہ کر دیا۔ مورخ سلطانی نے اس وقت

"حیدرنگر گرفتہ"
۱۱۹۷ھ

تاریخ نکالی۔

تسخیر حیدرنگر سے فارغ ہو کر سلطان کوڑیال بندر کی طرف بڑھا۔ راستہ میں اس انگریزی فوج سے جو کرنل کیمبل کے ماتحت حیدرنگر کی طرف جا رہی تھی۔ لڑائی ہو گئی۔ صبح سے دوپہر تک جنگ ہوی۔ جس میں افواج سلطانی مظفر و منصور ہوئیں۔ انگریزی فوج تمام کی تمام یا تو ماری گئی یا قید ہو گئی۔ اور کل سامان جنگ و ہتھیار وغیرہ

سلطانی قبضہ میں آگئے۔ کوڑیال بندر پر جس وقت سلطانی فوج پہنچی۔ تو موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ مگر باوجود اس کے فوج نے نہایت جوش کے ساتھ قلعہ پر حملہ کیا۔ اور چند ہی گھنٹوں کے اندر قلعہ پر علم سلطانی لہرانے لگا۔ انگریزی سپہ سالار جنرل میتھیوز افواج سلطانی کے ہاتھوں اسیر ہوا۔

کڈلور کی شکست، جنرل میتھیوز کی اسیری اور تمام ملک کرناٹک ہاتھ سے نکل جانے سے مدراس کی گورنمنٹ اس درجہ سراسیمہ ہوی کہ انگریزوں نے فوراً صلح کی درخواست کی۔ جس کو سلطان نے منظور کر لیا۔ اور صلحنامۂ منگلور مرتب ہوا۔ اس صلحنامہ کی رو سے تمام ممالک حیدری پر جو اس جنگ سے پیشتر قلمروئے سلطنت خداداد میں شامل تھے۔ سلطان کی سیادت کو قبول کر لیا گیا۔

تسخیر نگر کے بعد محمد علی کمیدان کی موت

تسخیر نگر کے بعد ہی محمد علی کمیدان نے خودکشی کر لی۔

انگریز مورخین اپنی فطرت سے مجبور ہو کر لکھتے ہیں کہ محمد علی کی خودکشی کا باعث سلطان ہے۔ لیکن یہ نہیں لکھا جاتا کہ محمد علی کی خودکشی کے اسباب کیا تھے۔ اس لئے اس واقع پر روشنی ڈالنے کیلئے مورخ سلطانی کی تحریر کے علاوہ یہاں ان تمام علل و اسباب کو بتلایا جاتا ہے جو محمد علی کی خودکشی کا باعث بنے۔ ورنہ سلطان نے جو کچھ اس معاملہ میں کیا۔ اس میں وہ بالکل حق بجانب تھا۔

مورخ سلطانی لکھتا ہے:۔

"تسخیر حیدر نگر کے موقع پر جب انگریزوں نے عاجز آکر صلح کی درخواست کی۔ اور صلحنامۂ منگلور مرتب ہوا۔ تو اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قلعہ دار قاسم خاں کی جان

بخشی کی جائے۔ اور اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے "!

فتح کوڑیال بندر سے فارغ ہو کر سلطان نے قاسم خاں کو حضوری میں طلب کیا۔ کیونکہ اس نے نمک حرامی کرتے ہوئے نگر ایسے مضبوط قلعہ کو بغیر جنگ کئے انگریزوں کے حوالے کر دیا تھا۔ اور اس پر سلطان نے اسے سزائے موت کا حکم دیدیا۔ اس پر یہ الزام بھی تھا کہ اس نے انگریزوں کے ماتحت نگر کی لفٹنٹ گورنری قبول کر لی تھی۔ جب سلطانی فوج نے نگر کا قلعہ دوبارہ فتح کر لیا۔ تو قاسم خاں محمد علی کی پناہ میں آ گیا۔ دوسرے دن صبح کو حکمِ سلطانی کے بموجب قاسم خاں کو ملازمانِ شاہی مقتل کو لیکر چلے۔ تو محمد علی نے مزاحمت کی اور فوج کو قاسم خاں کے قتل سے روک دیا۔ جب سلطان کو اس واقعہ کی خبر ملی۔ تو اس نے محمد علی کو بلا کر فہمایش کی اور کہا کہ قانونِ سیاست کی رو سے اور نیز سلطنت کا نظم و نسق بحال رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ قاسم خاں ایسے غدار کو سزائے موت دیجائے مگر محمد علی نے سلطان کی بات کو نہایت بے توجہی اور لاپرواہی سے سنا اور بغیر سلام کئے چلدیا۔ اگرچہ سلطان کو محمد علی کی اس نازیبا اور نالایق حرکت پر بہت ہی غصہ آیا۔ مگر اسکی سابقہ نمک حلالی اور جانثاری کا پاس کر کے سلطان خاموش رہگیا۔

دوسرے دن پھر قاسم خاں کو سزائے موت دینے کیلئے سپاہی اس کو مقتل لے گئے۔ مگر اسی وقت محمد علی ہاتھی پر سوار ہو کر مقتل میں داخل ہوا۔ اور قاسم خاں کو سپاہیوں سے چھڑا کر اپنے ہاتھی پر سوار کر لیا۔ اور اعلان کر دیا کہ جو شخص ہمارا ساتھ دینے کیلئے تیار ہے۔ وہ ہمارے ساتھ چلے۔ فوج کے دو تین سو آدمی محمد علی کے ساتھ ہو گئے۔ اور ان سب نے مل کر سرنگا پٹم کی طرف رخ کیا۔ جب سلطان کو اس کی خبر پہونچی تو سید حمید اور غازی خاں کو بھیجا کہ محمد علی کو لیکر آئیں۔ یہ ابھی چار کوس ہی گئے تھے۔ کہ افواج سلطانی نے انہیں گھیر

لیا۔ اور حضور سلطانی میں لے آئے۔

جونہی سلطان کی نظر قاسم خاں پر پڑی۔ اس نے اسکے قتل کا حکم دیدیا۔ اور فوراً اس کا کام تمام کردیا گیا۔ ان باغیوں کو جنہوں نے محمد علی کا ساتھ دیا تھا۔ قرار واقعی سزا دیگئی۔ محمد علی کو نظربند کردیا گیا۔ رات کے وقت خود اس نے اپنی زبان کو کھینچکر خودکشی کرلی۔ بعض کہتے ہیں کہ ہیرے کی کنی نگل کر خودکشی کرلی تھی۔ بہرطور مورخین نے اس شجیع ونامور جنرل کی موت کی تاریخ اس طرح نکالی۔

"رکن دولت بافتاد"

اس میں شک نہیں کہ محمد علی کمیدان نے خودکشی کرکے اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیا لیکن اس کے لئے سلطان کو کسی طرح بھی ذمہ دار نہیں گردانا جاسکتا۔ سلطان کا منشا صرف قاسم خاں کو سزا دینا تھا۔ لیکن محمد علی ناحق میدان میں کود پڑا اور وہ قاسم خاں کی (جس نے کہ غداری اور نمکحرامی کرکے اپنے آقا کے ایک مضبوط قلعہ کو دشمنوں کے سپرد کردیا تھا۔) ناجائز حمایت کرکے اقتدار سلطانی کو صدمہ پہنچانے کا باعث ہوا۔ محمد علی کا یہ فعل کہاں تک حق بجانب تھا۔ اس کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑا جاتا ہے۔ محمد علی نے خودکشی اس لئے کرلی کہ سلطان نے اسکی بات کی پروا نہیں کی۔ اگر آئین جہانبانی کی رو سے دیکھا جائے تو سلطان قاسم خاں کو سزائے موت دینے میں یقیناً حق بجانب تھا۔

دور حاضرہ کی مہذب حکومتوں نے اکثر بڑی بڑی شخصیتوں اور اعیان سلطنت کو محض اختلاف رائے یا شبہ کی بنا پر بلاتکلف موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ قاسم خاں کے علاوہ محمد علی کمیدان کا جرم بھی کچھ کم سنگین نہیں تھا۔ کہ وہ ایک نمکحرام اور غدار سلطنت کی بیجا حمایت کرکے سلطان کی صریح حکم عدولی کر رہا تھا۔ لیکن رحمدل سلطان نے اس کے

خلاف کوئی سخت کارروائی کرنے کے بجائے صرف اسے نظر بند کرنیکا حکم دیدیا۔

یہ اور بات ہے کہ محمد علی کی غیور طبیعت نے اس کو گوارا نہیں کیا۔ اور اس نے خود کشی کر لی۔ سلطان کو بھی اس کا افسوس تھا۔ اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ محمد علی کی موت کے بعد مادر سلطان نے محمد علی کی بیوہ کو اپنی آغوش شفقت میں لیکر محل سلطانی میں اسکی پرورش کی۔ اور سلطان نے کبھی بھی اس سے تعرض نہیں کیا۔

کمیدان محمد علی کے صفات

محمد علی ایک نہایت قابل اور ہوشیار سپہ سالار تھا۔ اس نے متعدد مواقع پر ایسی ہوشیاری اور چالاکی سے کام لیا کہ میدان جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ نواب حیدر علی کی زندگی میں انکا قوت بازو بنا رہا۔ اور نواب کی وفات کے بعد بھی سلطان کا ساتھ اسی طرح دیا۔ مگر اسکی طبیعت میں شروع ہی سے خودسری رہی۔ جسکی وجہ سے نواب حیدر علی نے بھی اس کو ایک دفعہ منصب سے معزول کر دیا تھا۔ اور یہی خودسری سلطان کے وقت میں اسکی موت کا باعث ہوئی۔

محمد علی نہایت فقیر دوست تھا۔ اسکی موت کے بعد اسکے پاس جو چیزیں نکلیں۔ ان میں سوائے چند بوسیدہ کپڑے اور ایک ٹوپی کے کچھ نہ تھا۔ جس قدر مال ملتا تھا۔ وہ سب فقیروں میں اسی وقت تقسیم کر دیتا تھا۔ حتیٰ کہ بعض وقت جنگوں میں شاہی خزانہ بھی ہاتھ آجاتا تو وہ فقیروں کی نذر ہو جاتا۔

میسور کی دوسری جنگ کا سلسلہ

ہم یہ آگے لکھ چکے ہیں کہ پائین گھاٹ میں انگریزوں سے جنگ جاری رکھنے کیلئے سلطان اپنے سپہ سالاروں کو چھوڑ آیا تھا۔ جب سلطان نگر کی لڑائی میں مشغول تھا تو ادھر پائین گھاٹ میں اسکے سپہ سالار انگریزوں سے نبرد آزما ہوئے۔ کرنل لانگ ترچناپلی سے

نکل کر کرور اور ڈنڈیگل پر قبضہ کرنے کیلئے بڑھا۔ میر معین الدین نے بدر الزماں خان نائطہ کو مقابلہ کیلئے بھیجا۔ جسوقت بدر الزماں خاں نواح کرور میں پہنچا۔ تو قلعدار کرور انگریزوں سے مل گیا تھا۔ اور قلعہ پر انگریزی علم نصب تھا۔ کرنل لانگ یہاں سے فارغ ہوکر آرواکرچی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بدر الزماں نے اس قلعہ کی دوسری طرف دریائے امراوتی کے کنارے کیمپ ڈالا۔ دوسرے دن باوجود بدر الزماں کی سخت کوششوں کے انگریزی فوج قلعہ پر قابض ہوگئی۔ اور بدر الزماں اپنی فوج کو لیکر دھارا پورہ آگیا۔

دوسری قابل ذکر جنگ جو پائین گھاٹ میں ہوی۔ وہ کڈلور کی جنگ تھی۔ جس میں تمام افواج سلطانی کے علاوہ فرانسیسیوں نے بھی حصہ لیا۔ ادہر انگریزی جنگی جہازوں نے بھی اپنی فوج کی حفاظت کیلئے کڈلور پر گولہ باری کی۔ ایک نہایت خونریز جنگ کے بعد جس میں کئی مرتبہ دست بدست لڑائی ہوئی۔ افواج سلطانی اور فرانسیسی غالب آئے جب یہ خبر مدراس پہنچی تو والاجاہ محمد علی کے مشورہ سے مدراس کی گورنمنٹ نے صلح کی درخواست بھیجی۔ محمد علی والاجاہ نے اس صلح کیلئے بہت کوشش کی۔ اور بالآخر ۱۷۸۴ء میں صلح ہوگئی۔ شرائط صلح میں طے پایا کہ فریقین اپنے اپنے علاقوں پر جو قبل از جنگ ان کے قبضہ میں تھے قابض رہیں۔

مگر مورخ سنکلیر اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۰۸ میں لکھتا ہے :-

"انگریز جب صلح کی درخواست کئے تو سلطان کا پیمانۂ غرور لبریز ہوگیا۔ اس کی منہ مانگی مراد بر آئی۔ کہ اس کا دشمن اس کے آگے سر جھکائے ہوئے طالب صلح تھا۔ سلطان نے فوراً دعوت صلح قبول کرلی۔"

سلطان باوجود فاتح ہونیکے جب اسکے دشمنوں نے اس کے آگے سر جھکادیا تو اپنی

دریا دلی سے بغیر تاوانِ جنگ یا کوئی حصّہ ملک لینے کے صلح کیلئے رضامند ہو گیا۔

کیا اس سے بڑھکر دریا دلی اور فراخ حوصلگی کا ثبوت تاریخ اور کوئی دیتی ہے؟

تعزیری مہمات

انگریزوں سے جنگ ختم ہونے پر سلطان نے اندرونی سازشوں کے استیصال پر توجہ فرمائی۔ اور اس سلسلہ میں تعزیری مہمیں بھیجی گئیں۔ سیّد غفار اور امام خاں کابلی اور سید عمر سپہ دار، پنگنور اور مدن پلی پر بڑھے یہاں پہنچکر راجہ پنگنور کے پاس پیغام صلح و اطاعت بھیجا۔ لیکن وہ بارہ ہزار کی فوج لیکر مقابلہ کیلئے نکلا۔ جنگ میں راجہ مارا گیا۔ فوج منتشر ہو گئی۔ سلطانی فوج تعاقب کرتی ہوئی بہوئی کنڈہ کے جنگل کا محاصرہ کر لی۔ جس میں یہ سب پناہ گزین تھے۔ یہاں کا راجہ چک رائل اول پلی کو فرار ہو گیا۔ ڈھائی ماہ تک اول پلی کا محاصرہ رہا۔ راجہ محاصرہ کی تاب نہ لاکر جینور بھاگا۔ اول پلی پر سلطانی افواج کا قبضہ ہو گیا۔ یہاں سے بڑھکر شیخ عمر سپہ دار نے پنگنور پر قبضہ کر لیا۔ پنگنور کے قریب کوہستان کیوار میں ایک بہت بڑے بلند پہاڑ پر ایک تالاب تھا۔ یہ پہاڑ کی بلندی اور اس پر تالاب کا ہونا شیخ عمر کو نہایت پسند آیا۔ شیخ عمر نے سلطان سے سفارش کی۔ کہ اس جگہ ایک قلعہ بنوایا جائے۔

جس وقت سلطان وہاں آیا۔ تو آپ خود جاکر پہاڑ دیکھا اور قلعہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ اور اس قلعہ کا نام رحمان گڑھ رکھا۔

تعزیری مہمات کے سلسلہ میں دوسری فوج سپہ سالار برہان الدین کے زیر کمان نرکنڈہ پر بھیجی گئی۔ مرہٹوں کی اور خصوصاً پرسرام ناظم مرج کے اشتعال پر یہاں کا راجہ خود مختار بن بیٹھا تھا۔ یہاں پہونچکر برہان الدین نے اسکے پاس صلح و آشتی کا پیغام بھیجا۔

جس کا جواب نہایت تلخ آیا۔ دوسرے دن برہان الدین نے قلعہ پر گولہ باری کا حکم دیا۔ اسی دن رات کو راجہ کی فوج نے قلعہ سے اتر کر سلطانی سپاہ پر شبخون مارا۔ جس میں بخشی صلابت جنگ اور دو سو سپاہی مارے گئے۔ یہ حالت دیکھکر برہان الدین نے محاصرہ اور سخت کر دیا۔ تمام گرمی کا موسم محاصرہ قایم رہا۔ باوجود سخت تدابیر کے بھی قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ ادہر راجہ کی حالت دن بدن خراب ہو رہی تھی۔ اس نے پرسرام ناظم فوج سے کمک طلب کی۔ پرسرام کی جانب سے پانچ ہزار سوار پونا سے نکلے۔ جب یہ خبر سلطان کو پہنچی۔ تو اس نے میر قمر الدین کو برہان الدین کی کمک پر بھیجا۔

راستہ میں میر قمر الدین کی فوج کا پیرزادہ سید محمد داماد عبدالحلیم خاں حاکم کڈپہ کی فوج سے مقابلہ ہو گیا۔ جو کہ سلطانی علاقوں میں لوٹ مار کر رہا تھا۔ پھل مامڑا میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ کڈپہ کی فوج قریب قریب سب ماری گئی۔ سید محمد فرار ہو گیا۔ یہاں سے میر قمر الدین دریائے کرشنا کی جانب بڑھا۔ جہاں سے مرہٹی فوج نرگونڈہ کی امداد کیلئے آ رہی تھی جس وقت میر قمر الدین کی فوج پہنچی۔ تو اس وقت مرہٹی فوج دریائے کرشنا عبور کر رہی تھی۔ اسی حالت میں اس پر حملہ کیا گیا۔ مرہٹی فوج منتشر ہو کر فرار ہوی۔ یہاں سے میر قمر الدین نرگونڈہ پہنچکر محاصرہ میں شامل ہو گیا۔

جب کمک کی امید منقطع ہو گئی تو راجہ نے صلح کا پیغام بھیجا۔ راجہ کو طلب کر کے اس کو مع اہل و عیال قید کر کے سرنگاپٹم روانہ کر دیا گیا۔

اس جگہ سپہ سالار برہان الدین کو میر قمر الدین کی نیت پر شبہ ہوا۔ اس کو معلوم ہوا۔ کہ میر قمر الدین خفیہ طور پر میر نظام علی خاں حیدرآباد سے خط و کتابت کر رہا ہے۔ تو برہان الدین نے سلطان کو معلوم کرایا کہ قمر الدین حیدرآباد جانے کے خیال میں ہے۔ اور چادر

گھاٹ میں مکان تعمیر کر رہا ہے ۔ سلطان نے قمر الدین اور اسکے منشی کو حاضری کا حکم بھیجا۔ قمر الدین منشی کو حیدر آباد روانہ کر کے آپ حاضر ہوا۔ سلطان نے منشی کے متعلق دریافت کیا تو عرض کیا کہ وہ رخصت لیکر اپنے خاص کام کیلئے حیدر آباد گیا ہے ۔ سلطان کا شک اور بڑھ گیا۔ اور اس کو نظر بند کر دیا۔

بغاوت کورگ

سنہ ۱۷۸۴ء

اہل کورگ ہمیشہ بغاوت پر آمادہ رہتے تھے ۔ نواب حیدر علی کے زمانہ میں کئی بار یہاں بغاوتیں ہوئیں ۔ سلطان بارہ ۱۲ ہزار پیادہ اور دس ۱۰ ہزار سوار اور بائیس ۲۲ ضرب توپ لیکر نکلا ۔ سرحد کورگ پر پہنچکر سواروں کو پریاپٹن ، سداپور ، منظر آباد پر حملہ کا حکم دیا ۔ اور آپ پیادہ فوج لیکر اندرون ملک بڑھا ۔ رتن منڈل میں باغیوں سے مقابلہ ہو گیا ۔ سلطانی سپاہ موسیو لالی کے زیر کمان قلعہ پر حملہ آور ہوئی ۔ ایک سخت اور گھمسانکی جنگ کے بعد باغی فوج پیچھے ہٹنا شروع ہوئی ۔ اس وقت سلطان نے اس پر اپنی باڈی گارڈ سے حملہ کر دیا ۔ باغیوں کی صف بندی ٹوٹ گئی ۔ اور وہ فرار ہوئے ۔ سلطانی فوج نے تہل کا دیری نتن ہلی اور خوشحال پور پر قبضہ کر لیا ۔

اب باغیوں نے باقاعدہ جنگ چھوڑ کر پہاڑوں اور گھنے جنگلوں میں چھپ چھپ کر چھاپے مارنا شروع کیا ۔ مگر سلطان کی عمر اپنے نامور و شجیع باپ کے ساتھ ایسے ہی جنگوں میں گذری تھی ۔ لہذا سلطان نے تمام جنگلوں کو کاٹنے کا حکم دیدیا ۔ اور باغیوں کے مقابلہ کیلئے حسین علی خاں بخشی ، میر محمود ، امام خاں اور موشیر لالی کو روانہ کیا ۔

سلطان آٹھ ماہ تک کورگ میں مقیم رہا۔ اس عرصہ میں تمام کورگ کامل طور پر از سرِ نو تسخیر کر لیا گیا۔ ان جنگوں میں میر حسین علی خان بخشی نے نہایت ناموری پیدا کی۔ تمام کورگ میں اس کے نام کی دھاک بیٹھ گئی۔ اس نے باغیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے آٹھ ہزار مرد وعورت گرفتار کر لیا۔ ہزارہا باغی مارے گئے۔ جنگلات اور مواضع تباہ کر دے گئے۔ اور کئی ایک جگہ آگ لگا دی گئی۔ تمام کورگ میں حسین علی خاں کا نام "بنکی نواب" مشہور ہو گیا۔

نوٹ:۔ کنڑی زبان میں "بنکی" آگ کو کہتے ہیں۔ بنکی نواب کے نام سے بنگلور اور میسور میں ابھی تک دو راستے منسوب ہیں۔ بنکی نواب کا مزار سرنگا پٹم میں گنبد کے احاطہ میں ہے۔

دوسرے سردار بھی ہزارہا باغیوں کو گرفتار کر کے لائے۔ مورخ سلطانی لکھتا ہے کہ:۔

"اس جنگ میں اسّی ہزار مرد اور عورت گرفتار کر لئے گئے"۔

جس وقت بغاوت کورگ کامل طور پر فرو ہو گئی۔ تو بالیابنو (کنانور کی رانی) جو خود مختاری کا اعلان کر بیٹھی تھی، پیش کش لیکر حضور سلطانی میں آئی۔ اور از سرِ نو تجدید فرمان اطاعت کر کے واپس لوٹی۔

کورگ کا نئے طور پر انتظام کر کے سلطان مراجعت فرمائے سرنگا پٹم ہوا۔ باغیوں کے سرگروہ تموٹی نائر اور ورنکا نائر جوگی گرفتار ہوئے۔ ان میں اول الذکر چند دن بعد مر گیا اور دوسرا مسلمان ہو گیا۔ اس کا نام شیخ احمد رکھا گیا اور اسکو عہدۂ رسالداری دیا گیا۔

جب تمام قیدی سرنگا پٹم پہونچے تو انکو دعوت اسلام دیگئی۔

مورخ سلطانی لکھتا ہے کہ:۔

"ان کے آگے مذہب اسلام پیش کیا گیا۔ اور اس کے فوائد و برکات سمجھائے گئے۔ یہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔"

ان کو فوج میں داخل کر لیا گیا۔ اور اس فوج کو "جماعت احمدی" کا نام دیا گیا۔ اس فوج کو آٹھ رسالوں پر تقسیم کر کے ان کو ہری کپڑے کی وردی سے آراستہ کیا گیا۔

نوٹ:۔ آسٹریا کی جنگ میں جب ہزارہا اسیر ہاتھ آئے تو سلطان ترکی نے انکی ایک علیحدہ فوج بنائی۔ جو تاریخ میں "ہنگ چری" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ فوج سلطانی باڈی گارڈ میں شامل تھی۔ شاید سلطان نے بھی ترکوں کی تقلید کرتے ہوئے اسیران کورگ کو مسلمان بنا کر انکی ایک خاص فوج "جماعت احمدی" کے نام سے مرتب کی ہو۔

مورخ سلطانی کورگ کے حالات اپنی کتاب "نشان حیدری" میں اسطرح لکھتے ہیں:۔

"اس ملک کی خوبیوں کا حال کیا بیان کیا جائے۔ کمر کمر تک وہاں کے کھیت لہلہا رہے تھے۔ اور جنگل میں انواع و اقسام کے درخت مثل ساگوان، صندل، رال سفید، عود خام وغیرہ کے۔ قدرت کا شاندار نمونہ ظاہر کرتے تھے۔ کالی مرچ (فلفل سیاہ) کے درختوں کا مسلسل جال نہایت دلفریب معلوم ہوتا تھا۔ اور چھوٹی الائچی کے درختوں کے نیچے الائچیاں، جوار مکا کے کھیتوں کی طرح پھیل رہی تھی۔ دارچینی کے درخت آسمان سے باتیں کرتے تھے۔ اور باغستانی درختوں میں فالسہ، موز، بیری، بہین، اناس سفرجل، کٹھل، بڑھل، جامون وغیرہ کے درختوں سے اس زمین پہ باغ کی کیفیت نظر آتی تھی۔ اور پھولوں میں گل مہندی، گیندا، نسترن، سوسن، چنبیلی، گلزار ہمیشہ بہار کی کیفیت ظاہر کرتے تھے۔ ہاتھی اور ہتھنیوں کے گلے اور ان کے بچے کثرت سے جنگل میں پھرتے اور پہاڑیوں کے نیچے سونڈوں سے درختوں کی شاخیں

توڑتے نظر آتے تھے۔ اور یہ جنگل ان کا جولانگاہ تھا۔ اس ملک کے لوگوں نے ان ہاتھیوں کی تاخت سے محفوظ رہنے کیلئے ایک بہت بڑا حصار مع بروج وفصیل کے بنا کر اس کے آس پاس بہت گہرا خندق کھود لیا تھا۔ اور حصار کے اندر رہنے کے مکان بنائے گئے تھے۔ کہ ہاتھیوں کی تاخت سے انکو پناہ ملے۔ لوگ ان گھروں میں رہتے۔ اور اس لالہ زار کا لطف اٹھاتے تھے۔ گلے سے گھٹنوں تک کا ایک لباس پہنتے چمڑے کی ٹوپی سر پر لگاتے۔ ایک رومال کمر میں باندھتے، تیر لگانے اور بندوق چلانے میں ہر شخص مشاق پایا جاتا۔ انکی عورتیں حسن کی دیویاں نظر آتیں۔ انکے حسن و جمال سے اس زمین پر پرستان کی کیفیت معلوم ہوتی۔ اور ان کے حسن کو انکا لباس پوشیدہ نہ کرتا۔ بلکہ وہ دو ہاتھ کا رومال سینے پر باندھ لیتے۔ اور ناف سے زانو تک دھوتی باندھتیں، باقی سب جسم کھلا رہتا۔ وہاں کے مردوں میں قوت رجولیت کم ہوتی۔ اس لئے چار چار حقیقی بھائی ایک عورت کو بی بی بناتے یا چار دوست ملکر ایک عورت کو زوجہ قرار دیتے۔ اور ایک روز کی باری سے اسکے پاس رہتے۔ یا سب کے سب ایک ہی رات کو یکے بعد دیگرے ہمبستر ہوتے۔ اور جو اولاد ہوتی۔ وہ سب کے ورثہ کی مستحق قرار پاتی۔

اس جنگل میں مذکورۂ بالا خوبیوں کے ساتھ بعض خوفناک چیزیں بھی کثرت سے پائی گئیں۔ مثلاً وہاں کے سبز و شاداب درختوں پر پانی کی نمی سے جونکیں چمٹی ہوی رہتی ہیں وہ آدمی پر کود کر گرتی اور کہیں نہ کہیں اسکے جسم سے چمٹ جاتی ہیں اور جب پیٹ بھر کر خون پی لیتی ہیں۔ تب علیحدہ ہوتی ہیں۔ اسی طرح بڑے بڑے اژدھے، زہریلے سانپ، بچھو اور دوسرے زہریلے جانور کثرت سے اس جنگل میں رہتے پائے گئے۔"

برہان الدین کی شادی اور سادات و نائطہ کی مخالفت

جب بغاوتیں کامل طور پر فرو ہوگئیں۔ اور ملک میں امن و امان ہوگیا۔ تو سلطان نے تنظیم ملک و فوج پر توجہ کی۔ اور اپنے نسبتی برادر برہان الدین بن لالہ میاں کی شادی بھی کر دینا مناسب سمجھا۔ اسکے لئے نواب بدرالزماں نائطہ گورنر نگر کی دختر منتخب ہوئی۔ اور نواب کو حیدر نگر سے حضوری میں طلب کیا گیا۔ جس وقت بدرالزماں حضوری میں آئے تو سلطان نے خود ان کا استقبال کرتے ہوئے تحفہ تحائف نذر کیے۔ اور درخواست کی کہ برہان الدین کو اپنی دامادی میں قبول کریں۔ حیدر علی کے حالات میں ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ کس طرح اہل نوائط سلطان کے خاندان کو نسب کے اعتبار سے اپنے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ اس موقع پر یہی بات پیش آئی۔ مگر بدرالزماں خاں نے خاص حضور سلطانی میں انکار کرنا خلاف مصلحت سمجھا۔ شادی کی خبر جب معلوم ہوئی تو اہل نوائط حد درجہ برہم ہوئے۔ بدرالزماں کی بیوی اور بیٹی بھی اس شادی کی مخالف ہوگئیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شادی کی شب کو اس لڑکی نے کنوئیں میں گر کر خودکشی کر لی۔ اہل نوایط اور سادات کے دلوں میں کدورت آگئی۔ اور یہی وہ کدورت ہے جسکی وجہ سے سادات اور نائطہ سلطان کے خلاف ہو کر سلطنت خداداد کے زوال کا باعث ہوئے۔

نائطہ

ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے۔ کہ جب مسلمان ہندوستان میں ملک گیری میں مصروف تھے۔ اور انکی سلطنت دہلی میں قایم ہوگئی تھی تو عراق ایران و عرب سے لوگ ہند کو آرہے تھے۔ کہ مسلمان بادشاہوں کی علم دوستی و غریب پروری سے

فائدہ اٹھائیں۔ مسلمان بادشاہوں نے ان نو واردوں کا جو اس نئے ملک میں نائطہ کہلائے گئے۔ بوجہ اسکے کہ وہ عرب سے متعلق تھے۔ عرب کی محبت میں ان سے حد درجہ سلوک کرنا شروع کیا۔ اور ملک میں تمام مذہبی عہدے، قاضی، محتسب وغیرہ انہی لوگوں کو دئے جانے لگے۔ اور اس طرح اہل نوائط کی تمام لوگوں پر ایک مذہبی سیادت قایم ہوگئی۔ جس کی وجہ سے یہ لوگ اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے برتر سمجھنے لگے۔ اور شادی و بیاہ کے معاملہ میں انہوں نے یہاں تک احتیاط کی۔ کہ ملک کے کسی طبقہ سے بھی اختلاط جائز نہیں سمجھا گیا۔ ان لوگوں میں مذہبی علم وفضل کا نہایت چرچا تھا۔ اور مذہبی عہدے انہیں میں محدود تھے"۔

اس تفوق و برتری کی وجہ سے جو نواب بدرالزماں کو بحیثیت نائطہ ہونے کے تھی۔ خاندان سلطان سے نسب کرنے میں عار تھا۔

حیدر آباد اور مرہٹوں سے جنگ

۱۷۸۴ تا ۱۷۸۷ء

مرہٹوں اور نظام الملک نظام علیخاں کو امید تھی کہ سلطنتِ خداداد اپنی اندرونی بغاوتوں اور انگریزوں سے جنگ ہونیکا باعث سر نہیں اٹھا سکیگی۔ اور ٹیپو سلطان کا خاتمہ ہوجائیگا۔ مگر انکی امیدوں کے خلاف سلطنتِ خداداد ابھری۔ اور اس شان سے ابھری کہ تمام جنوبی ہندوستان میں سلطانی شان وشکوہ اور جلالت و جبروت کا پرچم اڑنے لگا۔ دریائے کرشنا سے لیکر ٹراونکور تک سلطان کی ہیبت چھائی ہوی تھی۔

انگریزی مورخین لکھتے ہیں کہ :۔

"جنوبی ہندوستان نے کسی سلطان کو نہیں دیکھا بلکہ صرف ٹیپو سلطان ہی ایک ایسا سلطان ہوا کہ جسکی شاہانہ عظمت وجبروت ہر ایک کو متحیر کر دیتی تھی"

حیدر آباد اور پونا کو یہ کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ وہ حریف جس کو وہ ہمیشہ زک دینے پر آمادہ رہتے تھے۔ اس طرح سر اٹھائے۔ لہٰذا دونوں سلطنتوں میں بمقام ایت گیر ۸ ارمارچ ۱۷۸۷ء میں ایک معاہدہ ہوا۔

نظام علی خاں مطبوعہ حیدر آباد کے مصنف کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ معاہدہ کرنے کی تحریک مرہٹوں کی جانب سے ہوئی۔ جو ٹیپو سلطان کی ترقی سے خائف ہو گئے تھے۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۴۳ پر لکھا گیا ہے :۔

"جب پیشوا کو یہ معلوم ہوا کہ انگریز اور ٹیپو سلطان کے مابین صلح ہو رہی ہے تو انہوں نے خیال کیا کہ انگریزی کمپنی معاہدہ سالبی کو فسخ کرنے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ جس پر انہوں نے ٹیپو سلطان کے پاس بغرض مصالحت و وصول پیشکش اپنے ایلچی روانہ کئے۔ جس کے جواب میں ٹیپو سلطان نے کہلا بھیجا۔ کہ انکے والد نے چند ضرب توپ اور بندوقوں کے سوائے اور کوئی چیز متروکہ نہیں چھوڑی ہے۔ جس کے ساتھ میں حاضر ہوں گا۔ اس جواب سے مرہٹوں نے خائف و پردل ہو کر یہ تجویز کی کہ نظام علیخاں کے ساتھ اتحاد قائم کر کے ٹیپو سلطان سے ان علاقوں کو حاصل کریں۔ جن پر انھوں نے قبضہ کر لیا تھا"

اس معاہدہ کے بعد انکی متفقہ فوجیں ممالک محروسۂ سلطنت خداداد پر بڑھیں۔ اس وقت قلعۂ دھاڑواڑ پر حیدر بخشی کمانڈر تھا۔ جس نے رشوت لیکر قلعۂ ڈھاڑواڑ کے علاوہ کنچن گڈھ، نولگنڈہ، نرگنڈہ اور بھدرا ندی کے اس پار کا تمام علاقہ دشمنوں

کے حوالے کر دیا۔

جس وقت سلطان کو یہ خبر پہونچی، تو ماہ شعبان کی چھ تاریخ کو ایک جرار فوج لیکر دارالسلطنت سے نکلا۔ بنگلور کے راستے سے ادہونی کیطرف بڑھا۔ اسوقت ادہونی میں میر نظام علیخاں کا داماد نواب مہابت جنگ تھا، جس نے اپنے دیوان اسد علی خاں کو حضور سلطانی میں صلح کیلئے بھیجا۔ اس موقع پر سلطان نے سفیر سے کہا:۔

"مجھے تم لوگوں سے کچھ دشمنی نہیں ہے۔ مگر چونکہ نواب نظام علیخاں نے بے وجہ ہم سے چھیڑ چھاڑ شروع کی ہے۔ اور مرہٹوں سے اتفاق کرکے اس سلطنتِ خداداد کی تباہی پر کمر باندھی ہے۔ میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ نظام الملک کو اسلام کا کچھ بھی پاس نہیں۔ اس نے ہمیشہ اس اسلامی سلطنت کو مٹانے کیلئے اعدائے اسلام سے سازشیں کی ہیں۔ اور اس موقع پر بھی جس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے۔ کہ مساجد اور اہل اسلام کے گھروں کو بت پرستوں نے بے حرمت کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ نظام الملک ہم سے اتفاق کرلے۔ اور دونوں سلطنتوں کی فوجیں متفق و متحد ہو کر پونا پر چڑھائی کریں۔ مذہب و ملت کی لاج رکھتے ہوئے خدا کی رضامندی اور خلق اللہ کی رفاہ کیلئے جہاد پر کمر باندھیں۔ جو ایک مسلمان کی سرخروئی کا باعث ہے۔"

اتمام حجت اور مسلمانوں میں یکجہتی و اتفاق پیدا کرنے کے خیال سے سلطان نے محمد غیاث کو ایلچی بنا کر حیدر آباد روانہ کیا۔ اور نظام الملک کے نام ایک خط بھی لکھا۔ جس کا اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے:۔

"میں یعنے ٹیپو سلطان مسلمانوں کی سلطنت کو تقویت دینا اور اپنی جان اور مال خدا کے سچے مذہب اسلام پر نثار کر دینا چاہتا ہوں۔ ایسی حالت میں تمام مسلمانوں کو

میرے ساتھ ہونا چاہیئے۔ نہ یہ کہ میرے خلاف بت پرستوں کا ساتھ دیں۔ اوران کے ساتھ ہوکر اسلامی ممالک کی تاخت وتاراج کرنا ذریعہ حصول جاہ خیال کریں۔ جیسا کہ نواب نظام علیخاں بہادر نظام حیدرآباد بار بار پیشوائے پونا کا ساتھ دیتے اور دونوں فوجیں ملکر میرے ملک کو پامال اور میری رعایا کو شکستہ حال کرتی رہتی ہیں۔ اورافسوس کہ میں نے مخفی طور پر نظام علی خاں بہادر کو سب کچھ سمجھایا لیکن وہ مرہٹوں کی یلغار کو اپنے ملک سے دور رکھنے کیلئے انکی دوستی کو مقتضائے مصلحت جانتے ہیں۔ حالانکہ مرہٹوں نے آپ کو بہت سا نقصان پہونچایا۔ اور ملک کو تاخت وتاراج کیا۔ مسجدوں کو ڈھایا اور خانقاہوں کو گرایا۔ اس کا اقتضایہ تھا کہ وہ میری طاقت کو اپنی طاقت سمجھ کر رہتے۔ اور جب میری اور انکی دو طاقتیں ایک جگہ ملجاتیں تو مرہٹوں کی کیا مجال تھی کہ وہ اپنے ملک سے ایک قدم باہر نکالنے کا حوصلہ کرتے۔ لیکن اس کا بڑا سبب انگریزوں کی عقلمندی ہے جو نظام حیدرآباد کو مجھ سے ملنے نہیں دیتی۔ اور وہ نظام کو مرہٹوں سے متفق کرکے میرے خلاف فوج کشی پر ابھارتے رہتے ہیں۔ اب اگر کوئی تدبیر میرے اور نظام کے اتفاق و یکجہتی کی ہوسکتی ہے تو وہ یہ کہ میرے خاندان کی لڑکیاں نظام کے بیٹوں، بھتیجوں اور نظام کے خاندان کی لڑکیاں میرے بیٹوں اور بھتیجوں کو بیاہی جائیں۔ تاکہ طرفین سے ابواب یگانگت کشادہ ہوجائیں۔ اور سب کو ان دونوں اسلامی طاقتوں کے متحد ہوجانے کا علم ویقین ہوجائے"!

اس خط کے ساتھ سلطان نے اعلیٰ درجہ کے قیمتی تحائف وجواہرات اور امراء ووزراء کیلئے قیمتی خلعتیں روانہ کیں۔ غیاث الدین نے حیدرآباد پہونچکر وہ خط



اور تحائف وغیرہ پیش کر کے نظام الملک کو اتفاق و یک جہتی پر توجہ دلائی۔ نظام الملک کے دل پر بھی اس تقریر کا اثر ہوا۔ مگر جب نظام الملک حرم سرا میں گئے۔ تو اس وقت شاطروں نے مزاج کا رنگ بدل دیا۔ اور سب سے بڑا عذر جو پیش کیا گیا۔ وہ یہی تھا کہ اعلیحضرت نظام کا درجہ ایک نایک کے فرزند سے قرابت کا نہیں ہو سکتا۔ نظام الملک نے ایلچی کو بے نیل و مرام واپس کر دیا۔ اس پر رائے زنی کرتے ہوئے نشان حیدری کا مصنف مورخ کرمانی جو سلطان کا مصاحب بھی تھا طنزاً لکھتا ہے:۔

"یہ ایک دعویٰ باطل ہے کہ نظام الملک سوائے اپنی ذات کے دکن کے اور دولتمندوں کو شریف نہیں سمجھتا تھا۔ اور اپنی دولت و حشمت پر آپ ناز کرتا تھا۔ خدا گواہ ہے کہ سلطان ذی شان نسب کے اعتبار سے دوسروں سے کچھ کم نہیں ہے۔ اور نہ وہ کسی کمینہ عورت کے بطن سے پیدا ہوا ہے۔ اور حسب میں اس کا اقتدار اسباب دنیاوادی اور امارت و جلالت یگانۂ روزگار ہے۔ اور وہ شجاعت و بہادری میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ بعض نادان لوگوں نے جو لقب نایک کو اسکے نام پر ایزاد کیا ہے۔ اس سے وہ صریح مغالطہ میں ہیں۔ نایک لقب سپہ سالار فوج کا ہے۔ قوم کا نام نہیں۔

خدائے قادر برحق کی قدرت نامتناہی میں اس قدر وسعت ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے۔ دین و دنیا میں اس کو سعادتمند بنا دیتا ہے۔ اور دنیا کے مال و دولت اور مرتبہ سے سرفراز کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہند اور دکن کے ان سلاطین سے جو بارگاہ خداوندی میں مقبول اور جن کی بارگاہ مرجع انام تھی۔ واقف نہیں ہیں۔ کہ وہ نسب و حسب کے اعتبار سے کیا تھے۔ اور کیا ہو گئے۔ کون نہیں جانتا کہ سلطان حسن گنگوہ (جو سلطنت بہمنی کا بانی اور حسن شاہ بہمنی کے نام سے مشہور ہوا)

کا حسب و نسب کیا تھا۔ اور یہ بھی ہر شخص جانتا ہے۔ کہ باوجود اس سیادت کے اسکی وفات کے بعد اسکی قبر پر بجلی گری۔

اللہ اللہ کہ اس زمانہ میں دنیاوی مال و دولت کے اثر سے رذیل لوگ بھی دعوائے صحیح النسبی کر رہے ہیں۔ اور کمظرف و کم فطرت لوگ اپنے غرورِ بیجا سے سیادت اور شرافت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور اپنے برابر کسی کو اشراف نہیں سمجھتے۔ سہ

زشتی ظرف و اصالت ہست در دولت نہاں
عیب پوش قحبۂ بد شکل زریں چادر است"

سلطان کا ایلچی بے نیل و مرام واپس آگیا۔ اور نظام الملک بدستور مرہٹوں سے ملکر تاخت و تاراج میں مصروف رہا۔ اب سلطان کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا۔ اور یہ اپنی فوجوں کو لیکر برق و باد کی طرح حیدر آبادی و مرہٹی فوجوں پر گرا۔ اور ایک ایسا سبق دیا کہ مرہٹے اور نظام ذیل سے ذیل شکست کھاکر میدانِ جنگ سے فرار ہوگئے۔ اور دوسری طرف باوجود اس سطوت و نصرت کے سلطان کا سلوک خاندان حیدر آباد اور دوسرے اسیرانِ جنگ سے ایسا ہے کہ اسکی نظیر بمشکل تاریخ دے سکے گی۔

ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ قلعہ ادہونی پر مہابت جنگ داماد نظام الملک کا تسلط ہوگیا تھا۔ افواج سلطانی نے اس کا محاصرہ کرتے ہوئے ایسا سخت حملہ کیا کہ دوسرے دن صبح قلعہ کا دروازہ کھل گیا۔ مگر سلطان کو کسی طرح معلوم ہوگیا کہ نظام الملک کی بیٹی مہابت جنگ کی ناموس قلعہ میں موجود ہے۔ اسکے پاسِ خاطر سے سلطان نے فوجوں کو قلعہ پر قبضہ کرنے سے روک دیا۔ اگرچہ اسوقت رستم جنگ اور موسیو لالی فرانسیسی سپہ سالار

نے جو ملازم سلطانی تھے۔ بہت کچھ سلطان سے کہا کہ یہ وقت ہاتھ نہ آئیگا۔ مگر سلطان نے اپنا حکم واپس نہ لیا۔ اور اس طرح ادھونی کا قلعہ حیدر آبادی فوج کے ہاتھ میں اور چند دن رہا۔ سلطان اپنی تھوڑی فوج کو اس نواح میں چھوڑ کر خود پیچھے ہٹ گیا۔ جس کی وجہ سے مہابت جنگ کا زنانہ اور دیگر حیدر آبادی خواتین ادھونی چھوڑ کر رائچور چلا گئے۔ جب سلطان کو یہ خبر معلوم ہوی تو اس نے فوجوں کو تسخیر ادھونی کا حکم دیدیا۔

اٹھارہ دن کی سخت لڑائی اور محاصرہ کے بعد قلعۂ ادھونی جو کہ نہایت مضبوط اور ناقابل تسخیر خیال کیا جاتا تھا۔ سلطانی فوجوں نے فتح کرلیا۔ اور مال غنیمت میں نواب بسالت جنگ مرحوم کا سلاح خانہ اور کتب خانہ بھی ہاتھ آیا جو سرنگاپٹم روانہ کردیا گیا۔ سلطان نے قطب الدین خاں کو قلعدار اور دولت رائے کو ادھونی کا صوبہ دار مقرر کیا۔ قلعہ اور اطراف کی پہاڑیوں کے پائیں حصار تمام توڑ ڈالے گئے۔ (قلعۂ ادھونی ضلع بلاری میں ہے۔ یہ قلعہ راجگان وجیا نگر کا بنایا ہوا نہایت مضبوط اور ناقابل تسخیر تھا) ادھر سے فارغ ہوکر سلطان مرہٹوں کی طرف متوجہ ہوا سب سے پہلے کنچن گڈھ پر قابض ہوا۔ رانی فرار ہوگئی۔ اور اس کا بیٹا گرفتار ہوگیا۔ جو بعد میں مسلمان ہوگیا۔ اور علی مردان خاں نام رکھا گیا۔ (جامع اوراق)

کنچن گڈھ سے افواج سلطانی ساونڈور میں مقیم ہوئیں۔ حاکم ساونڈور نے اطاعت قبول کرلی۔ اب سلطانی افواج کمپلی کی طرف بڑھیں۔ اور ایک سخت لڑائی کے بعد کمپلی پر قبضہ کرلیا۔ اس جنگ کے دوران میں سلطان کے بعض سپاہیوں کی چیرہ دستیوں کے باعث چند عورتیں دریا میں ڈوب کر مر گئیں۔ جب یہ خبر سلطان کو پہنچی۔ تو اس نے ان سپاہیوں کو عبرتناک سزائیں دیں۔

اس کے بعد جب سلطان قلعۂ دھاڑواڑ پر قبضہ کرنے کی غرض سے بڑھا۔ تو موسم بارش کی وجہ سے دریائے تنگبھدرا میں طغیانی آ گئی۔ اور سلطانی فوج کو مجبوراً رک جانا پڑا۔ جب اقبال عروج پر ہوتا ہے۔ تو اس وقت ناممکن کام بھی ممکنات میں سے ہو جاتے ہیں۔ اور ہر بگڑی ہوئی سنور جاتی ہے۔ سلطان نے کئی دن تک انتظار کیا۔ کہ دریا اتر جائے۔ مگر طغیانی کسی طرح کم نہ ہوتی تھی۔ آخر سلطان نے حکم دیا کہ دریا میں اکیس گولے مارے جائیں اور کہا کہ "یہ بھی گویا ہمارے دشمن کا ہراول ہے۔ جو ہمارا راستہ روکے ہوئے ہے۔" قدرت الٰہی دیکھئے کہ گولے پھٹتے ہی دریا کا پانی کم ہونے لگا۔ اور دریا پایاب بن گیا۔ اس واقعہ کا اثر ایسا ہوا کہ تمام دیکھنے والے اور اہلِ فوج نے اس کو سلطان کی کرامت قرار دیا۔ اور اس کی فتح و نصرت کے نعرے لگائے۔ سلطان دریا پار ہو کر دھاڑواڑ کی طرف بڑھا۔

حسین علی خاں اور مہا مرزا خاں کے ماتحت غازی خاں ولی محمد خاں کابلی ابراہیم خاں اور فاضل خاں سپہدار اپنی فوج لیکر بڑھے۔ اور دوسری طرف قادر خاں میر محمد اور امام خاں بڑھے، یہ فوجیں کچھ اس طرح بڑھیں کہ مرہٹی فوج نرغے میں گھر گئی۔ اور سرداران مرہٹہ اپنی جانیں بچانے کیلئے اپنے اہل و عیال کو میدانِ جنگ ہی میں چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ اور جس وقت افواج سلطانی انہیں اسیر کر کے لائیں تو سلطان نے ازراہ کرم و مراحم خسروانہ ان سے نہایت عزت اور شفقت کا برتاؤ کیا۔ اور بہت سے زر و جواہر دیکر انہیں پونا روانہ کر دیا۔ کہ وہاں جا کر صلح و آشتی کا پیغام دیں۔

شاہنور کا میدان جنگ

شاہنور کے گرد و نواح میں مرہٹوں اور نظام کی فوجیں جمع ہو رہی تھیں۔ اور یہیں ایک فیصلہ کن

جنگ کا انتظار تھا۔ تمام مرہٹی سپہ سالار اور نظام الملک میدان جنگ میں حاضر تھے۔

سلطان نے اپنی فوج کو اس طرح سے ترتیب دیا کہ میمنہ پر میر معین الدین اور فرانسیسی سپاہ تھی۔ اور میسرہ پر برہان الدین اور قلب میں خود مقیم رہا۔ اس فوج نے رات کے وقت پیش قدمی کی۔ اور علی الصباح برہان الدین کی فوج نے مرہٹی فوج پر جو ہری پنت اور راستیا کے ماتحت تھی۔ حملہ کر دیا۔ دوسری طرف سے میر معین الدین کا حملہ ہوا۔ اسی وقت سلطان نے بھی قلب پر حملہ کر دیا۔ جسکی وجہ سے مرہٹوں کی فوج کو میدانِ جنگ میں قایم رہنا مشکل ہوگیا۔ اور حیدر آبادی فوجیں فرار ہونے لگیں۔ مرہٹے پیچھے ہٹے۔ اور قریباً تین میل جاکر پھر مجتمع ہوئے۔ اور انکا توپخانہ سلطانی افواج کو سخت نقصان پہونچانا شروع کیا۔ یہ دیکھکر سلطان نے سید حمید، شیخ النصر، احمد بیگ اور موسیو لالی کو توپخانہ چھین لینے پر بھیجا۔ یہ فوج ایک خشک تالاب میں سے گذر کر اچانک غنیم کے سر پر پہونچی۔ اور اس قدر گولیاں برسائی گئیں۔ کہ مرہٹی فوج سراسیمہ ہوگئی۔ اور توپ خانہ چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ مرہٹوں کے دو سردار مارے گئے۔ مرہٹوں اور نظام کا کل سامان جنگ اور اسباب وغیرہ سلطانی فوج کے ہاتھ آیا۔ یہ فتح ایسی تھی کہ مرہٹے اور نظام بہت دور تک پیچھے ہٹ گئے۔ اور اس کے بعد انہیں میدانِ جنگ میں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اس فتح کے بعد سلطان نے سید حمید اور سید غفار کو شاہنور بھیجا۔ کیونکہ نواب حکیم خاں باغی ہوکر مرہٹوں اور نظام سے مل گیا تھا۔ جس وقت اس فوج کی آمد کی خبر ملی تو نواب اپنے بیٹے عبد الخبیر خاں کو شہر میں چھوڑ کر فرار ہوگیا۔ سلطانی افواج بغیر کسی سخت لڑائی کے شاہنور پر قابض ہوگئیں۔ اور جو کچھ مال و دولت شاہنور میں مل سکا۔ سب حضور سلطانی میں بھیجدیا گیا۔ عبد الخبیر خاں بھی گرفتار ہوکر حضور سلطانی میں پیش ہوا۔ اور سلطان نے اسے نظر بند کر دیا

عزم سلطانی

میدان شاہنور میں جو فتح کامل سلطانی فوج کو حاصل ہوئی تھی۔ اس سے سلطان کا دل بہت بڑھ گیا۔ اور کُل فوج آگے بڑھنے کیلئے بے تاب تھی سلطان نے از سرِ نو فوجوں کو ترتیب دیکر ایک حصہ کو تسخیر حیدر آباد کیلئے اور دوسرے کو تسخیر پونا کیلئے نامزد کیا۔ اور خود اسی جگہ ضروریات جنگ مہیا کرنے اور کمک دینے کی غرض سے مقیم رہا۔ جب یہ خبر نظام الملک اور مرہٹوں کو ملی تو ان میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ کیونکہ برہان الدین نے بڑھکر بنکاپور اور مصری کوٹہ پر قبضہ کر لیا۔ اور سید حمید و سید غفار نے مندرگی ورگ پر دھاوا بول دیا۔ وہ فوج جو خاص سلطان کے زیرِ کمان تھی۔ ہری پنڈت پھڑکیا کی فوج کی طرف بڑھی۔ جو کہ شاہنور کی جنگ میں پسپا ہو کر بہت فاصلہ پر مقیم تھی۔ سلطانی فوج شبخون مارتی ہوئی رات کے وقت مرہٹی کیمپ میں داخل ہو گئی۔

راجہ ہولکر۔ جو مرہٹی فوج کی پوری کمان پر تھا۔ اس خبر کے سنتے ہی اپنی حرم سرا چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ اسکے فرار ہوتے ہی فوج میں بھی بدولی پیدا ہو گئی۔ اور سب نے بھاگنا شروع کر دیا۔ افواج سلطانی کے ہاتھ تمام خیمے مال و اسباب آیا۔ ہولکر کی حرم سرا اور دوسرے تمام سرداروں کی عورتیں اسیر ہو کر سلطان کے روبرو حاضر ہوئیں تو سلطان نے دوسری دفعہ ان عورتوں کو پالکیوں میں سوار کرا کر نہایت عزت و آبرو کے ساتھ پونا روانہ کر دیا۔ اس کا اثر دربار پونا پر نہایت ہی اچھا پڑا۔ تمام مرہٹی سردار جنگ سے عاجز آ چکے تھے۔ اور ہولکر نے سب سے زیادہ صلح کر لینے کیلئے زور دیا۔ چنانچہ صلح کی گفت و شنید شروع ہو گئی۔

ہری پنڈت کی سفارش سے سلطان نے عبدالحکیم خاں کو دوبارہ شاہنور کی ریاست واپس دیدی۔

(شاہنور:۔ "آج کل شانور کہلایا جاتا ہے۔ یہ ایک بالکل چھوٹی ریاست ہے۔ جو ہوبلی اور گدگ کے قریب ہے)"

جنگ کے خاتمہ پر ہری پنڈت کو اس کی جوانمردی کے صلہ میں کنچن گڈھ کا علاقہ بطور جاگیر دیدیا گیا۔

ہری پنڈت مرہٹی سپہ سالار تھا۔ اور اس جنگ میں سلطان کا مدمقابل رہا تھا۔ باوجود اس کے سلطان اپنے اس دشمن کی شجاعت اور جوانمردی کے کارناموں کو دیکھکر اس سے یہ سلوک کرتا ہے کہ صلح ہونے پر اس کو ایک بہت بڑی جاگیر بطور انعام دیدیتا ہے سلطان چونکہ خود نہایت بہادر تھا۔ اس لئے وہ بہادر دشمن کی بھی قدر کرتا تھا۔ تاریخ میں اس قسم کی رواداری کی مثالیں ہمیں مشکل سے ہی ملیں گی۔

مرہٹوں سے صلح کرنا گویا نظام علی خاں سے بھی صلح کرنا تھی۔ لہٰذا حیدرآباد سے بھی جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ سلطان مظفر و منصور نہایت شان و تزک سے ۱۷۸۷ء میں سرنگاپٹم واپس ہوا۔ راستے میں رائے درگ اور ہرپن ہلی کے پالیگاروں کو جو دوران جنگ میں دشمنوں سے مل گئے تھے، قید کر کے بنگلور بھیج دیا گیا۔

انتظامِ سلطنت

ان مہمات سے فارغ ہو کر سلطان مراجعت فرمائے سرنگاپٹم ہوا۔ جہاں اس نے سلطنت کے انتظام پر توجہ کی۔ معلوم ہوا کہ سلطان کی غیر موجودگی میں دیوان میر صادق نے خزانے میں دستبرد کی ہے اور رعایا اس کی سختی سے سخت نالاں ہے۔ سلطان نے بعد تحقیق میر صادق کو معزول کر کے مہدی علی خاں نائطہ کو دیوان مقرر کیا۔ اور تمام سلطنت میں

جدید نظم ونسق کی ایک روح پھونکی گئی۔ اس سال یعنے ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۷۸۵ء میں جامع ہور کے نام سے ایک یونیورسٹی قایم کی گئی۔ اور مسجد اعلےٰ کی بھی بنیاد رکھی گئی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی اور ٹیپو سلطان

اس چار سال کے عرصہ میں یعنے ۱۷۸۵ء سے ۱۷۸۹ء تک، سلطان جب تک حیدرآباد اور مرہٹوں سے جنگ میں مصروف رہا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی خاموشی سے اپنی فوجی تنظیم میں لگی رہی۔ اس کو امید ہونے لگی کہ ان متواتر جنگوں سے سلطانی طاقت بالکل کمزور ہو جائیگی۔ لیکن جب سلطان اس جنگ میں بھی مظفر ومنصور نکلا تو انگریزوں نے اس کو مہلت نہیں دینا چاہی وہ جنگ پر آمادہ ہوگئے۔ اور اس کیلئے ان کو بہانہ کی تلاش تھی۔ انگلستان کی تاریخ میں یہ وہ زمانہ ہے کہ امریکہ کے مقبوضات اسکے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ اس لئے انہیں نئے مقبوضات کی تلاش تھی۔ جنوبی ہند انکے لئے ایک وسیع میدان تھا۔ لیکن متواتر دو جنگوں میں حیدرعلی اور ٹیپو سلطان سے شکست کھانے کے بعد انہیں اپنی امیدیں منقطع ہوتی نظر آنے لگی تھیں۔ اس لئے وزیراعظم مسٹر پٹ نے اپنی ساری توجہ اس طرف مرکوز کردی۔ اس نے مدراس کی گورنری کیلئے جنرل میڈوز اور گورنر جنرل کے عہدہ کے لئے لارڈ کارنوالس کا انتخاب کیا تھا۔ جنرل میڈوز ایک نہایت آزمودہ کار جنرل تھا اور اسی طرح لارڈ کارنوالس بھی۔ ان دونوں کا انتخاب اس لئے ہوا تھا۔ کہ ٹیپو سلطان سے ۱۷۸۴ء کی شکستوں کا بدلہ لیا جائے۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات کو ہندوستان میں وسیع کیا جائے۔ جنرل میڈوز مدراس پہونچکر میسور کی رانی کے ایجنٹ ترمل راؤ سے خط وکتابت شروع کر دیتا ہے۔ اور موقع کا منتظر رہتا ہے کہ سلطان سے جنگ چھیڑ دیجائے۔ اور خوش قسمتی سے یہ موقع جلد حاصل ہو جاتا ہے۔ یعنے ملیبار میں سلطان کے

خلاف بغاوت ہو جاتی ہے۔

سرکشانِ ملیبار کی بغاوت

۱۷۸۹ء میں سلطان باوجود ملکی انتظام میں مشغول ہونے کے کالیکٹ کے باغی نائروں کی سرکوبی کیلئے نکلا۔ بغاوت کو فرو کر دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ اس بغاوت کے پس پردہ راجۂ کوچین اور راجۂ ٹراونکور کے ہاتھ کام کر رہے ہیں۔ سلطان ان دونوں ممالک پر حملہ کرنے کی غرض سے بڑھا۔ خیرخواہوں نے عرض کیا کہ راستہ ناہموار ہے۔ اور دریا درمیان میں حائل ہے۔ مگر سلطان نے اسی رات کی تاریکی میں صرف دو پلٹنیں اور دو ہزار سوار لیکر کوچین پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ لیکن مکار دشمنوں نے ازرہِ فریب رات خاموشی سے بسر کر کے صبح ہونے سے پہلے دریا کے منبعوں کا منہ کھول دیا۔ جس سے کھاری اور چشمے بھرپور ہو گئے۔ کمک یا واپسی کی تمام راہیں مسدود ہو گئیں۔ جس کے بعد انہوں نے چاروں طرف سے سلطانی فوج کو گھیر لیا۔ اس معرکہ میں سلطان کے چار ہزار جری سپاہی کام آ گئے۔ سلطان بصد مشکل دریا عبور کرتا ہوا واپس ہوا۔ مگر سلطانی جلوداروں میں سے کوئی نہ بچ سکا۔ سلطان کی پالکی اور کٹار جو پالکی ہی میں تھی۔ دشمنوں کے ہاتھ لگ گئی۔ پھر سلطان نے دریا پار ہو کر اپنی فوج کو جمع کر کے سپہداروں کو عام حملہ کا حکم دیا۔ سلطانی سپاہ کے غیض و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ صبح کو جو واقعات ہوئے تھے۔ ان کا دل کھول کر بدلہ لیا گیا۔ سلطان نے بصد شان و شوکت قلعہ میں داخل ہو کر سب مال و متاع اور تمام اسلحہ پر قبضہ کر لیا۔

جب ان واقعات کی خبر مدراس پہونچی تو جنرل میڈوز جو پہلے سے سلطان کے خلاف تیاریوں میں مصروف تھا۔ اور میسور کی رانیوں کے ایجنٹ ترمل راؤ سے خط و کتابت

کیا ہوا تھا۔ بغیر اعلان جنگ کے سرحدِ سلطنتِ خداداد پر فوجیں بھیج دیتا ہے۔ سلطان کو جب اسکی اطلاع ملتی ہے تو وہ حیران رہجاتا ہے۔ کہ انگریز بغیر کسی وجہ کے اس سے کس لئے جنگ پر آمادہ ہیں؟۔ دریافت حالات کیلئے وہ جنرل میڈوز کو خط لکھتا ہے۔ اس خط کا مضمون اور اس کا جواب بورنگ اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۴۶ پر اس طرح لکھا ہے:۔

"دونوں حکومتوں کے درمیان اگر کوئی رنجش کی وجہ پیدا ہوگئی ہے تو باہمی مفاہمت سے معاملہ طے ہو سکتا ہے۔"

جنرل میڈوز نے جواب دیا کہ ٹراونکور حکومت مدراس کی حلیف ہے۔ اور اس کی سرحد پر جو واقعات ہو رہے ہیں۔ ان سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔ اس جواب سے سلطان نے سمجھ لیا کہ انگریز جنگ پر آمادہ ہوگئے ہیں"۔

سلطان کو جب یہ جواب پہونچا تو اس نے بھی اپنی مدافعت کیلئے پائین گھاٹ کی طرف بڑھا۔ کہ انگریزی فوج کو آگے بڑھنے سے روک دے۔ کوئمبوتور اور ستی منگل کی نواح میں جنرل میڈوز کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ جس میں سلطان فتحیاب ہوا۔ دوران جنگ جب انگریزی فوج کے خیمے لوٹے گئے تو اکثر مرد و عورت اسیر ہوئے۔ اور ان میں کچھ ایسی عورتیں بھی تھیں جو خود کو مسلمان کہتی تھیں اور گوروں سے زنا کرتی تھیں سلطان نے ان کو قتل کرا دیا۔

بنگالہ سے کرنل میکسوئل کے ماتحت اور انگریزی فوج براہ سرکارس آکر ترپاتور اور وانمباڑی پر قابض ہو چکی تھی۔ جب سلطان کو اسکی خبر پہونچی تو میر برہان الدین سپہ سالار کو مدافعت کیلئے روانہ کیا۔ اور خود نگر کی جانب بڑھا۔ برہان الدین اور اس کے ماتحت سپہ دار سید غفار نے کندلی پہنچکر انگریزی فوج پر حملے کئے اور ڈیڑھ سو

سوار اور دو سو سپاہی قید کر لئے گئے۔ یہ خبر پاکر جنرل میڈوز جو شکست کھاکر ستی منگل کی نواح میں تھا۔ کرنل میکسویل کی امداد کیلئے بڑھا۔ اور دونوں فوجیں پتور گھاٹ پر مل گئیں۔ جن کے باعث افواج سلطانی کو بہت نقصان پہنچا۔ انگریزی فوج کشی کی جب خبر پہونچی تو سلطان نے رسالے اور توپ خانے لیکر بہ نفس نفیس انگریزی افواج کے سر پر پہنچا۔ اور جاتے ہی حملے کا حکم دیدیا۔ اس جنگ میں انگریزی فوج کو سخت شکست ہوی۔ اور انکا ناطقہ یہاں تک بند ہوگیا کہ وہ ترچناپلی کی طرف فرار ہوگئی۔ لیکن سلطانی سپاہ نے آگے بڑھ کر ان کی راہ روک لی۔ اور چاروں طرف سے ٹوٹ پڑی۔ اور اس دلیری و بہادری اور باقاعدہ معرکہ آرائی سے اپنا فن جنگ ظاہر کی، کہ انگریز بھی لوہا مان گئے۔ قریب تھا کہ سلطانی فوج کو کامل فتح حاصل ہوتی۔ کہ رات ہونیکی وجہ سے جنگ موقوف ہوگئی رات ہی رات انگریزی سپہ سالار بہت سا سامان اور اسباب وہیں چھوڑ کر آگے روانہ ہوا۔ مگر سلطانی سواروں نے پیچھا نہ چھوڑا۔ ناگاہ ان حملوں میں میر برہان الدین کو گولی لگی۔ اور وہ وہیں شہید ہوگئے۔ سپاہیوں نے انکی لاش کو فوراً پالکی میں رکھکر سلطان تک پہنچا دیا۔ سلطان اپنے ایک ایسے تجربہ کار اور جاں نثار سپہ سالار کے مارے جانے سے بے اختیار رو پڑا۔ اور اس غم میں اپنی فوج کو انگریزوں کے تعاقب سے منع کر دیا۔ اگرچہ دوسرے سپہ سالار اور سپاہیوں نے بہت کچھ زور دیا۔ کہ جب کامل فتح اور دشمن کی پوری بربادی آنکھوں کے سامنے ہے تو ضرور تعاقب کرنا چاہیئے۔ مگر سلطان نہ مانا۔ اس سے جنرل میڈوز کو غیر متوقع فرصت مل گئی۔ وہ اس کو غنیمت جانتے ہوئے اور دوسری آنے والی مصیبتوں کا خیال کر کے اپنی سپاہ لیکر مدراس بخیر و عافیت پہونچ گیا۔ مگر راستہ بھر سلطانی سپاہ اس کو پریشان کرتی رہی۔ ان واقعات کے دوران میں سلطانی

سپاہ نے ستی منگل، چنجی اور کوہ پر ہوکل کو فتح کر لیا۔ اور بہت سے انگریزی عورت اور مرد جو اسیر ہوئے سرنگا پٹم پہنچا دیئے گئے۔

اس جنگ کے متعلق بورنگ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۸ پر لکھتا ہے:۔

"سلطان کے مقبوضات پر کامیاب حملہ کرنے کیلئے ضروری تھا کہ ضلع بارا محل اور درۂ گجل ہٹی پر قبضہ کر لیا جائے۔ اس خیال سے جنرل میڈوز نے کرنل میکسول کو کرشنا گری پر بھیجا جو ضلع کا صدر مقام تھا۔ لیکن ابھی میکسول کرشنا گری بھی نہیں پہونچا تھا۔ کہ سلطان برق سرعت سے بڑھکر میکسول سے جنگ شروع کر دی۔ اس عرصہ میں معلوم ہوا کہ دوسری جانب سے خود جنرل میڈوز کے ماتحت ایک انگریزی فوج آرہی ہے۔ ٹیپو جو ایک ماہر فن اور بہترین جنگی جنرل تھا۔ سمجھ گیا کہ وہ دو فوجوں کے نرغے میں پھنس جانیوالا ہے۔ اسلئے اپنی فوج لیکر پیچھے ہٹا۔ اور درۂ تبار سے نکلکر اس آنے والی انگریزی فوج پر حملہ کر دیا۔ انگریزی فوج نقصان اٹھا کر واپس ہوی۔ یہاں سے سلطان دریائے کلرون کو عبور کر کے ترنا ملے اور پرماکوئل پر بڑھا۔ اور یہ مقامات اس کے قبضہ میں آگئے۔ یہاں سے وہ پانڈیچری پہونچکر فرنچ گورنر سے درخواست کی کہ اس کو چھ ہزار فرانسیسی سپاہیوں سے مدد دے۔ کہ انگریزوں کو ملک سے نکال دیا جائے۔ ٹیپو نے اس وقت یہ بھی وعدہ کیا کہ انگریزی مقبوضات فرانس والوں کے سپرد کر دیئے جائیں گے۔ گورنر نے اس درخواست کو فرانس کے بادشاہ کے پاس بھیجدیا۔ لیکن لوئی شانزدھم نے انقلاب فرانس کے ڈر سے اس درخواست پر اس وقت توجہ نہیں دی۔"

ایک فرانسیسی مورخ بصد حسرت لکھتا ہے:۔ کہ

"فرانس والوں نے اس زریں موقع کو ہاتھ سے کھو دیا۔ اس وقت جب سلطان کل جنوبی ہندوستان کے سیاہ و سفید کا مالک اور انگریز اس کے رحم پر تھے۔ اگر فرانس والے سلطان کی تائید کرتے تو ہندوستان کی تاریخ ہی کچھ اور ہوتی۔"

جب یہ خبریں لارڈ کارنوالس گورنر جنرل کو پہونچیں تو وہ انہیں واقعات کو بنائے جنگ قرار دیکر تیاری میں مصروف ہوا۔ سلطان نے جو کچھ کیا وہ اپنے ملک کی اندرونی بغاوتوں کے روکنے کیلئے کیا۔ لیکن انگریزوں نے بلا وجہ باغیوں کی حمایت کی۔ اور جب انہیں اور باغیوں دونوں کو شکست ہوئی۔ تو لارڈ کارنوالس نے باقاعدہ جنگ کی بنیاد ڈالدی۔ کہ کسی طرح سلطان کی بڑھتی ہوئی طاقت کو توڑ دیا جائے۔

سلطان سے جنگ کرنے کیلئے انگریزوں کے پاس کوئی معقول وجوہ نہیں تھے۔ لیکن ایک عرصہ سے نواب حیدر علی اور سلطان ٹیپو کی فتوحات انگریزوں کے دلوں میں خار کیطرح کھٹک رہی تھیں۔ اور گذشتہ شکستوں کا زخم ان کے سینوں میں اتنا گہرا تھا کہ وہ دن رات انتقام لینے کے درپے تھے۔ جب تنہا انگریز سلطان سے نبرد آزما نہ ہوسکے تو آخر کار نظام الملک اور مرہٹوں کو ساتھ ملاکر سلطان کے خلاف "اتحاد ثلاثہ" قایم کرلیا گیا۔

ان حالات کو بہتر طور پر سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ مجملاً اس وقت کی تاریخ لکھ کر علیحدہ علیحدہ طور پر انگریز، فرانسیسی، نظام الملک اور مرہٹوں کے حالات دکھلائے جائیں والاجاہ نواب کرناٹک کے حالات کو اس لئے نظر انداز کیا گیا ہے کہ اس وقت وہ انگریزوں کے ہاتھ میں بالکل ایک کٹھ پتلی کی طرح تھا۔

حیدرآباد

۱۷۰۷ء میں شہنشاہِ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد عظیم الشان سلطنتِ مغلیہ پارہ پارہ ہوگئی۔ اور ہر جگہ طوائف الملوکی کا دَور دَورہ تھا۔ اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر مختلف صوبہ دار اپنی اپنی جگہ خود مختار بن بیٹھے۔ ان صوبہ داروں میں جو دو ممتاز ہستیاں نظر آتی ہیں۔ وہ ایک تو صوبہ دار اودھ کی ہے اور دوسری نظام الملک آصفجاہ اول حیدرآباد کی ہے اورنگ زیب کی وفات کے بعد اس کے جانشین اس دل و دماغ کے نہیں تھے جو سلطنت کو قابو میں رکھ سکتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زمامِ سلطنت وزراء کے ہاتھ میں آگئی۔ اور شہنشاہ برائے نام رہ گئے۔ ان وزراء میں عبداللہ خان اور حسین علیخاں دو بھائی تاریخ میں خاص طور پر مشہور رہیں۔ بلکہ دراصل یہ دونوں بھائی تاریخ میں (کنگ میکرس) بادشاہ ساز مشہور ہیں۔ جس کو چاہتے تخت پر بٹھاتے۔ اور جس کو چاہتے معزول کر دیتے تھے (باوجود اسکے تاریخ اس کا ثبوت نہیں دیتی کہ وہ سلطنت کے دشمن یا بدخواہ تھے) یہ لازمی بات تھی کہ جب وزراء میں سے دو طاقت پکڑ لیں۔ تو دوسرے امراء و وزراء انہیں رشک و حسد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہی دہلی میں ہوا۔ اور اسی کی وجہ سے دہلی میں سازشوں کا بازار گرم ہوگیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بھائی تو قید ہوگیا۔ اور دوسرا شہید کر دیا گیا۔ اور یہی وہ تاریخ ہے کہ اس دن سلطنتِ مغلیہ کے زوال پر مہرِ تصدیق ثبت ہوگئی۔

رائز آف دی کرسچین پوران انڈیا میں ڈاکٹر باسو مورخ صفحہ ۲۵۱ پر لکھتا ہے:۔

"اگر زوالِ سلطنتِ مغلیہ کی گتھی کو سلجھایا جائے تو نظر آتا ہے کہ ان دونوں،

بھائیوں کے زوال میں اگر کسی کا ہاتھ تھا تو وہ نظام الملک کا ہاتھ تھا۔ وزرأ و امراء
میں جو نا اتفاقی تھی۔ وہ نظام الملک کی پھیلائی ہوئی تھی۔"

نتیجہ یہ ہوا کہ مرکزی سلطنت کمزور ہوگئی۔ اور اس کمزوری سے دور دراز کے صوبہ داروں نے فائدہ اٹھا کر خود مختار بننا شروع کیا۔ باوجود اس افراتفری کے سلطنت میں ابھی دم خم باقی تھا۔ اور صرف شاہنشاہ مغلیہ کا نام اس امر کیلئے کافی تھا۔ کہ ہر کش سے ہر کش کو فوراً نیچا دکھا دے۔ چنانچہ جب وقت گجرات میں بغاوت ہوئی جو دراصل نظام الملک کی خفیہ سازشوں کا باعث تھی۔ تو شاہی فوجوں نے نہایت آسانی سے اس کو فرو کر دیا۔ مگر زمانہ مغلیہ شہنشاہ ہند کی اس ہیبت وصولت کو بھی مٹانے پر آمادہ تھا۔ اور وہ وقت ۱۷۳۹ء میں آگیا۔ جبکہ نادر شاہ ایک طوفانِ بلا کی طرح ہندوستان میں آکر دہلی لوٹا۔ اور شہنشاہانِ ہند کی عظمت وصولت کو پیوند خاک کر دیا۔ اب صرف یہ معمہ رہگیا ہے۔ کہ آیا نادر شاہ خود بخود ہندوستان میں آیا یا اس کو کسی نے آنے کیلئے ابھارا۔

اگر نادر شاہ طمعِ سلطنت لئے ہوئے آتا تو اس کیلئے یہ مشکل نہ تھا کہ ہندوستان میں سریرآرا ہو کر تاجِ ہندوستان سر پر رکھے۔ بجائے اس کے تاریخ پتہ دیتی ہے۔ کہ وہ لوٹ وغارتگری کر کے ہندوستان سے واپس ہو گیا۔

مصنف سیر المتاخرین اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"نادر شاہ کو افغانوں سے شکایت تھی۔ اور اس کو رفع کرنے کیلئے اس نے اپنا ایک ایلچی دربار دہلی میں روانہ کیا۔ جس وقت ایلچی دربار دہلی میں پہونچا تو امرائے سلطنت نے بھانپ لیا کہ اسکی تہ میں نظام الملک کا ہاتھ ہے۔ اور خصوصاً ذکریا خان کا جو کابل میں وائسرائے اور نظام الملک کا رشتہ دار تھا۔"

قطع نظر اس سے اگر اس کو دیکھا جائے کہ جس وقت نادرشاہ ہندوستان پہونچگیا تو دربارِ دہلی سے نظام الملک اور خان دوران کو حکم ملا کہ اپنی فوجیں لیکر نادرشاہ کو روکیں۔ صاحب سیر المتاخرین لکھتے ہیں:۔

"نظام الملک اور خان دوران نے شہر میں جانے کی خبر مشہور کر کے وقت گنوانا شروع کر دیا۔ اور ہر روز نئے حیلے تراشنا شروع کر دیا۔"

اور پھر جس وقت دہلی پر حملہ ہوا تو سعادت خاں صوبہ دار اودھ جو اپنی فوجوں سمیت شہنشاہ ہند کی حمایت کر رہا تھا۔ نظام الملک سے امداد مانگی۔ نظام الملک نے اس وقت جواب دیا۔

صاحب سیر المتاخرین لکھتے ہیں:۔

"اب شام کا وقت قریب ہے۔ اب وقت ہے کہ شہنشاہ سعادت خاں کی فوج کو آرام لینے کا حکم دے۔ کل صبح تمام فوج کو اکٹھا کر کے دشمن سے مقابلہ کیا جائے۔"

اسلئے اب اس تشریح کی ضرورت نہیں کہ نظام الملک سعادت خاں کی امداد کو گیا یا نہیں دہلی پر جو گذرنا تھا۔ گذرا۔ اور اس میں نظام الملک کا کہاں تک ہاتھ تھا اس کے متعلق مورخ یاسو لکھتا ہے:۔

"دہلی کی تباہی میں نظام الملک کا ہاتھ تھا۔"

ادھر نادرشاہ ہندوستان سے واپس ہوا۔ اور ادھر نظام الملک اپنے بھائی غیاث الدین کو وزارت پر چھوڑ کر دکن واپس آیا۔ اورنگ آباد سے پایۂ تخت حیدرآباد کو بدل دیا گیا۔ جہاں وہ اپنی سلطنت کو وسعت دینے اور زبردست بنانے میں منہمک ہو گیا۔ مگر جو طاقت کہ اسکے سدِ راہ تھی۔ وہ مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت تھی۔

مرہٹے

سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے اسباب میں جہاں نظام الملک کا ہاتھ ہے۔ وہاں مرہٹوں نے بھی کچھ کم کام نہیں کیا۔ اورنگ زیب کے زمانے ہی میں مرہٹے دکن میں طاقت پکڑ چکے تھے۔ اور اب جبکہ سلطنتِ دہلی پر انقلاب آرہے تھے۔ تو انہوں نے اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اگر صوبہ دار دکن مغلیہ سلطنت کا وفادار ہوتا۔ تو مرہٹوں کو کبھی وہ عروج حاصل نہ ہوتا جو انہیں حاصل ہو کر رہا۔ مگر اسکے عوض صوبہ دار دکن نے اپنے اغراض و مقاصد کی حصولی کیلئے یہی مناسب جانا کہ مرہٹوں کو اور حوصلہ دلائے۔

صاحب سیر المتاخرین لکھتے ہیں:۔

"نظام الملک نے اپنے چچا حمید خاں کو شہنشاہ سے بغاوت کرنے پر آمادہ کیا۔ اور مشورہ دیا کہ سیواجی اور کنتاجی مرہٹہ سرداروں کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے۔"

پھر باجی راؤ پیشوا کے زمانہ میں شمالی ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب جس شخص نے مرہٹوں کو دی۔ وہ نظام الملک ہی تھا۔

مصنف سیر المتاخرین لکھتے ہیں:۔

"نظام الملک نے باجی راؤ کے آگے تجویز پیش کی کہ مالوہ اور گجرات فتح کرلے۔ یا کم از کم انہیں ایسا اجاڑ دے کہ وہ صوبے دشمن (سلطنت مغلیہ) کے کسی کام کے نہ رہیں باجی راؤ اور دوسرے مرہٹہ سرداروں نے اس تجویز پر عمل کرنے کیلئے فوراً ایک زبردست فوج تیار کی۔ اور گجرات و مالوہ پر چڑھائی کردی۔"

اب غور طلب امر یہ ہے کہ نظام الملک نے جو خود ایک زبردست سلطنت کی بنیاد

رکھنا چاہتا تھا۔ مرہٹوں سے ساز باز کیوں کی؟ اس کا جواب صرف یہی ہے۔ کہ :-
نظام الملک موقع کا منتظر تھا۔ اس کو نہ سلطنتِ مغلیہ سے ہمدردی تھی۔ اور نہ مرہٹوں سے۔ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ دونوں حریف لڑ کر کمزور ہو جائیں تو خود طاقت حاصل کر لے۔ مگر قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ مرہٹے گجرات و مالوہ پر قبضہ کر کے کُل ہندوستان پر چھا گئے۔ اور ان کی طاقت یہاں تک زبردست ہو گئی تھی کہ نظام الملک کی سلطنت ان کے رحم پر منحصر ہو گئی۔ اگر ۱۷۶۱ئہ میں احمد شاہ ابدالی میدان پانی پت میں انہیں شکست نہ دیتا۔ تو ہندوستان پر انہیں کی حکومت ہوتی۔ اور حیدر آباد کا نام و نشان بھی مٹ گیا ہوتا۔ مگر باوجود اس شکست فاش کے یہ قوم پھر اپنی گم شدہ عظمت حاصل کرنے کے لئے بے تاب تھی۔ اور کُل ہندوستان ان کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔

۱۷۶۱ئہ ہندوستان کی تاریخ میں وہ انقلاب انگیز سنہ ہے۔ جب ہندوستان پر بہت سے انقلابات آئے۔ مرہٹی طاقت جو ہندوستان میں کوس لمن الملک بجا رہی تھی میدانِ پانی پت میں دفن ہو گئی۔ اور نئی نئی طاقتیں ہوس ملک گیری لیکر منصۂ شہود پر آئیں۔ مرہٹوں کی طاقت اگرچہ ٹوٹ گئی تھی۔ مگر ان میں اب بھی ہوس ملک گیری برابر قایم تھی۔ حیدر آباد میں آصف جاہ نظام الملک کا انتقال ۱۷۴۸ئہ میں ہو چکا تھا۔ اس کے بعد حیدر آباد خود بھائیوں کی ہوس کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ جنوب میں حیدر علی کی نئی طاقت ابھر رہی تھی۔ دوسری طرف انگریز اور فرانسیسی ملک پر قبضہ جمانے کیلئے دست بگریباں تھے۔ اس لئے اس موقع پر ان دونوں قوموں کی مختصر تاریخی حالات کا لکھنا تسلسل قایم رکھنے کیلئے ضروری ہے۔

انگریز اور فرانسیسی

تاریخ سے ظاہر ہے کہ یہ دونوں قومیں کس غرض سے ہندوستان آئیں۔ اور کسطرح انگریزوں نے فرانسیسیوں کو شکست دیکر رفتہ رفتہ ملکی معاملات میں دخل دیتے ہوئے بنگالہ اودھ اور سرکاریں پر قابض ہو گئے۔ اگر میر قاسم و میر جعفر کا وجود بنگالہ میں نہ ہوتا تو شاید انگریزوں کے قدم بھی بطورِ حکمران ہندوستان میں نہ جمتے۔ بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ دراصل یہ "میر" ہی تھے۔ جنہوں نے ہندوستان کو غلامی کا طوق پہنا دیا۔ اور آپ بھی غلام بنکر رہگئے۔ اگر تاریخ ہند کو بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ شمالی ہند میں میر جعفر و میر قاسم۔ حیدر آباد میں میر عالم اور میسور میں میر صادق و میر غلام علی لنگڑا ایک ہی وقت میں ایسی ہستیاں تھیں۔ جنہوں نے ہندوستان کی سلطنتوں کو برباد کر کے رکھدیا۔

انگریز تو ہندوستان میں محض تجارت کی غرض سے آئے۔ مگر مواقع ایسے پیش آئے کہ وہ بنیاد حکومت ہی رکھ چکے۔ وارن ہیسٹنگس اور لارڈ کلایو نے بنگالہ میں جو کچھ کیا۔ اور جس طرح بنگالہ اور اودھ انگریزوں کے قبضہ میں آگئے۔ محتاج تشریح نہیں۔ فرانسیسی بھی انگریزوں کی طرح ہندوستان میں تجارت کیلئے آئے۔ مگر قسمت نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ اور انگریز اپنی پالیسی میں کامیاب ہو گئے۔

ہندوستان کی مجمل تاریخ ہم لکھ چکے ہیں۔ اب صرف یہ تبلانا باقی ہے۔ کہ سلطنتِ خداداد میسور کو اس سے کیا تعلق ہے۔ یہ بھی ہم دکھا چکے ہیں کہ سلطنتِ مغلیہ کے زوال سے جو طاقت فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ وہ حیدر آباد دکن کی ریاست تھی۔ مگر اسکی راہ میں جو چیز حائل ہو گئی۔ وہ خود نظام الملک اوّل کی پالیسی کا نتیجہ مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت

تھی۔ جس کے سیلاب کو روکنا اس کیلئے اب مشکل ہو گیا تھا۔ نظام الملک اول کی وفات کے بعد حیدر آباد خانہ جنگیوں میں پھنس گیا۔ ۱۷۶۱ء میں مرہٹی طاقت منتشر ہو گئی۔ اور نظام الملک نظام علیخاں مسند آرائے دکن ہوا۔ اور یہ بھی وہی شہنشاہیت ہند کا سودا سر میں لیکر آیا۔ جو نظام الملک اوّل لیکر آئے تھے۔ انگریز اور فرانسیسی تاجر تھے۔ سات سمندر پار سے آئے ہوئے تھے۔ نظام علیخاں کے خیال میں وہ مستقل بود و باش اور حکمرانی کیلئے نہیں آئے تھے۔ انکی فوجیں زیادہ تر ہندوستانی تھیں۔ جو شہنشاہِ ہند کے جھنڈے تلے بوقتِ ضرورت آسانی سے لائی جا سکتی ہیں۔ اس لئے اس نے اپنی زیادہ تر توجہ ان نئی اُبھرنے والی طاقتوں پر مرکوز کر دی۔ جو اس کے خیال میں شہنشاہیت ہند کے راستے میں سدِّراہ ہونے والی تھیں۔ اور اس مقصد کے حاصل کرنے کیلئے اسکی نظر انتخاب انگریزوں اور مرہٹوں پر پڑی۔ اول الذکر یہاں کے رہنے والے نہیں تھے۔ اور موخر الذکر کی طاقت آسانی آسانی سے مٹائی جا سکتی تھی۔ کیونکہ ہندوستان کے کل مسلمانوں سے امداد مل سکتی تھی۔ اور ایران و افغانستان سے بھی تائید کی توقع تھی۔ اس لئے نظام الملک مرہٹوں اور انگریزوں سے مل گیا کہ نئی طاقت کو ابھرنے نہ دیے۔

اگر بساطِ ہند پر حیدر و ٹیپو سے مہرے نہ آتے۔ اور اس اسلامی سلطنت خداداد کی بنیاد نہ پڑتی تو یقینی ہے کہ سرزمین دکن کی تاریخ حیدر آباد اور مرہٹوں کی جنگ سے پُر ہوتی۔ کیونکہ جہاں نظام الملک ہندوستان کی شہنشاہیت کے خواب دیکھ رہا تھا وہاں مرہٹے بھی سیادت ہند کیلئے بے تاب تھے۔ جس طرح سلطنت خداداد کی بنیاد نظام الملک کو کھٹک رہی تھی۔ اسی طرح مرہٹے بھی اس نوزائیدہ سلطنت کو مٹانے کے لئے آمادہ تھے۔ اور چونکہ دونوں کا مقصد ایک ہی تھا۔ لازمی طور پر دونوں میں یعنے

نظام الملک اور مرہٹوں میں اتفاق ہوگیا۔ اور دراصل یہی وجہ ہے کہ ہم شروع سے اخیر تک سلطنت خداداد کے خلاف ان ہر دو طاقتوں کو متحد و متفق دیکھتے ہیں۔

مرہٹوں کو خراج کی ضرورت تھی۔ وہ صرف اپنی سیادت منوانا چاہتے تھے۔ مگر نظام الملک کے خیال میں سلطنتِ خداداد سنگ راہ تھی۔ اس لئے ہر سازش و ہر جنگ کی ابتدا نظام الملک سے ہوی۔ نواب حیدر علی کے بعد ٹیپو سلطان کے عہد سلطنت میں بھی نظام الملک ہی کا نام آرہا ہے (نظام الملک کی ایک آرزو تو پوری ہوگئی کہ سلطنتِ خداداد مٹ گئی۔ مگر دوسری آرزو کی حسرت رہگئی۔ بلکہ خود حیدرآباد کی سلطنت اسی نظام کے حینِ حیات میں انگریزوں کی باجگزار بنکر رہگئی۔ گذشتہ اوراق میں ہم بتلاچکے ہیں کہ تخت نشینی کے بعد ہی ٹیپو سلطان کو نظام الملک اور مرہٹوں سے جنگ پیش آئی۔ جن میں سلطان مظفر و منصور ہو کر نکلا۔)

یہ ہم بتلاچکے ہیں کہ کس طرح انگریز ہر دفعہ حیدر علی و ٹیپو سلطان کے مقابلے میں ناکامیاب رہے۔ مگر ان کی سلطنت بنگالہ و اودھ میں مستقل ہوچکی تھی۔ جنوبی ہند میں نظام الملک اور محمد علی والاجاہ نواب کرناٹک ان کے بندۂ بے دام بن گئے تھے لہٰذا قدرتی طور پر انگریزوں کو بھی ہندوستان کی اس افراتفری اور نفاق سے فائدہ اٹھاکر سلطنت کی بنیاد رکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ انگریزوں کی دُوربین نظریں دیکھ چکی تھیں کہ مرہٹے اور نظام الملک میں کس قدر بل اور طاقت ہے۔ اس لئے انکے راستے میں جو شئے سدِراہ تھی۔ وہ یہی سلطنت خداداد تھی۔ جس کے مٹانے پر یہ بھی تُل گئے۔ اور میسور کے ان جنگوں کی بنیاد پڑی۔ جس کو تاریخ میں میسور کی پہلی، دوسری، تیسری، اور چوتھی جنگ کہا جاتا ہے۔ ان میں دو تو حیدر علی کے زمانہ میں اور دو ٹیپو سلطان

کے عہد سلطنت میں ہوئیں۔ اب جس جنگ کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہ میسور کی تیسری جنگ ہے۔

لارڈ کارنوالس

وارن ہیسٹنگس گورنر جنرل کی کارستانیوں نے انگریزوں کے قدم ہندوستان میں مضبوطی کے ساتھ جما دئے تھے۔ اور انکی سلطنت کی بنیاد بنگالہ و کرناٹک میں پڑ چکی تھی۔ اس لئے قدرتاً انگلستان میں ہندوستان سے دلچسپی پیدا ہوگئی۔ اسی زمانہ میں ریاستہائے متحدہ امریکہ انگلستان سے باغی ہوکر آزاد ہوگئے تھے۔ اور سلطنت انگلستان کو ان کا نعم البدل پیدا کرنیکی فکر تھی۔ جس شخص نے ریاستہای متحدہ امریکہ کو کھویا تھا۔ وہ خیر سے لارڈ کارنوالس ہی تھا اور اسی لئے اہل برطانیہ کی نظروں میں اس کا وقار اب بالکل زائل ہوگیا تھا۔ انگلستان کے وزیر اعظم مسٹر پٹ نے ہیسٹنگس کے بعد اسی شخص یعنے لارڈ کارنوالس کو ہندوستان کی گورنر جنرلی کے لئے منتخب کیا۔ کہ وہ ہندوستان میں انگریزی سلطنت قایم کرکے امریکہ کا داغ بدنامی دہولے۔ نیز مسٹر پٹ انگریزی مقبوضات کے وسیع کرنے کیلئے حد درجہ بیتاب تھا۔

لارڈ کارنوالس کو بھی اب اپنی گذشتہ بدنامی کی تلافی اور آئندہ شہرت کی فکر تھی۔ اس لئے جس وقت وہ گورنر جنرل کی سند حاصل کرچکا۔ تو سب سے پہلے اسکی نظر ٹیپو سلطان پر اٹھی۔ کہ اگر کسی طرح ٹیپو سلطان کو نیچا دکھا دیا جائے۔ تو پھر ہندوستان انگریزوں کا ہوکر رہیگا۔ یہی وہ ارادہ تھا۔ جس کو لارڈ کارنوالس اپنے دل میں لیکر ساحل ہندوستان پر قدم رکھا۔ اور اسی زمانہ میں جنرل میڈوز بھی مدراس کا گورنر ہوکر آیا۔ جس کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں ہوچکا ہے۔

لارڈ کارنوالس ۱۷۸۶ء میں گورنر جنرل ہوا۔ اور یہ وہ وقت تھا کہ ٹیپو سلطان کے

نام کی ہیبت ہندوستان سے نکلکر انگلستان میں پہونچ چکی تھی۔ انگریزی مائیں اپنے بچوں کو ٹیپو کے نام سے ڈراتی تھیں۔ ہندوستان میں جو انگریز مقیم تھے۔ وہ ان شکستوں کی ندامت سے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ جو گذشتہ جنگوں میں ٹیپو سلطان کے ہاتھوں انہیں ملی تھیں۔ کارنوالس ہندوستان میں آیا۔ اور انگریزی طاقت کو مستحکم بنانے میں مصروف ہوگیا۔ سب سے پہلے سلطنت اودھ پر اس کی نظر پڑی۔ اودھ کو کامل طور پر مطیع کر لینے کے بعد نظام الملک کی طرف متوجہ ہوا۔ اور سرکارس پر قبضہ کر لیا۔ جس طریقہ پر کارنوالس نے سرکارس پر قبضہ کیا۔ مورخ مِل اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

"کارنوالس کو نظام الملک کی طاقت آزمانا تھی۔ اس لئے اس نے بجائے صاف اور سیدھے طریقے پر سرکارس کی حوالگی کا مطالبہ کرنے کے یہ طریقہ اختیار کیا کہ کیا پٹن کیانولے (جو بطور سفیر حیدرآباد جا رہا تھا) کے حیدرآباد پہونچنے تک سرکارس کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ اور جب کیانولے حیدرآباد پہونچ جائے تو مدراس کی ایک فوج نواح سرکارس میں اس طرح بھیجے کہ نظام کو شبہ نہ ہو۔ اور جب موقع آئے تو فوراً ان قلعوں پر اس طرح قابض ہو جائے کہ کسی دوسرے کو مزاحمت کرنے کا موقع حاصل نہ ہو۔"

اس طریقہ پر عمل کیا گیا۔ نظام الملک پر جوں تک نہ رینگی۔ اس کو تو انگریزوں کی دوستی کی ضرورت تھی۔ اس وسیع قطعہ کو اس طرح ہاتھ سے نکلتے ہوئے دیکھ کر بھی ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکلا۔ اور اس طرح ضلع گنجام، اسحاق پٹن، گوداوری، کرشنا اور گنٹور کے اضلاع انگریزوں کے ہاتھ آگئے۔ اس طرح جب کارنوالس کا مقصد پورا ہوگیا۔ اور اس کو یہ معلوم ہوگیا کہ نظام الملک

میں کتنی طاقت ہے تو اس نے مناسب خیال کیا کہ ٹیپو سلطان سے زور آزمائی کی جائے۔ جنگ کی ابتدا کیلئے کوئی ایک بہانہ چاہیئے تھا۔ اور کارنوالس کو بہانے کا ڈھونڈھ لینا کچھ مشکل نہیں تھا۔ آخرکار ٹیپو سلطان کے خلاف اس بہانے سے لڑائی چھیڑی گئی۔ کہ سلطان راجۂ ٹراونکور پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ جو انگریزوں کا حلیف تھا۔

گذشتہ صفحات میں بتلایا جا چکا ہے کہ جنرل میڈوز (گورنر مدراس) نے اسی بہانے سے جنگ چھیڑ دی تھی۔ اور شکستیں اٹھا رہا تھا۔ کارنوالس نے دیکھا کہ میڈوز جیسا تجربہ کار جنرل جب ٹیپو سلطان سے عہدہ برآ نہ ہو سکا۔ تو ایسٹ انڈیا کمپنی اگر اپنی پوری طاقت بھی خرچ کردے تو کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اس نے نظام الملک اور مرہٹوں کو اپنی جانب ملا لیا۔ اور سلطان کے خلاف سازشیں شروع کردیں۔ جن کا بیان اگلے صفحات پر ہوگا۔ "زوالِ سلطنت خداداد کے اسباب" میں ان سازشوں پر مفصل بحث کی گئی ہے (محمود)

سلطنت خداداد سے انگریزوں کی تیسری جنگ کے اسباب

انگریز اس جنگ کی ابتدا کیئے۔ اور وہ اس میں کہاں تک حق بجانب تھے۔ تاریخ اس کا جواب دیتی ہے۔

سرجان مالکم جو کارنوالس کا مداح ہے۔ لکھتا ہے:۔

"کارنوالس نے اس عہدنامہ کو نظر انداز کردیا۔ جو ۱۷۸۴ء میں منگلور میں ٹیپو سلطان اور ایسٹ انڈیا کمپنی میں ہوا تھا۔ اسکے عوض اس نے اس عہدنامہ کو مستند قرار دیا جو ۱۷۶۸ء میں ہوا تھا۔ جس کی رو سے نظام الملک، مرہٹے، سرداران و نوابان اودھ وارکاٹ اور راجگان تانجور و ٹراونکور ایک دوسرے کے حلیف قرار پائے تھے۔

ٹیپو سلطان کا نام عمداً نظر انداز کرنے میں کارنوالس حق بجانب نہیں تھا۔ کیونکہ عہد نامۂ منگلور کی رو سے ٹیپو سلطان بھی انگریزوں کا ایک دوست مانا گیا تھا۔"

کرنل ولکس اپنی تاریخ میسور میں لکھتا ہے:۔

"کارنوالس جیسے سیاست دان اور انصاف پسند شخص سے یہ امید نہ تھی کہ اس طرح وہ بدعہدی کریگا۔ کارنوالس نے مدراس گورنمنٹ کو فوجوں کی تیاری کا حکم دیا کہ ٹیپو سلطان کے خلاف صف آرا ہو جائیں۔ مدراس میں اس وقت مسٹر ہالینڈ گورنر تھا جس نے جواب میں لکھا کہ ٹیپو سلطان کا ہماری حکومت سے جنگ کرنے یا عہد نامے توڑنے کا کوئی خیال نہیں۔ مسٹر ہالینڈ گورنر مدراس کو استعفا دینے پر مجبور کیا گیا اور ٹراونکور کا بہانہ جنگ کرنے کیلئے اختیار کیا گیا۔"

آگے چلکر یہی کرنل ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"ٹیپو سلطان جنگ کے لئے تیار نہ تھا۔ اور اس نے اس امر کا یقین بھی دلایا کہ اس کا ارادہ ٹراونکور پر حملہ کرنے کا نہیں ہے۔"

کارنوالس بنگالہ میں تھا۔ لہٰذا مدراس کی گورنمنٹ اس سے بہتر جان سکتی تھی کہ حقیقت میں ٹیپو سلطان ٹراونکور پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ یا نہیں۔ مدراس کے گورنر مسٹر ہالینڈ کو اسی بنا پر مستعفی ہونے کے لئے مجبور کیا گیا۔ اور اس کی جگہ جنرل میڈوز مدراس کا گورنر مقرر کیا گیا۔ کیونکہ وہ کارنوالس کے خیالات کا ممد و معاون تھا۔

اس جنگ کی ابتدا کرنے میں لارڈ کارنوالس کس قدر حق پر تھا۔ اس کا فیصلہ خود اس کا وہ خط کر رہا ہے۔ جو اس نے مدراس کے گورنر کو لکھا:۔

"اس ملک میں ہماری شہرت و عظمت کو قایم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ٹیپو سلطان

سے نبرد آزما ہوں ۔ اور نہ صرف نبرد آزما ہوں ۔ بلکہ اس موقع سے فائدہ اٹھاکر ٹیپو سلطان کی طاقت کو مٹا دینا چاہیئے ۔ موجودہ وقت سے بڑھکر اچھا وقت ہمیں نہیں مل سکتا ۔ جبکہ ملک کی دوسری تمام طاقتیں ہماری امداد پر آمادہ ہیں ۔ اگر ٹیپو سلطان کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے ۔ اور فرانس والے اس قابل ہو جائیں کہ اسکی کمک کرسکیں تو ہمیں ہندوستان کو خیرباد کہنا پڑیگا ۔ (جیمس مل)

صاحب نشان حیدری لکھتے ہیں :۔

" ۱۷۹۰ء میں جس وقت سلطانی فوج نے تمام بائیس گھاٹ کو مسخر کرلیا ۔ اور انگریزی فوج مدراس میں جہازوں کی پناہ میں آگئی ۔ تو تمام ملک کرناٹک کو ٹیپو سلطان کے قبضہ میں جاتا ہوا دیکھ کر حیدرآباد کے وزیر اعظم مشیر الملک نے ابوقاسم خاں عرف میر عالم کو کلکتہ بھیجا ۔ کہ گورنر جنرل کو سلطان کے خلاف جنگ پر آمادہ کرے "

کارنوالس نے سازش شروع کی ۔ نظام الملک اس کے ساتھ مل گیا ۔ کارنوالس کو خوف تھا کہ کہیں ناگپور کا راجہ بھونسلے اسکے سدراہ نہ ہو جائے ۔ اس لیئے اس نے خفیہ طور پر مسٹر جارج فارسٹر کو بھونسلے اور مرہٹوں کا ارادہ دریافت کرنے ناگپور بھیجا ۔ اس وقت مرہٹے، ٹیپو سلطان سے بغیر کسی وجہ کے جنگ کرنے پر آمادہ نہ تھے ۔ لارڈ کارنوالس اپنے اس افسر کو لکھتا ہے :۔

" اگر مرہٹے اس جنگ میں ہمارے ساتھ شامل ہونا نہیں چاہتے تو کوئی راہ ایسی اختیار کی جائے ۔ جس کی بنا پر وہ ہم سے ملجائیں "

جارج فارسٹر نے کوشش کی اور مرہٹوں کو اپنی طرف ملانے میں کامیاب ہوگیا

یہی لارڈ جو صلح جوئی کیلئے مشہور ہے۔ مسٹر مالٹ رزیڈنٹ پونا کو لکھتا ہے:۔

"ہمارے مفاد کیلئے ٹیپو سلطان سے جنگ اٹل ہے۔ اس لئے اس موقع پر مرہٹوں کی امداد اور تعاون حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔"

مسٹر مالٹ نے دربار پونا کو انگریزوں سے موافقت کرنے میں جو کچھ کیا۔ وہ مرہٹی تاریخ سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر اس کی اور فارسٹر کی سازشوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرہٹے انگریزوں سے متفق ہو گئے۔ اور ان میں باہم ایک عہدنامہ ہوا۔

سنکلیر اپنی تاریخ ہند کے صفحہ ۱۸۷ پر لکھتا ہے:۔

"دول ثلاثہ (انگریز، نظام، مرہٹے) کا ایک عہدنامہ ہوا۔ کہ ٹیپو سلطان کی روز افزوں طاقت کو مٹا دیا جائے۔ اور اس کا ملک انگریز، نظام اور مرہٹوں میں تقسیم کر لیا جائے۔"

عہدنامہ کے ہوتے ہی لارڈ کارنوالس جنوری ۱۷۹۱ء میں مدراس آتا ہے۔ اور ایک ہی مہینے کے اندر اسکی فوجیں اعلان جنگ کئے بغیر خفیہ طور پر مملکت میسور میں داخل ہو کر بنگلور پر حملہ کرتی ہیں۔ اور اس کی فتح کے بعد سرنگاپٹم پر بڑھتی ہیں۔

سازشوں کا جال

حملہ کرنے سے پیشتر انگریزوں کیلئے ضروری تھا کہ جہاں انہوں نے ملک کی مختلف طاقتوں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا اسی طرح سلطنت خداداد کے اندر بھی سازشوں کا بازار گرم کر دیں۔ تاکہ سلطان کو انگریزوں کی نقل و حرکت کا پتہ نہ لگے۔ اور بخلاف اس کے سلطان کی ہر حرکت سے وہ مطلع ہو جائیں۔ اس کام کیلئے کرنل ریڈ کو مامور کیا گیا۔ جس نے آمبور کو اپنے مستقر قرار دیکر ریشہ دوانی شروع کر دی۔ سب سے پہلے کرنل ریڈ نے ان لوگوں کو ڈھونڈ نکالا جو سلطنت خداداد

ناراض ہوکر کرناٹک میں مقیم تھے۔ ان میں کنگنڈی کیم، بہیکر، کرور، چاک بالاپور، وینکٹ گری، کھٹکو میر، بیگن پلی، پنگنور، مدن پلی، آنیکل، انکوس گری کے پالیگاروں کے علاوہ پنکنڈہ کا راجہ اور جیل نایک بھی تھے۔ انہیں یقین دلایا گیا کہ اگر ملک پر قبضہ ہوجائے تو ان کی ریاستیں انہیں واپس دیدیجائیگی۔ لہٰذا وہ ملک میں جاکر اپنے اپنے مقامات سے خفیہ طور پر حالات معلوم کرائیں۔ اور وقتِ ضرورت انگریزی فوج کے لئے رسد مہیا کریں۔

سلطانی سرداروں کو اپنی طرف ملانے کے لئے سیم وزر کی تھیلیوں کے منہ کھولدئے گئے۔ چونکہ سرحد پار کوئی شخص بغیر سلطانی اجازت کے گذر نہیں سکتا تھا۔ یہ پالیگار تاجروں کا بھیس بدل کر اپنے اپنے مقامات کو گئے۔ تمام ملک میں سازش کا ایک وسیع جال بچھا دیا گیا۔ کیونکہ طمع وزر کی ہوس میں سلطان کے امراء و وزراء نے بھی کرنل ریڈ کو اطلاعات بہم پہنچانی شروع کردیں۔ سید آمام جو دارالسلطنت میں مقیم تھا۔ خاص طور پر دارالسلطنت اور سلطان کی نقل و حرکت سے انگریزوں کو مطلع کرتا تھا۔ حسنِ اتفاق سے اس کی اطلاع سلطان کو مل گئی۔ اور جب اس سازش کا حال معلوم ہوا تو علاوہ اوروں کے لال خاں بخشئ پنگنور، میر نذر علی موکب دار اور اس کا بھائی اسمٰعیل خاں رسالدار پکڑ لئے گئے۔ سلطان نے ان تمام کو سزائے موت دی۔ اور آمام الدین باشندۂ کولار فرار ہوکر بچ نکلا۔ جب ان لوگوں کو سزائے موت ملی تو کرنل ریڈ کی ترکش میں ابھی چند تیر اور باقی تھے۔ اس کی قابلیت نے نئے جاسوس اور پیدا کرلئے۔

جنگ کا آغاز

نظام علی خاں چالیس ہزار سوار اور بیس ہزار پیدل لیکر اپنے امراء اور دونوں فرزند عالی جاہ اور سکندر جاہ کے ساتھ حیدرآباد سے کوچ کر کے آنیکل میں خیمہ زن ہوا۔ اور اپنے امیروں کو فوج دیکر ممالک محروسہ سلطانی کی تسخیر کے لئے روانہ کیا اور لارڈ کارنوالس اپنی انگریزی فوج لیکر موگلی گھاٹ اور وینکٹ گری کو عبور کر کے ملبا گل، کولار، ہوسکوٹہ میں چوکیاں قایم کرتا ہوا سیدھا کرشنا راج پور پہونچا۔ جو بنگلور سے صرف تین کوس ہے۔

سازش کا آہنی جال ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ نامی وزراء اور امراء اس میں شریک تھے۔ اس لئے سلطان کو اسکی خبر اس وقت ہوی۔ جبکہ انگریزی افواج بنگلور میں داخل ہوگئیں۔

سلطان سرنگاپٹم سے نکلکر نواح تنگی میں مقیم ہوا۔ اس وقت انگریزی افواج بنگلور سے تین میل پر تھیں۔ سلطان نے سید حمید سپہ سالار کو قلعۂ بنگلور کی حفاظت کیلئے روانہ کیا اور شیخ انصر، محمد خاں بخشی اور بہادر خاں قندھاری کو قلعہ داری کی خدمت پر چھوڑا۔ یہاں ہنوز سب خیمے نصب نہ ہوئے تھے۔ اور چار پلٹن آسد اللہی اور خاص اصطبل کے تین ہزار سوار چاروں طرف سے سواری کو گھیرے ہوئے تھے۔ کہ انگریزی فوج کے ایک دستہ نے کرنل فلائڈ کی ماتحتی میں سلطان پر حملہ کر دیا۔ اس کے جواب میں سلطانی توپخانہ نے انگریزی لشکر پر گولے برسانا شروع کر دئے۔ جس سے انگریزی فوج کو سخت نقصان پہونچا۔ اور خود کرنل فلائڈ بھی زخمی ہو گیا۔ انگریزی فوج میدان سے فرار ہوگئی۔ سلطانی سپاہ نے چار سو انگریزی سپاہیوں کو مع گھوڑوں کے اسیر کر لیا۔

بنگلور پر انگریزی قبضہ

دوسرے دن کرنل مورس اور جنرل میڈوز نے بنگلور پر حملہ کیا۔ طرفین کے کئی ہزار آدمی کام آئے اور کرنل مورس بھی مارا گیا۔ انگریزی فوج دو ہفتہ تک حصار قلعہ توڑنے میں مصروف رہی آخر کار دیوار ٹوٹ گئی۔ اور نمک حرام کشن راؤ کی سازش سے انگریزوں کو قلعہ میں داخل ہونے کا موقع مل گیا۔ کشن رائو بنگلور میں معتمد سلطانی کے عہدہ پر مامور تھا۔ قلعہ کے اندر کی رتی رتی خبریں وہ انگریزوں کو پہنچاتا تھا۔ جس کی وجہ سے انگریزی فوج پہلے سے ہی سلطانی فوج کی کارروائیوں کا مناسب تدارک کر لیتی تھی۔ سید حمید سپہ دار اور قلعہ دار دروازہ کے سامنے مدافعت کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اور شیخ انصر سپہ دار اسیر ہو گیا۔ قلعہ کے تمام رہنے والے گرفتار ہو گئے۔ شہر لوٹا گیا۔ بے حساب زر و جواہر انگریزی سپاہیوں کے ہاتھ لگا۔ یہ خبر جب سلطان کے کیمپ میں پہنچی۔ تو میر قمر الدین اور سید صاحب انگریزی فوج پر حملہ کرنے کیلئے سلطان سے اجازت طلب کی۔ سلطان نے فرمایا کہ جب وقت ہاتھ سے نکل چکا تو اب سپاہ کی طاقت منتشر کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ سلطان کو ابھی یہ حال معلوم نہیں تھا کہ اس شکست کی بڑی وجہ ایک گہری سازش ہے۔ ورنہ ممکن تھا۔ کہ اسی وقت سلطان بنگلور پر حملہ کر دیتا۔ سلطان تنگی سے نکل کر نواح ماگڑی میں مقیم ہوا۔ اسکے چوتھے دن لارڈ کارنوالس نے تین ہزار ہندوستانی سپاہ اور چھ سو گورے قلعہ کی حفاظت کیلئے چھوڑ کر دیون ہلی کے قریب کیامپ قایم کیا۔

دیون ہلی انگریزی قبضہ میں

دیون ہلی کا قلعہ دار بھی اس سازش میں شریک تھا۔ اس لئے بغیر کسی لڑائی کے یہ قلعہ بھی کارنوالس کے ہاتھ آگیا۔ یہاں سے انگریزی فوج نے چک بالاپور کی طرف بڑھکر

قبضہ کرلیا. چک بالاپور کا علاقہ سالانہ ایک لاکھ روپیہ پیش کش کے عوض اسکے وارث اولین رام سوامی گوڈھ کو دیا گیا۔ اس سے کارنوالس کا مقصد یہ تھا کہ ملک کے قدیم خاندانوں کو اپنی طرف مائل کرلیا جائے۔ چک بالاپور سے کارنوالس انباجی درگ کی طرف بڑھا۔ راجہ رام سوامی گوڑھ نے جب اپنی قدیم دولت کو آتے دیکھا۔ تو ملک میں سلطان کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکانا شروع کردی۔ سلطان کو جب معلوم ہوا کہ اس بغاوت کے پردے میں وینکٹ نائر اور جوگی پنڈت نائب صوبیدار ارکاٹ اور ہرچن ہلی اور رائے درگ کے پالیگاروں کا ہاتھ ہے۔ تو اس نے انکے قتل کا حکم صادر کردیا۔

بالاپور

اس سے فارغ ہوکر سلطان نے کشن راؤ کو دارالسلطنت کے انتظام پر مامور کیا۔ اور خود بالاپور کی طرف انگریزی افواج کے مقابلہ کیلئے بڑھا۔ مگر بالاپور کے لوگ انگریزوں کی شہ پر بغاوت پر آمادہ ہوگئے تھے۔ انہوں نے سلطان کے ہراولی دستے کو قلعہ کے قریب دیکھکر کتوں کی طرح بھونکنا اور جنگی باجے بجانا شروع کردئے۔ جس سے سلطانی بہادروں کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے حملہ کرکے قلعہ کو فتح کرلیا اور باغیوں کو سخت سزائیں دیں۔

(نوٹ:۔ یہ باغی دراصل وہ لوگ تھے۔ جو زمینداروں کے بہکائے ہوئے تھے۔ جنکی زمینداریاں سلطان نے ختم کردی تھیں مفصل حالات سلطان کے ملکی اصلاحات کے تحت دیکھے جائیں)

سلطان کی والدہ کا خط

بالاپور سے سلگھٹہ ہوتے ہوئے چنتامنی اور ملباگل کے راستے سے سلطانی افواج وینکٹ گری کوٹہ پر بڑھیں۔ صبح جب انگریزی فوج پر حملہ کی تیاریاں ہورہی تھیں تو عین اس وقت سلطان کی والدہ کی جانب سے ایک خط سلطان کو پہونچا۔ اس خط میں درج تھا کہ کشن راؤ نے

بھی کھنڈے راؤ کی طرح فتنہ و بغاوت کا جال بچھا رکھا ہے۔ اور خبر ہے کہ بمبئی سے ایک انگریزی فوج عنقریب سرنگا پٹم پہونچنے والی ہے۔ سلطان نے یہ خط پڑھکر اسی روز سیّد صاحب کو ایک کثیر فوج دیکر سرنگا پٹم کو روانہ کیا۔ جس کی وجہ سے انگریزی فوج پر حملہ ہوتے ہوتے رک گیا۔

سیّد صاحب سرنگا پٹم میں

سیّد صاحب صحرائے ماگڑی، واتری ورگ کے راستے سے آدھی رات کے وقت دارالسلطنت کے قریب پہونچ گئے۔ اور دریا کے اس طرف فوج کو چھوڑ کر خود مع چند خواص اور پانچ سو جرار سوار کے صبح ہونے سے پہلے قلعہ کے دروازے پر پہونچے۔ آسد خاں رسالدار نے جو دروازے پر متعین تھا، دروازہ کھول دیا۔ قلعہ میں داخل ہوتے ہی اپنے سواروں کو مختلف کاموں پر متعین کرکے سیّد صاحب سلطان کی والدۂ ماجدہ کی حضوری میں آئے۔ قلعہ دار کی طلبی ہوئی۔ تو اس نے کشن راؤ کی نمکحرامی ظاہر کی۔ کشن راؤ کو گرفتار کرکے قتل کر دیا گیا۔ اور اسکی لاش بازار میں ڈالدی گئی۔ کہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔ اور اسکے مکان کا سب اسباب ضبط کرکے توشک خانۂ سلطانی میں داخل کیا گیا۔ کشن راؤ نے اپنے آخری وقت میں کہا:۔

"میں نے جو آگ لگائی ہے۔ وہ سلطان کے بجھائے نہ بجھ سکیگی۔"

اسکے ان الفاظ میں کس قدر صداقت تھی وہ واقعات مابعد سے ظاہر ہے۔

کشن راؤ کی بیوی کا افسانہ

میسور گزیٹر کا ہندو مصنف (ہیودن راؤ) اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۲۵ پر لکھتا ہے کہ:۔

"کشن راؤ کی بیوی جو خوبصورت، وفادار اور باعصمت تھی۔ اپنے شوہر کی موت کے بعد ایک روایت کے مطابق سلطان کے خاص حرم میں بجبر

(بحوالۂ کرمانی) داخل کرلی گئی۔"

کرمانی پر یہ کس قدر اتہام ہے. کہ اس کی تحریر میں لفظ "بجبر" ہونا بتلایا گیا ہے
کرمانی کی اصل تحریر اس طرح ہے :۔

"اس کی بیوی جو حسین بھی، حیادار بھی اور باوفا بھی تھی۔ ملکۂ زمانہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی درخواست کی۔ اور انہیں کے ذریعہ حرم سرائے سلطانی میں داخل ہوئی"

اب یہ فیصلہ قارئین تاریخ پر چھوڑا جاتا ہے. کہ وہ خود فیصلہ کرلیں کہ میسور گزیٹیر کی عبارت میں "اور" و "بجبر" کے الفاظ آکر مطلب میں کتنا بڑا فرق پیدا کردئے ہیں. اس ہندو مصنف نے بیک وقت نہ صرف کرمانی پر تہمت اٹھائی ہے. بلکہ سلطان پر بھی ایک نازیبا الزام لگایا ہے۔ یہ تو ہمیں معلوم ہی ہے کہ اس گزیٹیر کی دونوں جلدوں میں یعنے جلد دوم کے دوسرا اور تیسرے حصہ میں جو تاریخ میسور سے تعلق رکھتی ہیں. اس مصنف کو جہاں کہیں موقع ملا ہے. تمام اسلامی سلاطین کو زہریلے الفاظ میں یاد کیا ہے. لیکن پھر بھی بعض مقامات پر "حق" اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہا۔ یہی مصنف سلطان کے ذاتی حالات میں گزیٹیر کے صفحہ ۲۶۸۷ پر لکھتا ہے :۔

"اس کو (سلطان کو) عورتوں سے کوئی رغبت نہیں تھی. وہ اپنے ایک تاکیدی خط میں برہان الدین کو عورتوں سے دُور رہنے کیلئے لکھتا ہے۔ اگرچہ اس کو (سلطان کو) تیرہ[۱۳] بیٹے اور بیٹیاں تھیں. لیکن بقول بورنگ اس کو عورتوں سے شیفتگی نہیں تھی. اسکی خفا کش اعتدال پسند زندگی پاکیزگی کی اس حد تک پہونچی ہوئی تھی. جو ایک مذہب کے دلدادہ مسلمان کی زندگی خیال کی جاتی ہے۔ اسکے ہاتھ میں ہمیشہ تسبیح رہتی تھی. جس سے عالمگیر کی یاد

تازہ ہوجاتی تھی"

اب اگر یہی مصنف اپنی دونوں تحریروں کو ملا کر دیکھے تو اس کو معلوم ہوگا کہ وہ چند صفحات پہلے کیا کچھ لکھ آیا ہے۔ اور اب کیا لکھ رہا ہے۔ کسی نے یہ بالکل سچ کہا ہے کہ :- ع

"دروغ گورا حافظہ نباشد"

اور یہاں یہ بھی قابل ذکر بات ہے کہ اس مصنف نے اپنی پہلی عبارت میں یہ الفاظ لکھا ہے :-

"ایک روایت کے مطابق"

انصاف کا تقاضہ تو یہ تھا کہ دوسری روایت بھی لکھ دی جاتی۔ وہ دوسری روایت جس سے وہ بھی واقف ہے اور عمداً نظرانداز کر دی گئی ہے۔ اس طرح ہے :-

"کشن راؤ کی بیوی کے متعلق دوسری روایت جو مشہور ہے وہ یہ ہے کہ بیوی کو جب اپنے حرام خور شوہر (زنار دار) کے باغیانہ خیالات معلوم ہوئے تو اس کو سخت نفرت ہوئی اور بحثا ورداتی کی زبانی ٹیپو سلطان کی والدہ کو اپنے شوہر کی نامعقول حرکتوں کی اطلاع کرائی"

معلوم ہوتا ہے کہ میسور گزیٹیر کے مصنف نے اس روایت کو اس لئے نقل نہیں کیا کہ اس سے سلطان پر کوئی الزام نہیں آتا۔ اگر اس واقعہ میں کچھ بھی صداقت ہوتی تو مغربی مصنفوں کی ذہنیت کو دیکھتے ہوئے کیا یہ ناممکن ہے کہ وہ اس واقعہ کو نہ لکھیں؟ وہ تو اس کو اس قدر شہرت دیتے۔ اور پروپگنڈا کرتے کہ ہر تاریخی کتاب میں یہ واقعہ جلی حروف میں لکھا ہوا نظر آتا۔ اب صرف یہ لکھنا باقی رہ گیا ہے۔ کہ پھر کرمانی نے یہ کیوں لکھا۔ کہ اسکو حرم میں داخل کر لیا گیا۔ (بدقسمتی سے آج کل "حرم" شاہی محل کی عورتیں جن میں کنیزیں بھی شامل ہیں، مراد لیجاتی ہیں۔ ورنہ حرم تو ایک ایسا لفظ ہے جسکی معنی ایسی جگہ کی ہیں۔ جو مقدس ہو۔ اور جہاں گناہ

کرنا ممنوع ہے۔ اس لئے مکۂ معظمہ، مدینۂ منورہ اور فلسطین کو حرمین کہتے ہیں۔ بعد میں یہ لفظ مسلمانوں کے گھروں کے زنانہ حصوں کے لئے بھی استعمال ہونے لگا۔ اس سے مراد یہ لی جاتی تھی کہ یہاں گھر کی عفت مآب عورتیں رہتی ہیں جنہیں شریعت نے نامحرم نہیں رکھا۔ گھر کے زنانہ حصہ کو حرم کا نام دینے سے مسلمانوں کے زیر نظر یہ مقصد تھا کہ عورتوں کی قدر و منزلت بڑھ جائے۔ رفتہ رفتہ جب عیاش سلاطین اور امراء جائز و ناجائز طور پر حاصل کی ہوئی عورتوں کو بھی شامل کرنے لگ گئے تو حرم کا مفہوم ہی کچھ اور ہو گیا۔ اور اسی معنے میں آج کل مغربی اور ہندو مصنفین اس لفظ کو لے رہے ہیں۔ (محمود)

اگر اس پہلی روایت کے بعد دوسری روایت پر بھی غور کیا جائے۔ تو تمام شبہات دور ہو جاتے ہیں۔ مقامی طور پر بھی جو بات مشہور ہے وہ یہی ہے۔ کہ کشن راؤ کی بیوی نے اپنے شوہر کے کرتوتوں سے سلطان کی والدہ کو مطلع کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے کرشن راؤ کے عزیز و اقارب اسکی جان کے دشمن ہو گئے۔ اور یہ ہونا لازمی تھا۔ سلطان کی والدہ نے اس کو پناہ دینے کے خیال سے اسکو محل کے اندر رہنے کی اجازت دیدی۔ اور چونکہ سلطان کی والدہ محل کے زنانہ حصہ میں (جو حرم کہلاتا تھا) رہتی تھیں۔ اس لئے کرمانی نے صحیح طور پر حرم کا لفظ استعمال کیا تھا۔ لیکن آج تعصب میسور گزیٹیر کے مصنف کو اس درجہ دیوانہ بنا دیا ہے کہ وہ حرم کی معنی کچھ اور سمجھے۔ اور الفاظ "خاص" اور "بجبر" اپنی جانب سے شامل کرے۔ ع ذراسی بات تھی جسے افسانہ کر دیا۔

سلطان کی سرنگاپٹم کو مراجعت

سید صاحب کو سرنگاپٹم بھیجکر سلطان نے میر قمرالدین کو سپہ سالار مقرر کیا۔ اور

اس کو حکم دیا کہ انگریزی فوج پر حملہ کرے۔ اور آپ دارالسلطنت کو روانہ ہو گیا۔ قمرالدین نے اپنی فوج کو حیدرآبادی فوج کا لباس پہنایا۔ اور بیت منگل اور مالور کے راستے سے بنگلور کی طرف پیش قدمی کی۔ راستے میں انگریزی فوج کا سامان رسد لوٹ لیا گیا۔ سلطانی سپاہ کے ہاتھ غلّہ سے لدے ہوئے پانچ ہزار بیل آئے۔ اور دو سو آدمی اسیر ہوئے اس لوٹ مار کا سلسلہ یہاں تک جاری ہوا کہ انگریزی کیمپ میں رسد کی آمد مسدود ہو گئی اور دن رات میں کسی کو لشکرگاہ سے باہر نکلنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

حیدرآبادی و مرہٹی فوجوں کے فتوحات

اس عرصہ میں نظام علی خاں اور مرہٹوں نے ملک کے اطراف میں مختلف قلعوں پر حملے کئے۔ چنانچہ حیدرآباد کے عیسےٰ خاں میراں یار جنگ نے قلعۂ کنچی کوٹہ، تاڑپتری، تارمری وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ اور حافظ فریدالدین خاں المخاطب بہ مویدالدولہ نے قلعۂ گتی کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں قطب الدین خاں دولت زئی سلطانی فوجدار نے اس کا مقابلہ کیا۔ حیدرآبادی فوج نے جب یہ دیکھا کہ گتی کا فتح ہونا دشوار ہے۔ تو نواح گتی کو تباہ کر کے شہر کڈپہ اور سدہوٹ پر قبضہ کر لیا۔ نیز گرم کنڈہ کا بھی محاصرہ کر لیا گیا۔

دوسری طرف مرہٹوں نے پرسرام ناظم مرج کے ماتحت سرحد پار ہو کر دھاڑواڑ پر قبضہ کر لیا۔ ہری پنڈت پھڑکیا نے ہرپن ہلی پر قابض ہوتے ہی سراپر فوج کشی کی۔ پرسرام ناظم مرج نے۔ دھاڑواڑ، انگوتہ، مرجان، شاہنور وغیرہ کا انتظام کر کے چیتلدرگ پہونچکر قلعہ دار دولت خاں کے پاس خط بھیجا۔ کہ اگر قلعہ مرہٹوں کے سپرد کر دیا جائے تو چار لاکھ روپیوں کی جاگیر دی جائے گی۔ مگر دولت خاں بجائے جواب دینے کے رات کے وقت مرہٹی

لشکر پر شبخون مار کر حیدر نگر چلا گیا۔ مرہٹی فوج سرا سے نکلکر انگریزی فوج سے آکر مل گئی۔ یہاں سرنگاپٹم پر حملہ کرنے کی تیاری ہوی۔ لیکن قمرالدین کی سلطانی سپاہ ساتھ ساتھ لگی ہوی تھی۔ اور جب کبھی موقع ملتا شبخون مارتی۔ یا سامان رسد لوٹ لیتی تھی۔ یہانتک کہ اس فوج مین جو کوئی سپاہی انگریزی کی ناک اور کان کاٹ کر لاتا۔ اس کو ایک طلائی ہن انعام ملتا۔ اور اناج سے لدے ہوے بیل کا انعام پانچ ہن اور گھوڑے کے دس ہن تھے۔ اس سے انگریزی سپاہیوں میں سخت پریشانی پھیل گئی۔ اور جس وقت یہ کری گٹہ کے قریب پہنچے تو ان کا سامان رسد بالکل ختم ہو گیا تھا۔ کری گٹہ پہنچکر انگریزوں نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا۔ اور قلعہ پر حملہ شروع ہوا۔ لیکن سلطانی سپاہ نے سختی سے مدافعت کی۔ محاصرہ نے جب طول کھینچا تو سامان رسد کی کمی کی وجہ سے انگریزی کیمپ میں اجناس کی قیمت بڑھ گئی۔ چھ روپیہ سیر چاول اور تین روپیہ سیر دال اور چار روپیہ کو سیر آٹا۔ اور گھی تو سولہ روپیہ سیر بھی ملنا دشوار تھا۔

سرنگاپٹم کا محاصرہ اور سامانِ رسد کی تنگی

انگریزی فوج حد درجہ تنگ آگئی۔ توپ کشی کے بیل تک بھی کھا لئے گئے۔ ملیبار کے راستے سے رسد پہنچنے کی امید تھی۔ معلوم ہوا کہ سلطانی سپاہ نے اس کو بھی لوٹ لیا۔ اس وقت کارنوالس بھاری بھاری توپیں زمین میں دفن کرا کر اور آلات چوبینہ اور وزن دار سامان کو آگ لگا کر کری گٹہ سے واپس ہوا۔ سلطان کو جب کارنوالس کی سراسیمگی کا حال معلوم ہوا تو اس نے کارنوالس کو میوے کے تحائف بھیجے اور صلح کا خط لکھا۔ کارنوالس نے میوہ واپس کر دیا۔ اور خط کا جواب بھی نہیں دیا۔

اس پر جیمس مل لکھتا ہے:۔

"انگریزوں کو اس وقت سلطان سے اس درجہ بغض اور حسد تھا کہ جس طرح وحشی اقوام کو اپنے دشمنوں پر ہوتا ہے۔ اور وہ سلطان سے اپنی شکستوں کا انتقام لینا چاہتے تھے۔"

"انگریزی فوج محاصرہ اٹھا کر اتری درگ پہونچی۔ لارڈ کارنوالس بالکل پریشان ہو گیا۔ انگریزی فوج جن مشکلات میں گھر گئی تھی۔ ماڈرن میسور کے مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۴ پر انکا بیان اس طرح دیا ہے:۔

"کنم باڈی پہونچکر لارڈ کارنوالس کو یقین ہو گیا کہ وہ کسی طرح محاصرہ کو کامیاب نہیں بنا سکتا۔ سامان رسد کی تنگی اور بار برداری کیلئے جانوروں کی کمی نے اس کو مجبور کر دیا کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے۔ اس لیے اس نے بتاریخ ۲۱ مے جنرل ابر کرامبی کو جو ملیبار کی طرف سے بڑھ رہا تھا۔ لکھ بھیجا کہ ملیبار کو واپس ہو جائے۔ کارنوالس کے خاص کیمپ میں فوجی سپاہی حد درجہ تکلیف میں مبتلا تھے۔ سپاہیوں کی خوراک نصف کر دی گئی تھی۔ باربرداری پر جو لوگ متعین تھے۔ ان میں بہت سے بھوک سے مر چکے تھے۔ اور جو بچے ہوئے تھے۔ وہ مرنے کے قریب تھے۔ ان ناقابل بیان مشکلات نے لارڈ کارنوالس کو مجبور کر دیا کہ وہ محاصرہ اٹھا کر واپس ہو جائے۔"

لارڈ کارنوالس واپس ہوا۔ اگر خوش قسمتی سے مرہٹی فوج اس کو راستے میں ملکر سامان رسد مہیا نہ کرتی تو انگریزی فوج کی مکمل تباہی میں کوئی کسر نہیں باقی رہگئی تھی۔

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۴ پر لکھتا ہے:۔

"چنکرولی پہنچکر لارڈ کارنوالس کی خوشی اور حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ یہاں اس کو مرہٹی فوج مل گئی۔ جو پرسرام بھاؤ اور ہری پنتھ کے ماتحت اس کو مدد دینے

کے لئے آرہی تھی۔ مرہٹی فوج میں سامانِ رسد کی فراوانی تھی۔ اس سامان رسد سے انگریزی فوج کی جان میں جان آئی۔ اور انھوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کی کاشتکار رعایا نے انگریزی فوج کو کوئی رسد بہم نہیں پہونچائی تھی۔

چنکرولی سے نکل کر اتحادیوں کی فوج بجائے دوبارہ سرنگاپٹم کا محاصرہ کرنیکے جانب شمال بڑھی۔ اور ماگڑی اور نندی درگ کے قلعوں پر حملہ کرکے ان پر اپنا قبضہ کرلیا۔ لطف علی قلعہ دار اور بخشی سلطان خاں اسیر ہو گئے۔

واقعاتِ ۱۲۰۷ھ مطابق ۱۷۹۲ء

جب انگریزی فوج محاصرہ اٹھا کر واپس ہوئی تو سلطان نے شہزادہ فتح حیدر کو گرم کنڈہ پر روانہ کیا۔ حافظ فریدالدین کے ماتحت حیدرآبادی فوج گرم کنڈہ کا محاصرہ کرلی تھی شہزادہ فتح حیدر اور علی رضا خاں نے حیدرآبادی فوجوں پر حملہ کردیا۔ حافظ فریدالدین کا سر کاٹ لیا گیا۔ حیدرآبادی فوج کڑپہ کی طرف فرار ہوگئی۔

سلطانی سپاہ گرم کنڈہ سے نکلکر مورسن ہلی اور وانمباڑی کی طرف بڑھی۔ یہاں سکندر جاہ اور مشیر الملک کی حیدرآبادی فوجیں مقیم تھیں۔ شہزادہ فتح حیدر کی آمد کی خبر سن کر وہ سنگل پالیہ چلے گئے۔ شہزادہ فتح حیدر یہاں سے مدگری ہوتا ہوا سرنگاپٹم پہونچا۔

اس کے ایک ہفتہ بعد نظام کی فوج خاتن نہاہلی کے نزدیک انگریزی فوج سے آکر ملی۔ موسم برسات کے ختم ہونے پر کارنوالس نے دوبارہ سرنگاپٹم پر چڑھائی کی۔ حیدرآبادی اور مرہٹی فوج ساتھ تھی۔

فریقین جنگ کی تعداد

کتاب ملٹری بیاگرافی میں فریقین جنگ

کی تعداد حسبِ ذیل دی گئی ہے:۔

انگریزی فوج (بہ ماتحتی کارنوالس)	۲۲	ہزار
حیدر آبادی فوج	۱۸	ہزار
مرہٹی فوج (بہ ماتحتی ہری پنتھ)	۱۲	ہزار
" (" پرسرام بھاؤ)	۲۰	ہزار
انگریزی فوج (" جنرل ابر کرامبی)	۹	ہزار
جملہ	۸۱	ہزار (اکیاسی ہزار)

اس حملہ آور فوج کے متعلق ایڈورڈ مور اپنی کتاب "کیپٹن لٹل کی یادداشتوں" میں لکھتا ہے:۔

" اس قدر کثیر حملہ آور فوج کے ساتھ بار برداری وغیرہ کیلئے جس قدر لوگ تھے ان میں مردوں سے زیادہ عورتیں تھیں۔ ہری پنتھ کی فوج بارہ ہزار تھی اور پرسرام بھاؤ کے ماتحت بیس ہزار سپاہی تھے۔ لیکن جو لوگ ان سپاہیوں کے ساتھ باربرداری وغیرہ کیلئے تھے۔ ان کی تعداد فی سپاہی بارہ آدمی کے حساب سے تھی۔ اور جانور جن میں ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، بیل اور گدھے تھے ۔ فوجی سپاہیوں سے پندرہ گُنا زیادہ تھے۔ اندازہ کیا گیا کہ تین لاکھ بیس ہزار باربردار اور چار لاکھ اسی ہزار جانور کیمپ میں موجود تھے۔ انگریزوں اور نظام کی فوج ان کے علاوہ تھی۔ اتحادیوں کی یہ فوج جب کوچ کرتی تھی۔ تو معلوم ہوتا تھا کہ تمام کائنات حد نظر تک انسانوں اور جانوروں سے بھری ہوئی ہے"۔ (ماڈرن میسور صفحہ ۱۵۶)

اتحادی فوج کی اوپر لکھی ہوئی تعداد کے مقابل اندازہ ہے کہ سلطانی سپاہ کی

تعداد قلعہ میں ۴۰ ہزار سپاہی اور پانچ ہزار سوار ہونگے۔ (ملٹری بیاگرافی)

جب یہ فوج سرنگاپٹم کے مقابل آئی۔ سلطان پر حال کھلا۔ کہ قلعداروں نے رشوت لیکر انگریزی فوج کی کہیں بھی مدافعت نہیں کی۔ افواج متحدہ نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا۔ مہدی علی خاں نائطہ کی سازش سے لارڈ کارنوالس شہر گنجام اور لال باغ پر بغیر کسی جنگ کے قابض ہو گیا۔ اور دوسری فوج جو جنرل میڈوز کے ماتحت تھی۔ عید گاہ والے مورچہ پر قبضہ کر لی۔ اگرچہ سید غفار سپہ دار نے اپنی پوری طاقت اسکے بچانے پر صرف کر دی تھی۔

خاتمۂ جنگ اور شرائط صلح

رات ہو چکی تھی۔ دوسرے دن قلعہ سے سلطانی فوج نے باہر نکلکر کچھ ایسی بے جگری سے حملہ کیا کہ انگریزی فوج پسپا ہونے پر مجبور ہو گئی۔ قلعہ کی دیوار پر خود سلطان گولہ باری کا نگران تھا۔ انگریزی فوجیں کچھ اس طرح پسپا ہوئیں۔ کہ دریا پار آکر کری گٹہ میں پناہ لیں۔ شام ہو جانے سے سلطانی سپاہ واپس آ گئی۔ یہ ایک ایسی غلطی ہوی کہ جس کا خمیازہ سلطانی سپاہ کو بہت بری طرح بھگتنا پڑا۔

خود لارڈ کارنوالس کا میر منشی حمید خاں اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"اگر سلطانی فوج اسی طرح تعاقب کرتی تو افواج متحدہ (انگریز، نظام، مرہٹے) کا اسی شب خاتمہ ہو جاتا"۔

مگر ہندوستان کی قسمت کچھ اور ہی گل کھلا رہی تھی۔ محاصرہ طول پکڑا۔ افواج متحدہ رسد کی تنگی اور رات دن کی لڑائیوں سے بددل ہو گئی تھیں۔ اس لئے کارنوالس نے اسوقت سلطان کے اگلے خط کا جواب دیا۔ اور فریقین میں ۲۳ فروری ۱۷۹۲ء میں صلح ہو گئی۔

شرائطِ صلح

(۱) سلطان حلیفوں کو تین کروڑ روپیوں کا ملک چھوڑ دے۔

(۲) تین کروڑ روپیہ نقد دے۔ اور

(۳) ان روپیوں کے وصول ہونے تک دو شہزادوں کو انگریزوں کے پاس بطور یرغمال رکھا جائے۔

جب یہ شرائط قلعہ میں معلوم ہوئیں تو سلطان نے پہلے تو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر بعد میں امراء و وزراء نے ان کے قبول کر لینے پر زور دیا۔ سلطان کو معلوم ہو گیا کہ تمام کے تمام سازش میں ملوث ہیں۔ تو اس نے بمجبوری ان شرائط کو قبول کر لیا۔

شرائطِ صلح کی رو سے۔ بارہ محل، سیلم، انور انگری، سنگل ورگ۔ ڈنڈیگل اور کالیکٹ انگریزوں کے قبضہ میں آئے۔ دریائے تنگبھدرا سے شمالی جانب کا تمام ملک مرہٹوں کو ملا۔ اور حیدر آباد کی قسمت میں تاڈپتری، پارھری، بلاری وغیرہ آئے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ راجہ ٹراونکور جس کی حمایت کے بہانہ سے یہ جنگ شروع کی گئی اس کا شرائطِ صلح کے سلسلہ میں کہیں ذکر ہی نہیں آتا ہے۔

شہزادہ عبدالخالق اور معزالدین کو میر غلام علی لنگڑے کی نگرانی میں انگریزی کیمپ میں بھیج دیا گیا۔ جہاں کارنوالس نے خود انکا استقبال کیا۔ اور میجر ڈفٹن شہزادوں کا نگران مقرر ہوا۔ تاوان جنگ کی رقم میں ایک کروڑ روپیہ فوراً دیدئے گئے۔

جب سلطان کے دو فرزند انگریزی کیمپ میں پہونچ گئے۔ تو لارڈ کارنوالس نے محاصرہ اٹھانے سے پہلے مطالبہ کیا کہ کورگ بھی انگریزوں کے حوالے کر دیا جائے۔

مسٹر ٹارنس اپنی کتاب "امپائر ان ایشیا" کے صفحہ ۱۸۱ پر لکھتا ہے:۔



صلح سنہ ۱۷۹۲ء - میر غلام علی (لنگڑا) شہزادہ عبدالخالق و معزالدین کو بطور یرغمال لارڈ کارنوالس کے حوالے کر رہا ہے۔ غلام علی کے بائیں جانب پشت پر میر صادق ہے

"سلطان نے اس مطالبہ پر دریافت کیا کہ جبتک شہزادے اور تاوان کی رقم انگریزی کیمپ میں نہیں پہونچی تھی۔ اس جدید علاقہ کا مطالبہ کس لئے نہیں کیا گیا۔ مگر یہ سب بیکار تھا۔ شہزادے انگریزی قبضہ میں تھے۔ کارنواس جانتا تھا کہ شاہزادوں کی خاطر سے سلطان دوبارہ جنگ اختیار نہیں کریگا۔ آخر یہی ہوا کہ سلطان نے کورگ دینا قبول کر لیا۔"

یہ ہے لارڈ کارنواس کی وہ دیانتداری۔ جس پر صلح کے بعد بھی اس نے عمل کیا۔ انگریزوں کو جب کورگ بھی حاصل ہو گیا۔ تو صلحنامہ پر دستخط ہو گئے۔ افواج متحدہ محاصرہ اٹھا کر واپس ہو گئیں۔ اور سلطان کے قبضہ سے آدھا ملک نکل گیا۔

مورخ باسو لکھتا ہے:۔

"یہ موجودہ حکمران خاندان میسور کی خوش قسمتی تھی کہ سرنگاپٹم اسوقت فتح نہیں ہوا۔ ورنہ کارنواس اتنی بھی زحمت گوارا نہ کرتا کہ ملک کس کو دیا جائے۔"

ہندو مورخین لکھتے ہیں کہ:۔

"سلطنت خداداد کا کارنواس کے ہاتھوں خاتمہ ہو جاتا۔ اور جس شخص نے اس کو بچا لیا وہ نانا فرنویس تھا۔ جو پیشوائے پونا کا وزیر اعظم تھا۔ اس محب الوطن کی دوربین نظریں دیکھ رہی تھیں کہ کس طرح انگریز ملک پر حاوی ہو رہے ہیں۔"

مگر اصلیت یہ ہے کہ سلطان کی بڑھتی ہوئی طاقت خود مرہٹوں کو فنا کا پیغام دے رہی تھی۔ اس لئے نانا فرنویس کی غرض انگریزوں سے اتحاد کرنے میں صرف یہ تھی کہ سلطنت خداداد کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اگر بالفرض یہ بھی مان لیا جائے کہ نانا فرنویس کا مقصد صرف سلطان کی طاقت کو کم کرنا تھا اور جب یہ مقصد حاصل ہو گیا تو اس نے صلح کی تحریک کی

تو کہنا پڑیگا۔ کہ یقیناً نانا فرنویس باوجود محب وطن ہونے کے دُور اندیش نہیں تھا۔ اس نے خود انگریزوں کے خلاف متعدد بار ساز باز کی۔ اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ انگریزوں نے پونا میں نارائن راؤ اور رگھوبا کے وقت میں کیا کچھ سازشیں کی تھیں۔ بنگال اور کرناٹک کے واقعات اسکی آنکھوں سے چھپے ہوئے نہیں تھے۔ باوجود یہ جاننے کے کہ انگریزوں کا مدِمقابل سوائے ٹیپو سلطان کے ملک میں اور کوئی نہیں ہے۔ اس کی طاقت کو کم کرنا سوائے ایک مذہبی تعصب کے اور کچھ نہیں تھا۔ سلطان کی طاقت کو کمزور کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعد میں مرہٹوں بلکہ خود نانا فرنویس کی زندگی انگریزوں کے رحم پر منحصر ہوگئی تھی۔

جس وقت عہدنامہ کی خبر انگلستان پہنچی تو مسٹر فاکس نے پارلیمنٹ میں کہا:۔

"کارنوالس نے لٹیروں کا ایک جتھا تیار کیا ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے وہ حقداروں کا حق لوٹ رہا ہے"

مگر پارلیمنٹ پر اس کا اثر کچھ بھی نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس لارڈ کارنوالس کے رتبہ کو بڑھا کر اس کو مارکوئیس کا خطاب دیا گیا۔

لارڈ کارنوالس کے میر منشی حمید خاں جو اس جنگ میں شریک تھے اپنی تاریخ میں لارڈ کارنوالس کی حکمت عملی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"جب ہماری (انگریزی) فوج موضع کرار میں تھی۔ اس دن شام کو محرم کا چاند نظر آیا۔ اس لئے لارڈ کارنوالس نے عشرہ محرم کے احترام میں دس دن تک کیمپ ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ ہندوستان کے سب سپاہی محرم کی دس تاریخ تک بالکل بے لحاظ ہو کر اول فول بکتے۔ اور عوام الناس عشرہ کے دنوں میں روپ اور بھیس بدلا کر سوانگ بھرتے ہیں تعزیہ اور علم بنا کر دنگل وغیرہ قایم کرتے ہیں۔

اس قسم کی بہت سی رسومات سلطنتِ خداداد میں سلطان کے حکم سے ممنوع تھیں

لارڈ کارنوالس نے ہندوستانی سپاہیوں کو چھٹی دیدی کہ محرم منائیں۔ لارڈ صاحب نے حکم دیا کہ سوانگ بھرنے والے انکے خیمہ پر سے گذریں کہ لارڈ صاحب کو ان کے دیکھنے کا شوق ہے۔ اور وہ اس کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ ساتویں محرم سے دسویں محرم تک علم اور تعزئے اٹھے۔ اور لوگ قسم قسم کے سوانگ بھر کر آئے۔ لارڈ صاحب خیمہ کے باہر کرسی پر رونق افروز تھے۔ جب کبھی علم یا تعزیہ آتا تو اٹھ کر سر جھکا کر تعظیم کرتے، اور ادب سے دو تین قدم پیچھے ہٹ جاتے۔ اور رخصتی کے وقت اپنے سکرٹری چیری صاحب کی معرفت چاندی کے طبق میں روپیہ رکھکر نذر گذارتے۔ تین دن تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ یہ خبر اطراف واکناف میں پھیل گئی۔ تو لوگوں میں مشہور ہوا کہ انگریزی قوم جس کو اب تک کافر کہا جاتا تھا۔ حسن سلوک اور اعتقاد میں مسلمان بادشاہوں سے اچھی ہے"

لارڈ کارنوالس مغربی دل ودماغ لیکر ہندوستان آیا تھا اور پروپگنڈا کے فن میں اسے غیر معمولی کمال حاصل تھا۔ سلطان نہ صرف بادشاہ بلکہ شریعت سے پورا باخبر اور عالم باعمل تھا۔ چنانچہ اس نے محرم کی بدعات، قسم قسم کے مکروہ سوانگ اور مشرکانہ رسومات جنہیں اسلام سے کچھ دور کا واسطہ بھی نہیں تھا سلطنت میں بالکل ممنوع قرار دیدیا تھا۔

نوٹ:۔ کارنوالس نے مسلمانوں کی ذہنیت کو دیکھتے ہوئے اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس کی وجہ سے شیعہ اور سادات جن کا پیشہ پیری مریدی تھا۔ سلطان کے خلاف ہو کر انگریزوں کی دل کھول کر تائید کی۔ اس کا مفصل حال سلطنت خداداد کے زوال کے اسباب میں لکھا گیا ہے۔)

واقعات مابعد جنگ

انگریزوں سے جنگ کے خاتمہ پر سلطان نے از سر نو سلطنت کے انتظام پر توجہ کی۔ میر صادق دیوان مقرر ہوا۔ اور پورنیا وزیر مالیات تھا۔ سید صاحب سپہ دار کو حیدر نگر کا صوبہ دار بنایا گیا۔ اور اس کو نوبت نقارہ، فیل مع عماری طلائی مرحمت ہوئے۔ افواج متحدہ کے جانے کے بعد جب سلطان کی فوجی طاقت کمزور محسوس ہونے لگی۔ تو ملک میں کئی راجہ اور پالیگار بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ ان میں قابل ذکر مدگری اور ہرپن ہلی کی بغاوتیں ہیں۔ سید صاحب مدگری پر اور میر قمر الدین ہرپن ہلی پر بھیجے گئے۔ مدگری کی بغاوت بہت جلد فرو کر دی گئی۔ ہرپن ہلی میں سات مہینوں تک لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر میں راجہ گرفتار کر لیا گیا۔ غرض جب ملک میں کامل طور پر امن و اطمینان ہو گیا۔ تو سلطان نے کل سلطنت میں فرمان جاری کیا کہ ہر سال ذی الحجہ کے مہینے میں کارپرداز اور عاملان حکومت دار السلطنت میں حاضر ہو کر اپنی کارگذاری سنائیں۔ اور باہمی مشورہ کیساتھ کام کریں۔ اسکے علاوہ ملک کے نظم و نسق میں رعایا کو حصہ لینے کیلئے مجلس (پارلیمنٹ) قایم کی۔ جس کا نام "زمرۂ غم نباشد" رکھا گیا۔ اور اس کا صدر اعظم میر صادق مقرر ہوا۔

۱۷۹۶ء میں سلطان کے دونوں شہزادے جو انگریزوں کے پاس بطور یرغمال تھے۔ واپس ہوئے۔ انکی آمد پر ایک شاہانہ جشن منایا گیا۔ اور اس موقع پر سلطان نے تمام امراء واعیانِ سلطنت کی دعوت کی۔ سب ایک ہی وسیع دستر خوان پر بیٹھے۔ اور ہر ایک کے سامنے شیر برنج رکھا گیا۔ سلطان نے سب کو مخاطب کر کے ایک تقریر کی۔ جس میں اتحاد، اتفاق، اور جہاد فی سبیل اللہ پر سب کو توجہ دلائی۔ اور ہر ایک سے اقرار لیا گیا۔ کہ وہ

دینِ اسلام کی حمایت و حفاظت کیلئے ہمیشہ مستعد رہیں گے۔ اسکے بعد سب کو شہادت کے سرخ خلعت تقسیم کیے گئے۔

سلطان کے مسلمان افسر اور میر صادق نے اس وقت جس قسم کا عہد کیا تھا۔ اس عہد کو کتاب ماڈرن میسور کے صفحہ ۲۷ سے یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

عہد نامہ میر صادق

"میں میر محمد صادق نمک خوار و ملازم سرکار خداداد، اپنے پروردگار اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور کلام اللہ کو حاضر و ناظر اور شاہد سمجھ کر اور خدا کی قسم کھاتے ہوئے صدق دل سے اقرار کرتا ہوں۔ کہ میں نہایت وفاداری سے اپنے آقا سلطان کی اطاعت کروں گا۔ اور اسی کے حکم کو ہر چیز پر مقدم سمجھونگا۔ میرا دل کبھی اس کی اطاعت سے منحرف نہ ہوگا۔ میری زبان کبھی اسکے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہے گی۔ میری آنکھ کبھی اسکی برائی نہ دیکھ سکے گی۔ میرے کان کبھی اسکے خلاف نہ سن سکینگے۔ میرے ہاتھ ہمیشہ اس کی برتری و بھلائی کیلئے کوشاں رہیں گے۔ اور میں یہ بھی اقرار کرتا ہوں کے اسکے خلاف جو کچھ دیکھونگا یا سنوں گا تو اسی وقت حضوری میں بیان کرونگا۔ اگر خدانخواستہ مجھ سے ان مذکورۂ بالا شرائط کی خلاف ورزی ہو جائے یا میری اطاعت میں فرق آجائے تو میں خدائے برتر و توانا کو جس کا دوسرا نام منتقم بھی ہے۔ حاضر و ناظر سمجھکر کہتا ہوں کہ وہ مجھے اپنے غضب میں پکڑے۔ اور مجھے تباہ کر دے۔"

صاحبِ نشانِ حیدری لکھتے ہیں:۔

"لیکن وہ تو دور ہی پلٹ چکا تھا۔ اور وہ سیاہ دل قومی زندگی، آزادی یا شہادت کو کیا جانتے تھے۔ اس لئے سب زمانہ سازی کی باتیں کر کے واپس ہو گئے۔ اور جو سچے دیندار اور پکے جاں نثار تھے۔ ان کو سلطان کے کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔"

سلطان کو ہر شخص پر اعتماد تھا۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور دوسرے امور سلطنت پر متوجہ ہو گیا۔

ملک کے تمام قلعوں کی مرمت کی گئی۔ سرنگا پٹم کا قلعہ خاص طور پر مضبوط کیا گیا۔ خاندان کے شہزادوں کی شادیاں کی گئیں۔ اسی عرصہ میں شاہزادۂ ایران اپنا ملک چھوڑ کر بحالت غربت سرنگا پٹم پہونچا۔ سلطان نے اس کو نہایت اعزاز سے رکھا۔ اور دس ہزار روپیہ ماہانہ مقرر کیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد تحفہ تحائف دیکر ایران کو رخصت کیا۔

اتحاد بین المسلمین و اتحاد ملکی کے لئے زماں شاہ والئ کابل۔ سلطان روم فرمانروائے ایران اور ہندوستان کے حکمرانوں کے دربار میں دوبارہ ایلچی اور خطوط روانہ کئے گئے۔ ۱۷۹۸ء میں یہ ایلچیاں واپس ہوئے۔ فرانس اور زماں شاہ کی طرف سے سلطان کو بوقت ضرورت تائید کا یقین دلایا گیا۔

ان تمام امور کے علاوہ سلطان کی خاص توجہ فوج کی تنظیم کی طرف تھی۔ بحری اور بری فوج کی تعداد بڑھادی گئی۔ انکی تعلیم کیلئے مدارس جاری کئے گئے۔

انگریزوں سے چوتھی جنگ

جب ملک میں از سرِ نو تازہ روح پھونکی جانے لگی تو سلطان کی طاقت دوبارہ اپنی گذشتہ حالت سے بدرجہا بہتر ہو گئی۔ سلطان کے عزم و ارادے دشمنوں کی نظروں میں خار بنکر کھٹکنے لگے۔ سب سے بڑھکر خوف ایسٹ انڈیا کمپنی کو تھا۔ جو اب ملک کی اندرونی حالت اور آپس کی نااتفاقی سے فائدہ اٹھاکر ہندوستان پر اپنی سیادت قایم کر چکی تھی۔ کمپنی کی خوش قسمتی سے ارل آف مارننگٹن یعنے لارڈ ولزلی ایسٹ انڈیا کمپنی کا گورنر جنرل بن کر آیا۔ جس کے دل میں پہلے ہی سے سلطنت خداداد کے مٹانے کا ارادہ موجود تھا۔

لارڈ مارننگٹن
(مارکوئیس آف ولزلی)

ارل آف مارننگٹن کا وطن آئرلینڈ اور تاریخ پیدائش ۲۰ جون ۱۷۶۰ء ہے۔ اس کا پورا نام رچرڈ کولی ولزلی ہے ۱۷۸۰ء میں پارلیمنٹ کا ممبر بنا۔ اور اسی زمانہ سے سیاست ہندوستان میں دلچسپی لینے لگا۔ اس کو شروع سے پارلیمنٹری طریقۂ حکومت سے اختلاف رہا۔ وہ شخصیت اور شاہ پسند تھا۔ فرانسیسیوں سے اس کو خاص طور پر دشمنی تھی۔ اس لئے کہ فرانس میں اس وقت جمہوریت قایم ہو رہی تھی۔ فرانسیسیوں کے ساتھ اس کو جو مخصوص دشمنی تھی ان کی وضاحت کرتے ہوئے ایک مورخ لکھتا ہے:-

"لارڈ صاحب کی بیوی ایک فرانسیسی عورت تھی۔ جس سے شادی کے قبل ہی لارڈ صاحب کے تعلقات تھے۔ گو بعد میں اس سے شادی ہو گئی۔ لارڈ صاحب جب ہندوستان آ رہے تھے۔ تو اس عورت نے آنیسے انکار کر دیا۔ اور گو طلاق

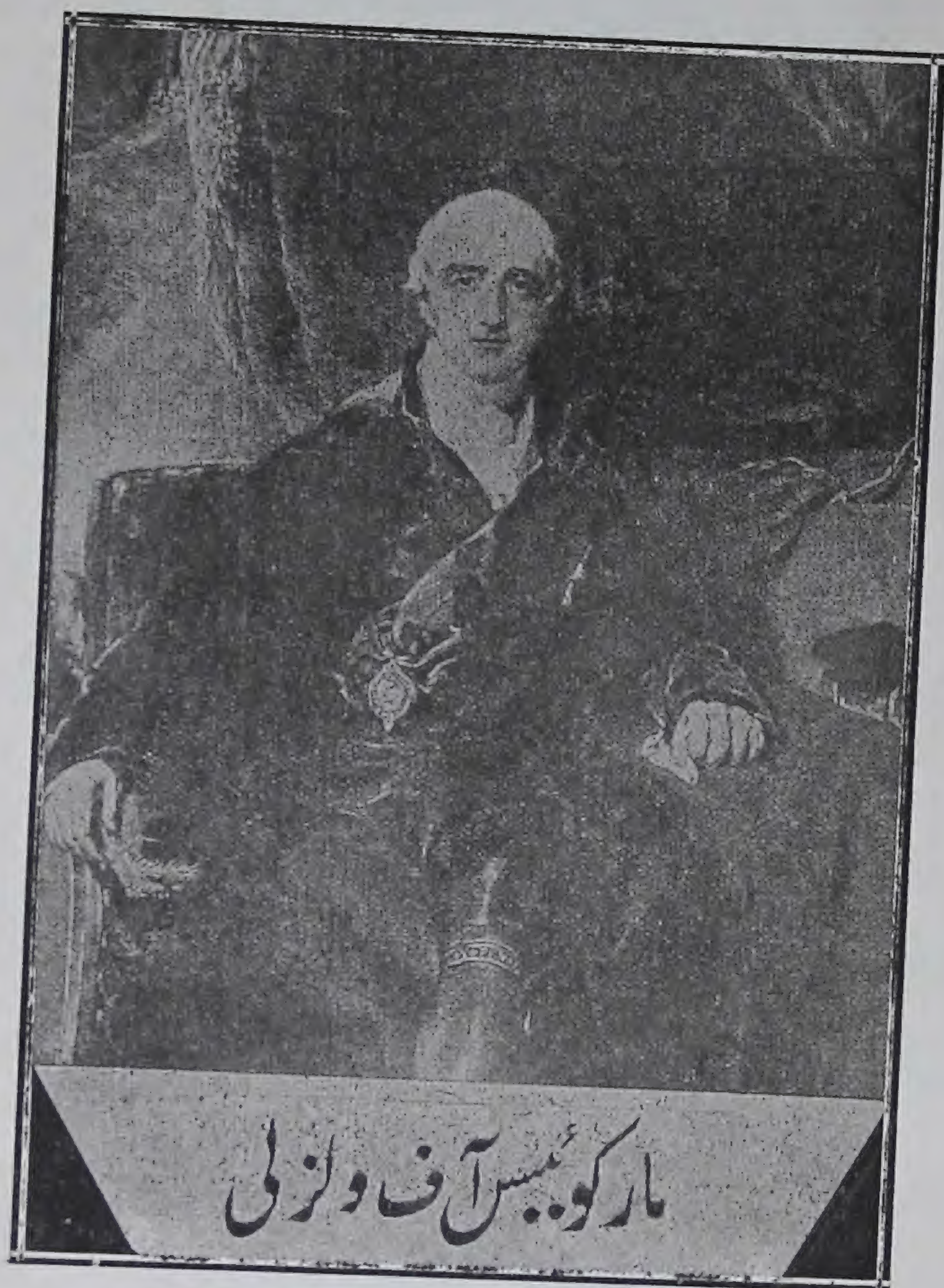
نہیں لی۔ مگر علیحدہ ہوگئی۔ یہی وہ مخصوص وجہ تھی۔ جس نے لارڈ ولزلی کو فرانس والوں کا دشمن بنا دیا۔ (رائیز آف کرسچین پوور ان انڈیا)

لارڈ کارنوالس سابق گورنر جنرل کی لارڈ ولزلی سے گہری دوستی تھی۔ اس دوستی کی وجہ سے ولزلی ہندوستان کے تمام حالات سے باخبر تھا۔

۱۷۹۸ء میں سر جان شور کے جانے کے بعد لارڈ ولزلی گورنر جنرل مقرر ہوا۔ اور جس وقت وہ انگلستان سے ہندوستان آرہا تھا۔ تو راستہ میں راس امید (کیپ آف گڈ ہوپ) میں اسکی ملاقات بیرڈ کے علاوہ جنرل میڈوز سے بھی ہوئی۔ جو مدراس کا گورنر تھا۔ ان دو کی ملاقات سے اندازہ ہوسکتا ہے۔ کہ ولزلی کس قسم کے خیالات لیکر ہندوستان آپہونچا ہوگا۔ بیرڈ ایک عرصہ تک سلطان کی قید میں تھا۔ اور میڈوز متعدد دفعہ جنگوں میں شکست کھا کر سلطان سے انتقام لینے کیلئے تڑپ رہا تھا۔ اس کا جذبۂ انتقام یہاں تک بڑھا ہوا تھا۔ کہ جب لارڈ کارنوالس نے میسور کی تیسری جنگ میں سلطان سے صلح کرلینی چاہی تو اس نے اپنے آپ کو گولی مار لی تھی۔

ان دو شخصیتوں کے سوا ولزلی نے کیپ آف گڈ ہوپ میں میجر کرک پیاٹرک سے بھی ملاقات کی۔ جو ایک عرصہ تک حیدر آباد میں رزیڈنٹ رہا تھا۔ اسکی زبانی ولزلی کو معلوم ہوا کہ نہ صرف ٹیپو بلکہ حیدر آباد کی ملازمت میں بھی چند فرانسیسی موجود ہیں۔ ولزلی کو یہ پورا یقین تھا۔ کہ جب تک فرانسیسی ہندوستان میں رہیں گے۔ انگریزوں کو ان سے خطرہ لگا رہیگا۔ کرک پیاٹرک کی زبانی اس کو حیدر آباد اور پونہ کی حالت سے بھی پوری واقفیت ہوگئی۔

یہاں ولزلی نے ان تمام سرکاری خطوط کو بھی دیکھا جو سر جان شور گورنر جنرل



مارکوئیس آف ولزلی



کی جانب سے کمپنی کے ڈیرکٹروں کو لکھے گئے تھے۔ ان خطوط سے سیاسیات ہند کے تازہ
حالات بھی معلوم ہو گئے۔ ان خطوط میں سرجان شور نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ
وہ ٹیپو کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روک نہیں سکا تھا۔

یہاں یہ بھی لکھنا ضروری ہے کہ سرجان شور کی خاموش پالیسی انگلستان کے وزیر
اعظم مسٹر پٹ کے بالکل ناپسند تھی۔ اس کو انگلستان کی سلطنت کو وسیع کرنے کی دُھن لگی
ہوئی تھی۔ جس طرح اس نے کارنوالس کا انتخاب کیا تھا۔ اسی طرح اب ولزلی کا بھی انتخاب
کیا۔ اور یہ انتخاب نہ صرف سیاست ہندوستان بلکہ اس وقت کی یوروپ کی سیاست کو
نظر رکھتے ہوئے ہوا تھا۔ یوروپ میں یہ وہ زمانہ تھا کہ نپولین اعظم کی فتوحات کا ڈنکا
بج رہا تھا۔ ہالینڈ، بلجیم، آسٹریا اور اٹلی۔ فرانس کے زیر نگین آچکے تھے۔ اور نپولین مصر
اور ہندوستان پر فوج کشی کرنے کیلئے بے تاب نظر آرہا تھا۔ ایسے وقت ہندوستان میں
فرانسیسیوں کی موجودگی انگلستان کیلئے اضطراب کا باعث بنی ہوئی تھی۔ اس لئے وزیر
اعظم مسٹر پٹ کی نظریں ایک ایسی شخصیت تلاش کررہی تھیں۔ جس کا مزاج فرانسیسیوں کے
خلاف اور جس کی طبیعت میں انقلاب سے بیزاری موجود ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ فرانس
میں انقلاب پسندوں نے شاہی کا خاتمہ کردیا تھا۔ اور یہی انقلاب پسندوں نے اپنی
بڑھتی ہوئی قوت سے یورپ کے تمام شاہی خاندانوں کا خاتمہ کردینا چاہتے تھے۔ یہ
انگلستان کی خوش قسمتی تھی کہ انہوں نے اسوقت انگلستان پر توجہ نہیں کی۔ انکی تمامتر
توجہ آسٹریا اور اٹلی پر لگی ہوئی تھی۔ اس لئے اس مہلت سے فائدہ اٹھاکر انگلستان اپنے
مقبوضات کو وسیع کرنا چاہتا تھا۔ ایسے وقت میں جب یہ معلوم ہوچکا تھا کہ ہندوستان
میں ٹیپو سلطان فرانسیسیوں کا دوست اور انگریزوں سے گذشتہ جنگ کا انتقام لینا چاہتا ہے

تو مسٹر پٹ نے لارڈ ولزلی کا انتخاب کیا جو شاہ پسند طبقہ سے تھا۔ اور جس کے دل میں بھی انگلستان کے مقبوضات کو وسیع کرنے کی تڑپ موجود تھی۔

لارڈ ولزلی کا ہندوستان میں پہلا کام،

لارڈ ولزلی جس وقت ہندوستان پہونچا۔ تو اس وقت ہندوستان میں قابل الذکر تین طاقتیں تھیں۔ ایک مرہٹے، دوسری حیدرآباد اور تیسری سلطنتِ خداداد، گو مرہٹوں میں نا اتفاقی تھی۔ مگر انکی طاقت مسلمہ تھی۔ حیدرآباد میں جو کچھ طاقت تھی۔ وہ ۱۷۹۵ء میں جنگ کرڈلا میں مرہٹوں کے ہاتھوں فنا ہو چکی تھی۔ لیکن اب بھی نظام کو ایسٹ انڈیا کمپنی پر بھروسہ تھا۔ کہ تائید دیکر حیدرآباد کی سابقہ حالت کو بحال کردیگی۔ اس لئے وہ کمپنی کی دوستی کا متلاشی تھا۔ تیسری طاقت ٹیپو سلطان کی تھی۔ جو روز افزوں ترقی پر تھی۔ اس لئے لارڈ ولزلی کی نظر سب سے پہلے حیدرآباد پر اٹھی کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ لارڈ ولزلی اپنے ایک خط میں لکھتا ہے:۔

"موجودہ وقت میں معلوم ہوتا ہے۔ کہ نظام ہر قسم کی قربانی دیکر ہماری دوستی حاصل کرنے پر آمادہ ہے۔ اس لئے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمیں نظام سے اسکی اپنی فوجیں علیحدہ کرنے کیلئے خط و کتابت کرنا چاہیئے۔"

اس وقت حیدرآباد میں کیپٹن جیمس کرک پیاٹرک رزیڈنٹ تھا۔ جس کو دربار حیدرآباد سے حشمت جنگ کا خطاب بھی حاصل تھا۔ کیپٹن کرک پیاٹرک نے حیدرآباد میں اس قدر اثر و رسوخ اور دوستی پیدا کرلی تھی کہ اسکی مناکحت میں حیدرآباد کے ایک امیر کی دختر تھی۔

کتاب "میر عالم کے سوانح زندگی" مصنفہ محمد سراج الدین طالب حیدرآبادی مطبوعہ حیدرآباد کے

صفحہ ۹۰ پر اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا گیا ہے :-

" جیمس اکیلیس کرک پیاٹرک اپنی حیدرآباد کی رزیڈنسی کے زمانہ میں اپنی راتیں
ایک مکان میں (جو رزیڈنسی کے سرکاری مکان کے قریب واقع تھا) گزارتے تھے.
جن میں انکی ایک مدخولہ رہتی تھی. اس گھر میں عاقل الدولہ کی نواسی خیرالنسا بیگم
بھی (جو مہدی یار خاں اور شرف النسا بیگم کی لڑکی تھی) آیا اور رہا کرتی تھی. یہ
لڑکی میر عالم کے رشتہ میں بھی ہوتی تھی. سوء اتفاق سے کرک پیاٹرک سے اس کا
تعلق ہوگیا. اور اسکی دلچسپی اس لڑکی سے زیادہ ہوگئی. اور جب بات پھوٹ گئی
توانہوں نے اس لڑکی کو اپنے مکان رزیڈنسی میں داخل کر لیا."

کرک پیاٹرک کی چیرہ دستیاں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ علاوہ دوسرے امرائے
حیدرآباد کے خود میر عالم تک بھی، جو انگریزوں ہی کا بنایا ہوا تھا. لارڈ ولزلی سے
اس کی شکایت کی.

ایک دوسرے مورخ کے حوالے سے مورخ باسو لکھتا ہے :-

" میر عالم کا عہدۂ وزارت انگریزوں کا رہین منت ہے. عظیم الامراء کی وفات
کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کا مفاد میر عالم کی ذات سے ہی وابستہ تھا.
اگرچہ نظام الملک کی یہ خواہش نہیں تھی. کہ میر عالم اس عہدہ پر مامور ہو مگر دربار
حیدرآباد کی حالت اس وقت اس قدر خراب تھی. کہ صحیح معنوں میں وہاں کوئی مدبر
سیاست دان نہیں تھا.

وہی مورخ لکھتا ہے :-

" جو لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے بعد عصائے سلطنت انگریزوں کے ہاتھ

آباد تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ عصیان کے طرقہ سے بھی گر جانے والا تھا۔ ایسے
وقت میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو سہارا دینے والا بھی مسلمان ہی تھا۔ اور وہ حیدر
آباد تھا۔"

اگرچہ نظام الملک اول سلطنت مغلیہ کے زوال کا باعث ہوا تو اس کا جانشین
میر نظام علیخاں انگریزوں کی طاقت کو ہندوستان میں مستحکم بنانے کا سبب بنا۔ تاریخ دان اصحاب جانتے
ہیں۔ کہ لارڈ ولزلی اپنے ساتھ ایک اسکیم لایا تھا۔ اور وہ اسکیم یہ تھی کہ ہندوستان میں
دیسی حکمران اپنی فوج برطرف کر کے انگریزی فوج اپنی حفاظت کے لیے رکھیں۔ اس
طریقہ کو تاریخ میں

"سب سی ڈیاری سسٹم"

کہا جاتا ہے۔ جو ہندوستانی حکمرانوں کی آزادی سلب کرنے کیلئے ایک آلہ تھا۔
نظام حیدر آباد سے براہِ راست اس طریقہ کو اختیار کرنے کی تحریک ولزلی کے
نزدیک خلاف مصلحت تھی۔ میر نظام علیخاں کی پالیسی خواہ کچھ ہو۔ وہ خوددار تھا۔ اس
لئے لارڈ ولزلی نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ کپتان کرک پیاٹرک کو لکھا گیا کہ عظیم الامراء ارسطو جاہ
کو اپنے ساتھ ملا کر اس کو آمادہ کیا جائے کہ حیدر آباد کو تباہی سے بچانے کیلئے

"سب سی ڈیاری سسٹم"

قبول کرلے۔ اور یہ کارروائی اس طریق سے ہو کہ خود حیدر آباد ایسٹ انڈیا کمپنی سے اس
کیلئے درخواست کرے۔ ارسطو جاہ کرک پیاٹرک کی جال میں پھنس گیا۔
تاریخ اپنا سبق دھراتی ہے، زمانہ کی ستم ظریفی دیکھئے۔ کہ جس طرح نظام الملک اول
بحیثیت وزیر سلطنت مغلیہ اپنے آقا سے غداری کرکے اپنی سلطنت قایم کی۔ اسی طرح خود اس



میر عالم
حیدر آباد



ارسطو جاہ
وزیر اعظم حیدر آباد



رکن الدولہ
وزیر اعظم حیدر آباد

کی سلطنت کا وزیر یہی سلوک اپنے آقا سے کرتا ہے۔ لیکن نظام الملک کی خودداری نے اس مشورہ کو ٹھکرا دیا۔ مگر اتفاق سے اسی موقع پر خاص حیدرآباد کی فرانسیسی فوجوں میں شورش پیدا ہوگئی۔ اس شورش میں کس کا ہاتھ تھا؟ تاریخ اس کے جواب میں خاموش ہے۔ دوسری طرف انگریزی افواج علاقہ گنٹور میں خفیہ طور پر پہلے ہی سے اس مقصد کیلئے تیار رکھی گئی تھیں کہ وقتِ ضرورت حیدرآباد کی طرف بڑھیں۔ چنانچہ ان افواج نے حیدرآباد کی طرف پیش قدمی شروع کردی۔ جب انگریزی فوج حیدرآباد پہونچ گئی تو ارسطو جاہ پر حیرت طاری ہوگئی۔ رزیڈنٹ نے فوراً فرانسیسیوں کو برخاست کرنیکا حکم دیدیا۔ لیکن ارسطو جاہ فرانسیسیوں کو برخاست کرنا نہ چاہتا تھا۔ مگر اب انگریزی فوج کی موجودگی کی وجہ سے مجبوری تھی۔ لہٰذا یکم نومبر ۱۷۹۸ء میں ایک عہدنامہ ہوا۔ جس پر نظام الملک نے نزاکت وقت کا احساس کرتے ہوئے بمجبوری دستخط کردیئے۔ جس کی رو سے یہ قرار پایا:-

(۱) نظام الملک چھ ہزار سپاہی مع توپ خانہ رکھے۔ اس فوج کے افسر انگریز ہونگے۔

(۲) اس فوج کے اخراجات حیدرآباد برداشت کریگا۔

(۳) تمام فرانسیسیوں کو ملازمت سے برخاست کردیا جائے۔ اور آئندہ حیدرآباد میں سوائے انگریزوں کے کوئی یوروپین ملازمت میں نہ رہے۔

کلکتہ کی چیمبر آف کونسل میں ولزلی کی تصویر ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ ولزلی کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے۔ جس پر سب سی ڈیاری صلح حیدرآباد ۱۷۹۸ء لکھا ہوا ہے۔ اس صلحنامہ پر دستخط ہوتے ہی حیدرآباد کی آزادی اور خودمختاری کا خاتمہ ہوگیا۔

سلطنتِ خداداد کے مٹانے کی تمہید میں لارڈ ولزلی کا یہ پہلا کارنامہ تھا۔ جو ہندوستان میں آکر اس نے کیا۔

جو کچھ اوپر تحریر کیا گیا ہے۔ وہ تمام انگریزی تاریخوں سے اخذ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حیدرآباد کی تاریخ کہاں تک حیدرآباد کے اس معاہدہ کو حق بجانب ثابت کرتی ہے؛ کتاب نظام علیخاں مطبوعہ حیدرآباد کے مصنف اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:۔

"جنگِ میسور

۱۷۹۹ء

۱۲۱۳ھ

اسباب جنگ | ٹیپو سلطان کے لڑکے جو ۱۷۹۲ء (م ۱۲۰۶ھ) کے صلحنامہ کے تحت بطور یرغمال کمپنی کے زیر نگرانی تھے۔ اوائل ۱۷۹۴ء (م ۱۲۰۸ھ) میں باعزاز واکرام واپس کردئے گئے۔ اس کے بعد سے غالباً ٹیپو سلطان اپنی سلطنت کی وسعت کے خیال میں دور دور کے منصوبے قایم کرنے لگے۔ چنانچہ وہ اپنے قلعہ جات کی ترمیم وتعمیر کی طرف توجہ کرنے کے علاوہ دور دور کی خودمختار سلطنتوں سے مراسلت کرنے لگے۔ ایران کے ایک شاہزادے ان کے پاس آئے۔ شاہ افغانستان سے کوئی مفاہمت ہوی۔ اور ایک سفیر کو خلیفۃ المسلمین سلطان ترکی کے پاس روانہ کیا۔ شاہ فرانس (نپولین اعظم) سے بھی ریشہ دوانی کی۔ یہ اعمال اس قابل نہیں تھے۔ کہ وہ جماعت (یا کمپنی) ان کو صرف نظر کرجاتی۔ جو جلب منفعت اور ملک گیری کی خاطر اپنا وطن (انگلستان) چھوڑ ہندوستان میں قسمت آزمائی کیلئے آئی ہو۔ انگریزی کمپنی کے عہدہ داروں نے اس کو نظر تعمق سے دیکھ کر قرار یہ دیا کہ ٹیپو سلطان انگریزوں ہی کے خلاف کسی جارحانہ کارروائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اور اسی خیال سے انکے منصوبوں کے دفع دخل کی

تیاریاں کرنے لگے .

کمپنی کے کورٹ آف ڈائرکٹرس نے خاص اسی غرض سے لارڈ مارننگٹن (المعروف مارکوئیس ویلزلی) کو ہندوستان کا گورنر جنرل بنایا. جنہوں نے مسائل ہندوستان پر غور کرتے ہوئے مرہٹوں کے مقابلے میں نظام علیخاں کو کمک نہ دینے پر اپنے مراسلۂ مورخہ ۲۲ر فروری ۱۷۹۸ء موسومہ پریزیڈنٹ بورڈ آف کنٹرول میں بایں الفاظ اظہار خیال کیا ہے :-

" یہ کوئی دوراندیشانہ پالیسی نہیں ہے کہ نظام اور مرہٹے آپس میں لڑکر کمزور ہو جائیں. درآنحالیکہ ٹیپو سلطان آرام میں ہیں "

اس سے ظاہر ہے کہ انکے مطمح نظر صرف ٹیپو سلطان تھے. گورنر جنرل موصوف نے اس امر پر بھی توجہ کی کہ مرہٹوں اور نظام علیخاں کو معاہدوں کے ذریعہ اپنے قابو میں لایا جائے. تاکہ وہ ٹیپو سلطان سے متفق ہو کر ان کی قوت میں اضافہ کرنے کا باعث نہ ہو جائیں .

مارکوئس ویلزلی بہ حیثیت گورنر جنرل ۱۰ر مئی ۱۷۹۸ء (م یکم ذی الحجہ ۱۲۱۲ھ) کو کلکتہ پہونچے. یہاں آنے کے تین ہی ہفتے بعد ان کو یہ اطلاع ملی کہ ٹیپو سلطان کے دو ایلچی فرانس پہونچے. جن کے ذریعے انہوں نے حکومت فرانس سے اتحاد قایم کرنیکی تحریک کی اور اسی سلسلہ میں کچھ فرانسیسی عہدہ داروں کو بھی طلب کیا. جس پر وہاں سے تقریبًا دو سو سپاہی معہ عہدہ دار ٹیپو سلطان کے پاس روانہ کیے گئے. جو منگلور کی بندرگاہ پر ۲۶ر اپریل ۱۷۹۸ء (م ۱۰ر ذی قعدہ ۱۲۱۲ھ) کو پہونچے.

انگریز مورخ اس فرانسیسی فوج کے آنے کی نسبت یہ خیال کرتے ہیں کہ ٹیپو سلطان

انگریزوں سے سابقہ جنگ کا انتقام لیکر اپنے کھوئے ہوئے علاقہ کو واپس حاصل کرنا چاہتے
تھے۔ لیکن ہم کو اس کے تسلیم کرنے میں اس وجہ سے تامل ہے کہ سپاہیوں کی اسس
قلیل تعداد سے اس سوءظن کی گنجائش پیدا ہوتی ہے۔ کہ یا تو انگریزی کمپنی کو نیچا
دکھانے کیلئے صرف انہی دو سو سپاہیوں کی کمی تھی۔ یا یہ کہ ٹیپو سلطان کو صرف انہیں
دو سو سپاہیوں کی امداد کی ضرورت تھی۔ یہ ضرور ہے کہ ٹیپو سلطان انگریزوں کے
موافق نہیں تھے۔ اور عجب نہیں کہ وہ یہ بھی چاہتے ہوں کہ نہ صرف اپنے منتزعہ حصۂ
ملک کو انگریزوں سے واپس حاصل کریں۔ بلکہ ان کو ہندوستان سے بھی نکال باہر
کردیں۔ لیکن اس نوبت پر ایسے ان اعمال پر یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ شاہ کابل و
شاہ ایران سے جو مراسلت ہوئی تھی۔ وہ مرہٹہ ریاست کے مقابلے کیلئے تھی۔ شاہ
ترکی سے جو مراسلت ہوئی اسکا امکان محض قومیت کے اعتبار سے تھا۔ یا اس لئے
کہ خلیفۃ المسلمین کے پاس سے اپنی شاہی کیلئے سند طلب کریں۔ جس کے بعد سے وہ
مستند طور پر اپنی ریاست کے خودمختار بادشاہ کہلائے جاسکیں۔ کیونکہ جو امور
کہ مخالفین ٹیپو سلطان ان کو برا ثابت کرنے کیلئے پیش کرتے تھے۔ ان میں ایک
یہ بھی تھا۔ کہ وہ بطور خود بادشاہ یا سلطان کا لقب اختیار کئے ہوئے تھے۔
شاہ فرانس سے جو مراسلت انہوں نے کی۔ اس لئے ہوسکتی تھی کہ اپنی فوج کو زیادہ
باقاعدہ بنانے اور اس کو یوروپی اصول پر فوجی اور حربی تعلیم دلانے کے
سامان مہیا کریں۔ اور اس مخالف انگریز قوم سے اس قسم کی مدد حاصل کرنے میں
سہولت اسی صورت میں تھی۔ کہ اس قوم کو یہ جتائیں کہ وہ خود بھی انگریزی قوم
کے افراد سے خوش نہیں ہیں۔ بہرحال ٹیپو سلطان کے ان اعمال کو انگریزی کمپنی

نے سخت ترین بدگمانی سے دیکھا۔ اور یہ تصفیہ کر لیا کہ جتنا جلد ہو سکے ان کے منصوبوں پر پانی پھیر کر ان کی روزافزوں قوت کو ہمیشہ کے لئے توڑ دیا جائے۔ سب سے پہلے لارڈ صاحب نے مدراس گورنمنٹ کی فوج کو سواحل ملیبار و کورومنڈل پر اتر آنے کے احکام دیئے اور اپنے اس خیال کی تائید و تکمیل میں، جو بورڈ آف کنٹرول کے پریزیڈنٹ کے موسومہ خط میں ظاہر کیا تھا۔ ٹیپو سلطان سے مقابلہ کرنے کی غرض سے نظام علی خاں اور مرہٹہ راجگان و پیشوا کے ساتھ ایک مزید معاہدہ کرنے کی کوشش کی۔ تاکہ اس پیش پا افتادہ مہم میں ان دیسی ریاستوں کی فوجی قوت کمپنی کے زیر اثر آ جائے۔ اور انکے خود مختارانہ اقتدارات کمپنی کے صواب دید پر منحصر ہو جائیں۔" (صفحات ۲۰۱ تا ۲۰۴)

لارڈ ولزلی کا دوسرا کارنامہ

چند سال سے دربار پونا آپس کے اختلافات اور سازشوں کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ اور جس وقت لارڈ ولزلی ساحل ہندوستان پر اترا۔ اس وقت نانا فرنویس دولت راؤ سندھیا کی قید میں تھا۔ اور مسند پیشوائی پر باجی راؤ متمکن تھا۔ دولت راؤ سندھیا اس وقت جو مرہٹوں میں سب سے زیادہ طاقتور حکمران تھا۔ باجی راؤ پیشوا کا محافظ و نگران تھا۔ اس لئے لارڈ ولزلی نے دولت راؤ سندھیا کو پونا سے ہٹا دینا چاہا۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کیلئے پونا کے انگریزی سفیر کو لکھا گیا کہ نانا فرنویس کی رہائی کے لئے اس شرط پر کوشش کرے کہ وہ انگریزوں کا طرفدار رہے۔ ابھی انگریزی سفیر کو یہ خط ملا بھی نہیں تھا۔ کہ مرہٹوں نے خود آپس میں سمجھوتہ کر لیا۔ اور نانا فرنویس کو رہائی مل گئی۔ جب مرہٹوں میں نفاق ڈالنے کی یہ کوشش ناکامیاب رہی تو اب ضروری سمجھا گیا

کہ دولت راؤ سندھیا کو پونا سے کسی طرح ہٹا دیا جائے۔ لارڈ ولزلی، کرنل پالمر کو جو بطور سفیر پونا میں تھا۔ ۸ رجون ۱۷۹۸ء میں لکھتا ہے:۔

"سندھیا کی طاقتور فوج کا پونا میں رہنا ہی ہمارے مقاصد کیلئے (جو ٹیپو سلطان کے خلاف ہیں) خطرناک ہے۔ اگرچہ یہ معلوم نہیں کہ سندھیا اور ٹیپو سلطان میں کوئی معاہدہ ہوا ہے یا نہیں"

مرہٹوں میں دولت راؤ سندھیا کی طاقت ہی ایک ایسی طاقت تھی جو میدان جنگ میں کارگر ہو سکتی تھی۔ ورنہ پونا میں پیشوا کی طاقت تو بالکل محدود تھی۔ لہٰذا دولت راؤ سندھیا کو پونہ سے ہٹانے کیلئے یہ خبر پھیلائی گئی کہ احمد شاہ ابدالی کا جانشین زماں شاہ والی افغانستان ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہے۔

کیپٹن گرانٹ ڈف اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"مرہٹوں کو احمد شاہ ابدالی کے نام سے ہی خوف آتا تھا۔ خبریں پھیلائی گئیں کہ زماں شاہ جو احمد شاہ کا پوتا ہے۔ ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس سے انگریزوں کا مقصد یہ تھا کہ سندھیا پونہ چھوڑ کر اپنے شمالی ہندوستان کے مقبوضات بچانے کیلئے چلا جائے"

مورخ مل لکھتا ہے:۔

"قندھار میں بغاوت ہوئی۔ تو زماں شاہ والئ کابل بغاوت فرو کرنے کیلئے کابل سے نکلا۔ اس سے نتیجہ نکالا گیا کہ وہ ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہے۔ یہ افواہ ہی افواہ تھی۔ مگر طرفہ یہ کہ ۱۰ راکتوبر ۱۷۹۸ء کی تاریخ بھی مقرر کی گئی۔ کہ اس دن زماں شاہ ہندوستان پر حملہ کریگا۔ انگریزوں نے اس افواہ سے فائدہ اٹھایا۔ چونکہ یہ مشہور کر دیا گیا۔ کہ زماں شاہ

شمال میں اور جنوب میں ٹیپو سلطان انکے مقاصد کے سدِ راہ ہو جائیں گے۔ لہٰذا بطور حفظِ ماتقدم دولت راؤ سندھیا کو اپنے مقبوضاتِ شمالی کے بچانے کے لئے شمالی ہند جانے کا مشورہ دیا گیا۔"

مگر دولت راؤ سندھیا نے زماں شاہ کے مفروضہ حملہ کو کچھ بھی وقعت نہیں دی اور برابر پونا میں مقیم رہا۔

اسوقت دوسری تدابیر اختیار کی گئیں۔ دولت راؤ سندھیا پونہ میں مقیم تھا۔ کہ لارڈ ولزلی نے کرنل کالنس کو سفیر بنا کر دولت راؤ کے پایۂ تخت گوالیار کو روانہ کیا۔ یہاں کرنل کالنس نے جو کچھ کیا۔ اس پر تاریخ روشنی نہیں ڈالتی۔ مگر اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ سندھیا کے وزراء و امراء میں نفاق پھیل گیا۔ دوسری طرف حیدر آباد کے عظیم الامراء ارسطو جاہ کو یقین دلایا گیا۔ کہ سندھیا تاوانِ جنگ کیلئے حیدر آباد پر حملہ کرنے والا ہے۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ مسٹر کولبروک کو سفیر بنا کر برار کے راجہ کے پاس بھیجا گیا۔

لارڈ ولزلی اپنے خط میں حیدر آباد کے رزیڈنٹ کیپٹن کرک پیاٹرک کو لکھتا ہے:-

"آپ کو معلوم ہوگا کہ راجۂ برار کے پاس ہماری ایک سفارت جا رہی ہے۔ ناگپور کو اپنی جانب ملا لینا ہمارے مقاصد کیلئے نہایت ضروری ہے۔ اس کیلئے مناسب طریق یہ ہے کہ حیدر آباد کے ذریعہ اس دوستی کو مستحکم کیا جائے۔ اور ہمارے درمیان ایک ایسا عہد نامہ ہو۔ جسکے ذریعہ سندھیا یا ٹیپو کے خلاف ہم کام لے سکیں۔ اس لئے تم اپنی کوشش سے ناگپور کے راجہ کے عادات و اطوار اور اس کے خیالات دریافت کرو۔ ناگپور کو بہ حیثیت دولت راؤ سندھیا کے سرحد پر ہونے کے نہایت ہی اہمیت حاصل ہے۔"

ناگپور کے راجہ اور انگریزوں میں معاہدہ

دوسری طرف سلطنت اودھ وارن ہیسٹنگس کے زمانہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی تابع ہو چکی تھی۔ لہٰذا اودھ کے اندر سندھیا کے سرحد پر ایک بہت بڑی انگریزی فوج مقیم ہو گئی۔ اور خبر یہ پھیلائی گئی کہ اودھ کا نواب وزیر علی بنارس سے مفرور ہے۔ اور گمان ہے کہ وہ زماں شاہ کے پاس گیا ہو گا۔ لہٰذا یہ فوج صرف کمپنی کے مقبوضات کے تحفظ کیلئے رکھی گئی ہے۔ کہ زماں شاہ حملہ نہ کر دے۔ دولت راؤ سندھیا کو جب یہ خبریں پہنچیں تو اس کو معلوم ہو گیا کہ انگریز اس کی سلطنت پر حملہ کرنے والے ہیں۔ وہ پونا سے نکل کر گوالیار چلا گیا۔ اس طرح وہ سب سے بڑا خطرہ جو لارڈ ولزلی کو تھا۔ دور ہو گیا۔ اس کے بعد دربار پونا میں نانا فرنویس اور پیشوا کے آگے "سب سی ڈیاری سسٹم" پیش کیا گیا۔

گرانٹ ڈف اپنی تاریخ کے صفحہ ۵۴۲ پر لکھتا ہے:۔

"اس سسٹم کو قبول کرنے کے عوض انہوں نے یقین دلایا کہ باہمی دوستی کے جو پہلے معاہدے ہیں۔ ان پر وہ قائم رہیں گے۔ اور اگر ٹیپو سلطان و ایسٹ انڈیا کمپنی میں جنگ ہو تو ایسٹ انڈیا کمپنی کو تائید دی جائے گی۔ اور اس مقصد کیلئے انہوں نے ایک فوج بھی تیار کر لی"۔

سب سی ڈیاری سسٹم قبول کرنے کیلئے مصلحت وقت کے لحاظ سے پونا پر اور زیادہ زور نہیں دیا گیا۔ لارڈ ولزلی کا مقصد تو یہ تھا کہ مرہٹے غیر جانبدار رہیں اور یہ مقصد حاصل ہو گیا تھا: اس لئے اس نے آخری وقت میں پونا کی اس امداد کو مسترد کر دیا اور اس کا سبب یہ بتلایا گیا کہ ٹیپو سلطان کے سفیر جو دربار پونا میں آئے ہوئے تھے

ان سے نانا فرنویس کو معلوم ہوئے بغیر پیشوا نے ۱۳ لاکھ روپیہ حاصل کیا ہے۔ یہ ایک چال تھی جو وہاں کے انگریزی سفیر نے چلی۔ مقصد یہ تھا کہ اخیر وقت میں نانا فرنویس اور پیشوا میں آن بن ہو جائے۔ اور اس طرح اس معاملہ کے سلجھنے تک بغیر مرہٹوں کی امداد کے میسور پر قبضہ کر لیا جائے۔ حقیقت میں یہ ایک ایسی چال تھی جو کامیاب ہو گئی۔

یہ تمام تدابیر اس لئے اختیار کئے گئے کہ سلطنت خداداد کا خاتمہ ابھی نہیں ہوا تھا۔ خود ولزلی کو معلوم نہیں تھا کہ آئندہ واقعات کیا پلٹا کھائیں گے۔ اس لئے اس نے پیش بینی سے یہ کارروائی کی۔ کہ مرہٹے جنگ سے علیحدہ بھی رہیں۔ اور بوقتِ ضرورت ان کی امداد بھی حاصل کیجائے۔

زماں شاہ

نظام الملک اور مرہٹوں سے معاہدہ کر لینے کے بعد ولزلی نے افغانستان پر توجہ کی۔ اس کو معلوم تھا کہ سلطان کے ایلچیاں افغانستان گئے ہوئے ہیں۔ اس نے سمجھا کہ اگر سچ مچ زماں شاہ ہندوستان پر حملہ کر دے تو شمال میں افغان اور جنوب میں ٹیپو سلطان انگریزوں کا خاتمہ کر دیں گے۔ اس لئے اس نے زماں شاہ کے حملے کو روکنے کیلئے ایک ایسی گہری سازش کی۔ جو بالکل کارگر ہو کر رہی۔ ولزلی نے مراد آباد کے ایک شیعہ مسلمان کو ایران بھیجا۔ اس شخص نے وہاں جا کر عباس شاہ صفوی کے گوشگذار کیا کہ افغانستان میں شیعوں پر حد درجہ ظلم و ستم ہو رہا ہے۔ انکے جان اور مال محفوظ نہیں ہیں۔ انکے عقاید پر پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ اور سینکڑوں شیعہ ہر روز تہ تیغ کئے جا رہے ہیں۔

یہ سنکر عباس صفوی نے افغانستان پر حملہ کر دیا۔ ایرانیوں کے اس حملہ کی خبر سن کر زماں شاہ جو اسوقت سرحد ہندوستان پر تھا۔ کابل کو واپس ہو گیا۔

سلطنتِ خداداد سے انگریزوں کی چوتھی جنگ کے اسباب

حیدر آباد کی آزادی سلب کرلی گئی تھی
پونا انگریزی جال میں پھنس گیا تھا۔
دولت راؤ سندھیا کا خطرہ دور ہو چکا تھا

اور زماں شاہ کے خلاف ایران کو مشتعل کر دینے کے بعد ولزلی کو یقین ہو گیا۔ کہ اب ٹیپو سلطان کو کہیں سے تائید حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اب سلطان پر حملہ کرنے کیلئے بہانے ڈھونڈھے جانے لگے۔ لارڈ ولزلی کو کارنوالس اور جنرل میڈوز نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ سلطان کے امراء و وزراء کس قماش کے ہیں۔ اور کون کون لوگ انگریزوں کے ممد و معاون ہو سکتے ہیں۔ اور سرنگاپٹم پر قبضہ کرنیکے آسان طریقے اور راہیں کیا ہیں۔

کیاپٹن رسل کی یادداشتوں میں لے مور لکھتا ہے :-

"میسور کی تیسری جنگ میں جب سلطان سرنگاپٹم میں محصور تھا۔ اور تمام ملک انگریزی قبضہ میں تھا تو اس موقع سے فائدہ اٹھا کر رعایا کو سلطان سے بدظن کرنے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ سلطان شکست خوردہ تھا۔ اس لئے اس کی رعایا کو اس سے انحراف کرانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ سازشوں کا ایک وسیع جال بچھا دیا گیا۔ کہ آئندہ وقت پڑنے پر لوگ انگریزوں کے طرفدار بن جائیں۔ ہم نے اس وقت جو کچھ کیا اور آئندہ جو کچھ کرنے والے ہیں۔ اس کا اندازہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپو کی سلطنت پنپنے والی نہیں ہے"۔

لارڈ کارنوالس نے جو بیج بوئے تھے۔ ان سے ولزلی پورا فائدہ اٹھایا۔ اور ان نمک حراموں کی ملک میں کمی نہیں تھی جو ملک میں سازشیں کر رہے تھے۔ اور اغیار کے اشاروں پر رقصاں ہا تھے۔

۱۷۹۸ء میں سلطان کا سفیر فرانسیسیوں کے پاس جزائر مراشس کو جاکر واپس آیا.
وہاں طرفین میں معاہدہ ہوا تھا. کہ ایک دوسرے کو بوقت ضرورت تائید دیں گے۔
سلطنت خداداد ایک آزاد سلطنت تھی. اس کو اختیار تھا کہ جس کسی سے چاہے. اس قسم
کے معاہدے کرے. آج بھی تمام سلطنتیں اپنے تحفظ کیلئے ایسا کرتی ہیں. لیکن اس سے جنگ
کے شعلے نہیں لپک اٹھتے. مگر ولزلی کے نزدیک سلطان کا یہ ایک جرم تھا. وہ یہ برداشت
ہی نہیں کرسکتا تھا کہ سلطان فرانس سے تعلقات پیدا کرے یا ہندوستان میں ایک فرانسیسی بھی
رہے. گو اس وقت جب ولزلی سلطان سے جنگ کی چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا. تو اسوقت فرانسیسی
بیڑے کو ابوقیر میں شکست ہو چکی تھی. اور نپولین مصر سے فرانس کو واپس ہوگیا تھا. اس لیے
یہ خطرہ بھی نہیں تھا کہ فرانس ہندوستان پر حملہ کریگا. لیکن ولزلی شروع ہی سے یہ خیال
لیے آیا تھا کہ جب تک ٹیپو سلطان ہندوستان میں ہے. یہ ملک انگریزوں کا ہو نہیں سکتا.

اب دیکھنا یہ ہے کہ سلطان اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے تعلقات اس وقت کیسے تھے.
عین اس وقت جبکہ لارڈ ولزلی کلکتہ آرہا تھا تو سلطان کا خط سر جان شور کے نام ۲۹/
اپریل ۱۷۹۸ء میں پہونچا۔

"آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ انگلستان جارہے ہیں. اور لارڈ مارننگٹن گورنر
جنرل ہوکر آرہے ہیں. مجھے امید ہے کہ آپ لارڈ مارننگٹن پر ہماری اُس باہمی
دوستی اور خلوص کا اظہار ضرور کریں گے. جو سلطنت خداداد اور کمپنی کے درمیان
ہے. اور انہیں ہمیشہ اپنی خیریت کے خطوط لکھنے کیلئے کہیں گے.

میری خلوص نیت اور دوستی پر اعتماد کرتے ہوئے مجھے یقین ہے کہ آپ
وطن جاکر بھی ہمیشہ اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہیں گے"!

پھر ۱۰ر جولائی ۱۷۹۸ء کو سلطان کا جو خط لارڈ ولزلی کے نام آیا۔ اس میں سلطان نے لکھا تھا:-

"آپ کا خط جس میں آپ کے آنے کی اطلاع دی گئی ہے۔ باعث مسرت ہوا۔ آپ کی خیریت کی خبر سنکر دل کو جو خوشی ہوی وہ احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے امید ہے کہ دونوں سلطنتوں میں جو رشتہ اتحاد قایم ہے۔ وہ آپ کی موجودگی سے اور زیادہ مستحکم ہو جائیگا۔ معاہدہ کی پابندی اور دوستی کا نباہنا میرا مقصد وحید ہے۔ آپ بھی جو دوستی و مروت کے دل سے خواہاں ہیں۔ یقین ہے کہ اسی طرح اتحاد اور یگانگت کو قایم رکھیں گے"۔

پچھلی جنگ میں (جو لارڈ کارنوالس کے زمانہ میں ہوی تھی) ملک وائناڈ کے کچھ حصہ پر انگریز قابض ہو چکے تھے۔ حد بندی کی رو سے یہ علاقہ سلطنت خداداد کی ملکیت میں تھا۔ اور سلطان بار بار سر جان شور کو دوستانہ طور پر اسکی واپسی کیلیے لکھ رہا تھا لارڈ ولزلی نے ان مراسلات کو دیکھتے ہوئے ان سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ فوراً اس نے ایک کمیشن مقرر کر دیا کہ حد بندی کا تصفیہ کر کے وائناڈ کا علاقہ سلطان کے حوالے کر دیا جائے۔ چنانچہ ولزلی نے ۱۶ر جون ۱۷۹۸ء کو سلطان کو ایک خط لکھا کہ وہ صلح اور دوستی کا خواہاں ہے۔ اس خط میں وائناڈ کے معاملہ میں کمیشن کے تقرر کی اطلاع دی گئی۔ مگر یہ ایک سخت دھوکا تھا جو دیا گیا۔ کہ سلطان کو دوستی کا یقین آ جائے۔ اور اس پر لارڈ ولزلی کے عزم و ارادے ظاہر نہ ہوں۔ اس خط کے صرف تین دن بعد لارڈ ولزلی مدراس کے گورنر جنرل ہارس کو لکھتا ہے:-

"مراشس میں فرانسیسیوں نے ہمارے خلاف جو اعلان کیا۔ اس سے آپ واقف

ہوں گے۔ تاہم میں اس کی ایک نقل روانہ کرتا ہوں۔ اور میرا خیال ہے کہ یہ اعلان ہمارے اور سلطان کے درمیان شدید بحث کا دروازہ کھول دیگا۔ نہیں معلوم کہ اس بحث کا نتیجہ کیا نکلے۔ اور شاید جنگ بھی ہو۔ اس لئے آپ نوجوں کی تیاری کی طرف خیال رکھیں۔ اور سرحد سلطنت خداداد کے مناسب مقامات پر ابھی سے فوج بھیجدی جائے۔"

مدراس کی گورنمنٹ واقف تھی۔ کہ سلطان کی نیت انگریزوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی نہیں ہے۔ چنانچہ ۶ر جولائی ۱۷۹۸ء کو مدراس گورنمنٹ کا سکرٹری مسٹر جو سیلووب لکھتا ہے:۔

"ٹیپو سلطان کے سفیر کا ماراشس کو جانا خواہ کوئی مقصد رکھتا ہو۔ یا یوروپ میں حالات کچھ بھی ہوں۔ یہ مصدقہ اطلاع مل چکی ہے۔ کہ ماراشس سے فرانسیسی سپاہی یوروپ چلے گئے ہیں۔ بحری فوج توڑدی گئی ہے۔ اس لئے قریب میں سلطان اور فرانسیسیوں کا اتحاد ناممکن ہے۔ لہٰذا ہمیں کوئی ایسی کارروائی نہیں کرنا چاہئے۔ جس سے ہم پر یہ الزام آئے کہ پیش قدمی ہماری جانب سے ہوی ہے۔"

جو سیلووب کی تحریر کے علاوہ کرنل ولزلی جو لارڈ ولزلی کا بھائی تھا اس نے بھی ایک خط اپنے بھائی کو لکھا۔ اس میں اس نے تحریر کیا تھا کہ:۔

"یہ ایک غلط خیال ہے کہ ٹیپو سلطان کے پاس ایک ایسی فوج ہے جو جنگ کرنے کے لئے بے تاب ہے۔ میں نے جہاں تک تحقیق کی ہے۔ یہ خبر بالکل بے بنیاد ہے۔

(ماڈرن میسور)

مگر ولزلی پر ان تحریروں کا اثر کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہ وقت کی تلاش میں تھا۔ اس

کی سازشیں جن کا ذکر اگلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ ابھی پوری نہیں ہوئی تھیں۔

ادھر تو لارڈ ولزلی سلطنت خداداد کو فنا کرنے کے لیئے دن رات جوڑ توڑ کر رہا تھا اور ادھر سادہ دل سلطان کو ولزلی پر اعتماد و اعتبار تھا۔ چنانچہ ۲۸ ستمبر ۱۷۹۸ء کو سلطان کا جو خط ولزلی کو پہونچا۔ اس میں تحریر تھا۔

"مفسد لوگ ہمیشہ اس دہن میں لگے رہتے ہیں کہ کسی طرح دونوں سلطنتوں میں نفاق و عداوت کا بیج بو یا جائے۔ مگر خدا کے فضل و کرم سے مجھے امید ہے کہ دوستی و محبت کا یہ چشمۂ صافی ہرگز آلودہ نہ ہوگا۔"

سلطان کا یہ خط گو لارڈ ولزلی کو ستمبر میں ملا تھا۔ لیکن اس نے نومبر تک جواب نہیں دیا۔ اس کی ذہنیت کا اندازہ اس خط سے ہو سکتا ہے جو اس نے سلطان کا خط ملنے کے بعد بھی کمپنی کے ڈائرکٹروں کو لکھا۔

"مجھے یقین ہے کہ سلطان بغیر فرانس والوں کی مستعد امداد کے کچھ کر نہیں سکتا۔ تاہم میں محسوس کر رہا ہوں کہ بہت جلد ہم کو جنگ کرنے کی ضرورت ہے۔" (۴ر نومبر ۱۷۹۸ء)

لیکن دوسری طرف اسی تاریخ یعنے ۴ر نومبر کو سلطان کے خط کے جواب میں لکھتا ہے کہ:-

"آپ کو اس خبر کے سننے سے خوشی ہوگی کہ جنگ مصر میں فرانس والوں کو سخت شکست ہوئی ہے۔"

اس خط کے بعد ۸ر نومبر کو ایک اور خط لکھا جاتا ہے۔ ولزلی کی تجاویز پوری ہو چکی تھیں۔ اس لیئے اب اس کو اور زیادہ اپنے ارادوں کو چھپانے کی ضرورت نہیں تھی اس ۸ر نومبر کے خط میں لکھتا ہے:-

"یہ ناممکن ہے کہ آپ یہ خیال کریں کہ مجھے اس خبر کی اطلاع نہیں ہے کہ آپ

کے اور فرانس والوں (جو کمپنی کے دشمن ہیں) کے درمیان کس قسم کی خط وکتابت ہوئی ہے۔ تحقیق حالات کے لئے میجر ڈوٹن کو روانہ کیا جا رہا ہے۔ اس کو یہ بھی ہدایت کر دی گئی ہے کہ کمپنی کے تحفظ کیلئے سلطان سے جو علاقہ چاہیے۔ اس کا مطالبہ کرے۔"

اس خط میں یہ بھی اشارۃً لکھا گیا تھا کہ سلطنتِ خداداد کا تمام ساحلی علاقہ انگریزوں کے حوالے کر دیا جائے۔

ابھی اس خط کا جواب نہیں دیا گیا تھا کہ لارڈ ولزلی کمپنی کی تمام بحری اور بری فوجوں کو تیاری کا حکم بھیجدیتا ہے۔ اور خود ۳۱ دسمبر ۱۷۹۸ء میں مدراس پہنچ جاتا ہے لارڈ ولزلی کو سلطان کا جواب مدراس میں ملتا ہے۔ جس میں سلطان نے لکھا تھا:۔

"سلطنت خداداد میں ایک ایسی قوم بھی آباد ہے جو بحری تجارت کرتی ہے۔ انہا ملک سے چاول لیکر انکا ایک جہاز مراشس پہونچا اور واپسی میں مراشس کے چالیس باشندے ملازمت کے خیال سے اس سلطنت میں آئے۔ ان میں سے دس، بارہ کو ملازمت دیدی گئی۔ اور باقی لوگ ہنرور نہ ہونے کی وجہ سے واپس ہو گئے۔

یہ میرا دلی مقصد ہے کہ ہمارے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے۔ اس کو پورا اور دوستی واتفاق کو اور زیادہ مستحکم کروں۔ میں اس وقت یا تو محل میں تنہائی کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ یا سیر و شکار میرا مشغلہ رہگیا ہے۔ ان حالات میں آپ کا یہ لکھنا کہ اتحادی اپنا تحفظ چاہتے ہیں۔ اور بصورت دیگر جنگ کا اشارہ کرنا مجھے متحیر کر رہا ہے۔ خدا کے فضل وکرم سے یہ امید ہے کہ آپ درمیان میں کوئی ایسی بات آنے نہ دینگے۔ جس سے طرفین کے دل خراب ہوں۔"

یہ خط پہنچنے کے ۹ دن بعد تک ولزلی اس پر غور کرتا رہا۔ جس کے بعد وہ ایک اور خط لکھتا ہے۔ جس میں شرائط پیش کی جاتی ہیں۔ اور سلطان کو جواب کے لئے چوبیس[۲۴] گھنٹوں کی مہلت دی جاتی ہے۔ اسکے بعد لارڈ ولزلی اور ایک خط تحریر کرتا ہوا سلطان کو سلطان ترکی کا وہ فرمان بھی بھیجتا ہے۔ جس میں فرانسیسیوں کے خلاف (ترکوں کی طرف سے) اعلان جہاد تھا۔

مگر سلطان کی حمیت نے ان شرائط کا قبول کرنا گوارا نہ کیا۔ اور نہ ان خطوط کا کوئی جواب دیا۔

صاحبِ نشان حیدری لکھتے ہیں:۔

"نمکحرام میر صادق ان خطوط کو سلطان تک پہنچنے ہی نہیں دیتا تھا"

بہر طور لارڈ ولزلی نے ۳ تاریخ کو فوج کو میسور پر بڑھنے کا حکم دیدیا۔ سلطان کو جب اس فوج کشی کی خبر ہوی تو ۱۳ فروری کو میجر ڈوٹن کو بھیجنے کے لئے خط لکھا۔ مگر ولزلی نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ اس کا مقصد حاصل ہو چکا تھا۔

۲۲ فروری کو سلطان کے خلاف اعلان جنگ کیا گیا۔ مگر اس سے ایک مہینہ بیشتر ہی لارڈ ولزلی نے سلطنت خداداد کی تباہی کیلئے سازشوں کا پورا سامان تیار کر چکا تھا۔ ولزلی اپنے ایک خط میں جنرل ہارس کو لکھتا ہے:۔

"مجھے یقینی طور پر معلوم ہے کہ سلطان کے امراء و وزراء اور باجگذار سلطان کے خلاف اور ہمارے سایہ میں آنے کے خواہاں ہیں۔ اس موقع پر ہم کو جبکہ خود سلطان کی وجہ سے جنگ اختیار کرنا پڑا ہے۔ تو ہمارے لئے یہ عینِ انصاف ہے۔ کہ جہاں تک ممکن ہو ان سے فائدہ اٹھائیں"

آگے چلکر لکھا جاتا ہے :۔

"آپ کے ذمہ نہایت اہم فرائض ہیں. آپ اس کارروائی میں زیادہ حصہ نہیں لے سکتے. اس لئے میں اس کام کے سرانجام دینے کیلئے کرنل کلوز، کرنل ولزلی لفٹنٹ کرنل کلوز، لفٹنٹ کرنل آگینیو، کپتان مالکم اور کیپٹن مکالے کو تجویز کرتا ہوں"

ان تحریروں سے نتیجہ نکل سکتا ہے. کہ پروپاگنڈا اور سازشیں کرنے کے لئے کس قدر اہتمام کیا گیا. جنگ میں انگریزوں کی کامیابی ہتھیار اور فوجوں کی رہین منت نہیں بلکہ سلطان کے امراء و وزراء کی غدّاری تھی۔

مورخ باسو اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :۔

"گذشتہ جنگ میں کارنوالس کی کامیابی بھی اسی سازش اور غداری کی رہین منت تھی۔ اور اس دوسری جنگ میں بھی اس کا کھلا ثبوت اس خط سے ملتاہے۔ جو گورنر مدراس نے ۲۹ر نومبر ۱۷۹۸ء کو لارڈ ولزلی کو لکھا تھا:۔

"میں آپ کی توجہ کیلئے ایک تحریر روانہ کر رہا ہوں. جسکی صداقت پر مجھے کامل اعتماد ہے۔ یہ تحریر اس شخص کی ہے۔ جو میسور کے سابق حکمران خاندان کا نہایت گہرا دوست تھا۔ اور جسکی اطلاعات گذشتہ جنگ میں نہایت اہم اور صحیح تھے. ترمل راؤ کے تعلقات میسور کی عمر رسیدہ رانی سے (جو ٹیپو سلطان کی حراست میں ہے) نہایت دوستانہ ہیں۔ اور جس کی تمام امیدیں جنگ سے وابستہ ہیں ۔ اس بدقسمت عورت کے خیالات اور ارادوں سے میں عنقریب آپ کو اطلاع دونگا۔ اور وہ تحریر آپکے غور و فکر کے قابل ہو گی. ترمل راؤ کے تعلقات ان لوگوں سے بھی ہیں۔ جو سلطان کے مقرب بارگاہ ہیں"

مدراس کے گورنر نے میسور کی رانی کی جس تحریر کا حوالہ اپنے مذکورہ بالا خط میں دیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ وہی خط ہو جو رانی نے اپنے ایجنٹ ترمل راؤ کو لکھا تھا۔ اس خط کا اقتباس کتاب "پروہانس آف میسور" کے صفحہ ۳۵ و ۳۶ سے ذیل میں پایا جاتا ہے:۔

" ہم نے اپنی کھوئی ہوئی حکومت کے حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے ۱۷۶۱ء میں نواب محمد علی والاجاہ کے توسط سے ایک ایلچی کو روانہ کیا تھا۔ اس کے بعد بھی خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۷۸۲ء میں لارڈ مکارٹنی (مدراس کا گورنر) نے پوری طور پر یقین دلایا کہ ہماری ریاست ہم کو بحال کر دی جائیگی۔ اس کیلئے یہاں سازش کی گئی۔ لیکن عین وقت پر ٹیپو کو اس کا علم ہو گیا۔ اور ہم ناکامیاب رہے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے۔ کہ لارڈ کارنوالس کے زمانہ میں کیا گذری۔ اب سنا جاتا ہے کہ آپ اس ارادہ سے یہاں تشریف لائے ہیں کہ ہماری حکومت ہمیں واپس دلا دی جائے۔ اس کیلئے اگر آپ کوشش کریں تو اخراجات جنگ کے طور پر ایک کروڑ پگوڈے (ایک پگوڈا۔ ساڑھے تین روپیئے) آپ کی نذر کئے جائیں گے۔ ترمل راؤ سے آپ کو تفصیلات معلوم ہونگی"

اس خط میں رانی نے ترمل راؤ کو لکھا تھا:۔

" گورنر اور انگریزوں سے کہو کہ وہ اگر ہماری پرواہ نہ کرتے ہوں تو نہ کریں۔ لیکن خاص اپنی حفاظت اور سلامتی کیلئے فرانس والوں کے اس ملک میں پہونچنے سے پیشتر ضروری ہے کہ سلطان سے بھگت لیا جائے۔"

اس خط کے ساتھ رانی نے اس معاہدہ کی نقل بھی ملفوف کی تھی۔ جو سلطان اور فرانس والوں کے درمیان ہوا تھا۔ (کتاب پروہانس آف میسور صفحہ ۳۵)

نوٹ:- اب غور طلب امر یہ ہے کہ اس معاہدہ کی نقل رانی کو کہاں اور کس ذریعہ سے دستیاب ہوئی؟ سوائے پورنیا کے اور کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا۔ جو اس معاہدہ کی نقل رانی کو دیا ہو۔ (محمود)

کتاب ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۷۲ پر ایک اور خط دیا ہے۔ جو میسور کی رانی کی طرف سے لارڈ ولزلی کو فبروری میں ملا۔

"ابھی حال میں معلوم ہوا کہ خدا نے آپ کو اعلےٰ مرتبہ بخش کر اس ملک کو بھیجا ہے۔ یہ بھی سنا گیا کہ آپ ارادوں کے نیک اور ہمدرد ہیں۔ اس لئے ہم آپ کی حفاظت میں آنا چاہتے ہیں۔ اگلے عہدناموں کے مطابق ہمارا ملک ہم کو لے کر دیدیجئے۔"

اس خط کا جواب ۱۶ر اپریل کو سکرٹری جوشیووب نے اس طرح دیا:-

"آپ کا پردہان ترمل راؤ ایک عرصہ سے ہیں۔ آپ کے متعلق اطلاعات پہونچاتا رہا ہے۔ لارڈ صاحب صدق دل سے وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کی تائید کرتے ہوئے آپ کی ریاست آپ کو واپس لے کر دی جائے گی۔"

بہرطور انگریزی فوجیں جو دو ماہ پیشتر ہی سے سرحد پر موجود تھیں۔ نہایت سرعت کے ساتھ ۲۲ر فروری کو سلطنتِ خداداد کی طرف بڑھیں۔ انکے ساتھ میر عالم کی سرکردگی میں حیدرآباد کی فوجیں بھی تھیں۔ یہ فوجیں خفیہ طور پر بڑھکر (خاص حدودِ سلطنت کے اندر) رائے کوٹہ پر قابض ہوگئیں۔ اور انگریزی فوج کے جاسوس اور سپاہی مختلف مقامات میں بھیس بدلکر ان غداروں کے مکانوں میں جو اس سازش میں شریک تھے مقیم ہوئے۔ اور یہ قریب قریب تمام مسلمان ہی تھے۔ یہ تو ابھی تک زبان زد خاص و

عام ہے کہ شرجا پور وغیرہ میں بہت سے ایسے مسلمان تھے۔ جو انگریزوں کو اپنے مکانوں میں چھپائے ہوئے رکھے تھے۔ انگریزی فوج خفیہ طور پر آگے بڑھ رہی تھی۔ مگر میر صادق اور پورنیا وغیرہ سلطان کو دہوکہ دے رہے تھے۔ کہ انگریزوں کی کیا مجال ہے۔ جو ملک کے اندر قدم رکھ سکیں۔ اگر ایک طرف مدراس کی جانب سے جنرل ہارس کے ماتحت انگریزی فوج بڑھ رہی تھی تو دوسری طرف ملیبار اور کورگ کے راستہ سے اور ایک انگریزی فوج جنرل اسٹوارٹ کے ماتحت پایۂ تخت پر آرہی تھی۔ سلطان کو جب اسکی خبر ہوی تو اس کو حیرت ہوی کہ اسکے ۱۳ فروری کے خط کا جواب دینے کے عوض فوج کشی کی گئی ہے۔ لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری۔ وہ انگریزی فوج کے مقابلہ کے لئے نکلا۔

سنکلیر اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"سداسیر کے مقام پر انگریزی و سلطانی فوجوں کا مقابلہ ہوگیا۔"

لوئیس رئیس اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۲۴ پر لکھتا ہے:۔

"۵ مارچ کی صبح تھی۔ سلطان تین دن کے اندر پریاپٹن پہونچ گیا۔ پریاپٹن کا میدان خیموں اور ڈیروں سے بھرا ہوا تھا۔ جس میں سبز خیمہ نہایت نمایاں طور پر نظر آرہا تھا۔ سداسیر کی پہاڑی سے یہ منظر دیکھ کر کورگ کا راجہ نہایت سرعت کے ساتھ یہ خبر انگریزی لشکر میں پہنچا دیا۔"

انگریزی فوج کو گمان تک نہیں تھا کہ سلطان اس قدر جلد نقل و حرکت کر سکیگا اور خصوصاً کورگ کے جنگلوں میں۔ رئیس لکھتا ہے:۔

"دوسری صبح اس گھنے جنگل میں جب تمام مطلع سخت کہر میں گھرا ہوا تھا۔

سلطان آگے بڑھا۔ اور انگریزی فوج کے ایک حصّہ سے اس کا مقابلہ ہوگیا۔

انگریزی فوج کو سخت نقصان اٹھانا پڑا"

راجہ کی اطلاع دہی سے انگریزی فوج کا دوسرا حصہ جو پیچھے آرہا تھا۔ خبردار ہوگیا۔ سلطان اب اس پر متوجہ ہوا۔ چونکہ انگریزی فوج کے بڑے حصہ کو شکست مل چکی تھی۔ سلطان نے میر قمرالدین کو دوسرے حصہ کی سرکوبی پر مامور کر کے آپ مشرقی محاذ میں آکر چن پٹن کے قریب کیامپ کیا۔

اس عرصہ میں حیدرآبادی و انگریزی فوجیں رائے کوٹہ سے نکلکر آنیکل پر قبضہ کرتی ہوئی چن پٹن کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ مگر جب انہیں سلطان کی موجودگی کی اطلاع ملی تو جنرل ہارس اس راستہ کو کاٹ کر خان نہلی پر جا پہنچا۔ یہ دیکھکر سلطان نے ملولی یعنے گلشن آباد کی سرحد پر جنگ کا سامان کیا۔ یہاں سلطانی فوج نے دل کھول کر داد مردانگی دی۔ قریب تھا کہ انگریزی مورچہ فتح ہو جائے۔ لیکن میر معین الدین اور پورنیا نے سلطانی سپاہ کو انگریزی توپ خانہ کی زد میں لگا دیا۔ جس کی وجہ سے انگریزی توپوں نے سب کا ڈھیر کر دیا۔ تب سلطان نے ساری فوج جمع کر کے حملہ کا حکم دیا۔ حکم پاتے ہی سید غفار، نواب حسین علیخاں اور نواب محمد رضا خاں سپہ سالاران افواج سلطانی ایک ایک طرف سے ٹوٹ پڑے۔ عین اس وقت جب پے در پے حملے ہو رہے تھے تو نواب محمد رضا خاں کو گولی لگی۔ اور وہ جاں بحق ہوگئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

سلطان نے نواب کی لاش پالکی میں ڈالکر سرنگاپٹم روانہ کر دیا۔ اور خود دشمن کے مقابلہ پر آیا۔

سرنگاپٹم کا محاصرہ اور حملہ

سلطان کا نیر اقبال ڈوب چکا تھا۔ اور اتحادیوں کی چال کامیاب ہوگئی تھی۔ کیا میدان جنگ اور کیا دارالسلطنت ہر جگہ نمکحرام افسر انکی انگلیوں پر رقصاں تھے۔ میدانِ جنگ میں سلطان کو خبر پہونچی کہ سرنگاپٹم پر حملہ کی تیاری ہو رہی ہے۔ میر قمرالدین نے غداری کرکے انگریزی فوج کا کورگ میں مقابلہ نہیں کیا۔ جس کی وجہ جنرل اسٹوارٹ بغیر کسی رکاوٹ کے پایۂ تخت تک پہونچ گیا۔

ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے:-

"میر قمرالدین انگریزی فوج کے پیچھے پیچھے اس طرح آیا کہ گویا وہ بھی بار برداروں میں شامل ہے"

اس غیر متوقع خبر کے ساتھ ہی سلطان دارالسلطنت کو مراجعت فرما ہوا۔ سلطان کے پلٹتے ہی انگریزی فوج بغیر کسی مدافعت کے سرنگاپٹم پر بڑھی۔ اور جنرل اسٹوارٹ کی فوج سے مل گئی۔ اور ان مورچوں پر قبضہ ہو گیا۔ جو سلطان نے قلعہ کے سامنے شمال میں تعمیر کئے تھے۔ یہاں بھی سازش کی وجہ سے مدافعت بالکل نہیں ہوئی۔ انگریزی فوج کا وہ حصہ جو جنرل ہارس کے ماتحت تھا، ہوہلی کے پاس دریا عبور کرکے قلعہ کے عین مقابل جنوب مغرب میں ایک گنجان[1] باغ

[1] مصنف کتاب نے اس مقام کو دیکھا ہے۔ یہاں کے باغات اب بھی اسی طرح گنجان ہیں۔ یہاں چھپی ہوئی فوج فصیل سے نظر نہیں آتی۔ اس باغ سے فصیل قلعہ تک درمیان میں صرف دریائے کاویری اور خندق ہے۔ دریا کی چوڑائی اس جگہ بالکل کم رہگئی ہے۔ درمیان میں مختلف مقامات پر ایسی پتھریلی زمین ہے۔ جو بالکل خشک رہتی ہے۔ اس لیئے بجز اس موسم کے جبکہ دریا میں طغیانی آئی ہو۔ اس مقام کو آسانی کے ساتھ عبور کیا جا سکتا ہے۔ اور فصیل قلعہ بھی یہاں کچھ ایسی اونچی نہیں۔ (محمود)

کے اندر جو فصیل قلعہ اور دریا سے بالکل نزدیک تھا۔ مورچہ لگا کر بیٹھ گیا۔

جنرل میڈوز اپنی کتاب ٹیپو سلطان میں لکھتا ہے :۔

"انگریزی فوجوں کو ہوسہلی کے محفوظ راستے سے لاکر قلعہ کے جنوب مغربی گوشہ کے عین مقابل میں ٹھہراتے ہوئے قلعہ کے اس سب سے کمزور پہلو کو بتلانیوالا میر قاسم علی بن پٹیل سید نورالدین تھا"

غرض جب انگریزی فوجوں نے سرنگا پٹم کے اطراف میں اچھی طرح ضروری اور مضبوط مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اور وہاں سے قلعہ پر گولہ باری ہونے لگی تو اس وقت ٹیپو سلطان نے اپنے افسروں اور معتمدوں کے طرزِ عمل سے معلوم کر لیا کہ

"یہ نمک حرام گندم نما جو فروش"

میرے دشمنوں سے ملے ہوئے ہیں۔ ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ / ۱۷۹۹ء کو ٹیپو سلطان نے موسیو سیبو اور دوسرے افسرانِ فرانسیس کو یاد فرما کر ان پر ظاہر کیا کہ :۔

"حالتِ موجودہ کو تم دیکھ رہے ہو۔ جس پر کوئی اطمینان نہیں ہو سکتا۔ جن لوگوں کو میں اپنا معتمد اور یارِ غار جانتا تھا۔ ان کی مکاری اور دغابازی کو حیرت سے دیکھ رہا ہوں۔ اور غنیم کا زور روز بروز ساعت بساعت ہر جگہ بڑھتا جا رہا ہے اب کیا کرنا چاہیے"

فرانسیسی سرداروں نے جواب دیا :۔

"ہم نے حضرت کا نمک کھایا ہے۔ اور حضرت نے ہمیشہ ہم پر بھروسہ کیا ہے ہم حضرت کے پسینے پر اپنا خون گرانے کیلئے تیار ہیں۔ اب صلاح وقت یہ ہے کہ حضرت جواہرات کی پیٹیاں اور اشرفیاں اور توشکخانہ کا قیمتی سامان لیکر مع خواتین حرم سرا کے

آدھی رات کے بعد خاموشی کے ساتھ قلعۂ معلّٰے سے باہر تشریف لے جائیں۔ باہر نکلکر دس ہزار سوار جرار اور پانچہزار فوج باقاعدہ پیادہ کا زبردست بدرقہ معہ بیس ضرب توپ کے ساتھ لیں۔ اور بہ سبیل یلغار صوبہ سرا و قلعۂ چتلدرگ پر جا پہنچیں اور نہایت معتمد افسروں اور جاں نثاروں کو مختلف کاموں پر مامور فرمادیں۔ اور یہ قلعہ فدوی اور موسیو لالی سپہ سالار کے تفویض کر جائیں۔ جبتک ہم میں سے ایک بھی باقی رہیگا۔ حضرت کے ادائے نمک میں قصور نہ ہوگا۔ اور اگر یہ بات منظور خاطر نہ ہو تو حضرت ہم سب فرانسیسوں کو پکڑ کر انگریزوں کے سپرد کردیں۔ وہ ہمارے نکلجانے سے حضرت کے ساتھ مصالحت کی گفتگو کرنے لگیں گے۔ کیونکہ ان کو زیادہ تر ہمارے ہی ساتھ کینہ و پرخاش ہے۔"

ٹیپو سلطان نے موسیو سیپو سردار فرانسیس کا یہ جواب سن کر قوم فرانسیس کی نمک حلالی، وفاداری اور بہادری کی تعریف کی اور جواب دیا:-

"دوستو! تم غریب الوطن میری طلب پر آئے ہو۔ اور تم نے کبھی میری رفاقت اور وفاداری میں قصور نہیں کیا۔ یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ تم جیسے شریف، بہادر، نمک حلال اور وفادار دوستوں کو دشمن کے حوالے کردوں؟ اگر میری تمام سلطنت تلف اور تاراج ہوجائے تو میں اس پر راضی ہوں۔ لیکن تم کو ہرگز دشمنوں کے حوالے نہیں کرسکتا۔"

پھر سلطان نے اپنے نمک حرام دیوان میر صادق اور پورنیا سے اس مشورہ کا ذکر کرکے انکی رائے دریافت کی۔ دغابازوں نے سخن سازی کی تمہید بیان کرکے نہایت ہمدردانہ اور خیر خواہانہ لہجہ میں عرض کیا کہ:-

"جہاں پناہ! اس قوم نے کس کے ساتھ وفا کی ہے۔ جو آپ کے ساتھ کریگی۔
فرانسیسی اور انگریز دونوں ایک ہیں۔

"سگِ زرد برادرِ شغال"

حضرت! یقین فرمالیں کہ جیسے ہی حضرت نے قلعہ ان کے سپرد کیا۔ یہ انگریزوں کے تفویض کردیں گے۔" (نشانِ حیدری)

سلطان نے چاہا کہ انگریزوں سے صلح کرلے۔ مگر وہاں سے ایسی ذلیل شرائط آئیں کہ بجز جنگ کے چارہ ہی نہ رہا۔ اور ان میں فرانسیسیوں کی برطرفی۔ ساحل بحر کے تمام علاقہ کی حوالگی اور خراجگذاری کا مسئلہ بھی تھا۔ مگر غیور دل سلطان نے اپنے وفادار فرانسیسیوں کو حوالے کرنا۔ اور خود دوسروں کا مطیع ہو کر رہنا گوارا نہیں کیا۔ لہٰذا سلطان نے ان شرائط کو قبول نہیں کیا۔ اور خود انگریز معترف ہیں کہ سلطان کو شرائط ماننے کیلئے صرف چوبیس گھنٹوں کی مہلت دی گئی۔ و نیز جنرل ہارس کو خفیہ ہدایات بھی تھیں کہ سرنگاپٹم فتح ہونے تک صلح کے متعلق کسی طرح کی کوئی گفت وشنید نہ کی جائے۔ لہٰذا انگریزی توپ خانہ سے قلعہ پر برابر گولہ باری ہوتی رہی۔ اور اس بات کا ثبوت بھی موجود ہے کہ قلعہ سے جو گولے انگریزی فوج پر آرہے تھے۔

"ان میں سن اور مٹی بھری ہوئی تھی۔" (نشانِ حیدری)

پھر سلطان نے چاہا کہ تمام جواہرات و خزانہ اور توشکخانہ کا اعلےٰ سامان مع زنانہ قلعۂ چیتلدرگ کو روانہ کردیا جائے۔ اور وہ سامان حسب الحکم صندوقوں میں رکھا گیا۔ تاکہ ہاتھیوں اور اونٹوں پر بار کیا جائے۔ اور زنانہ سواریوں کیلئے تیز رفتار بیلوں اور کہاروں کا انتظام ہوگیا۔ اور اس کے متعلق دوسرے انتظامات بھی کئے گئے۔

اور ہمراہی کیلئے نہایت معتمد و جاں نثار افسر تجویز کئے گئے۔ اس انتظام سے فارغ ہوکر سلطان نے اپنے امرائے خاص کو یاد کر کے اس تجویز کو ظاہر کیا۔ یہ سنکر دوسرے امراء نے خاموشی اختیار کی۔ لیکن بدرالزماں خاں نائطہ نے عرض کیا کہ :-

" قبلۂ عالم! جیسے ہی حضرت کا مع خواتین و خزانہ و شہزادگان کے قلعہ چھوڑ کر باہر تشریف لیجانا معلوم ہوگا۔ سب جاں نثاروں کی ہمتیں ٹوٹ جائیں گی اور شیرازۂ جمعیت قایم نہ رہیگا۔ پس اس وقت یہ عمل ہرگز شایانِ ہمت شاہانہ نہیں ہوسکتا " (نشان حیدری)

(نوٹ :- ان غدار امراء و وزراء کو اچھی طرح معلوم تھا۔ کہ اگر سلطان قلعہ سے باہر نکل گیا تو پھر انکی سازش کامیاب نہ ہوسکیگی -)

ٹیپو سلطان نے بدرالزماں خاں کا یہ جواب سنکر ایک حیرت زدہ نگاہ ان امراء کی شرم آگیں صورتوں پر ڈالی۔ اور بدرالزماں خاں کے چہرے کو متعجبانہ طور سے دیکھکر ایک نہایت گہری اور ٹھنڈی سانس بھری۔ اور آسمان کی طرف دیکھکر یہ الفاظ زباں سے نکالے!

" رضائے مولیٰ برہمہ اولےٰ "

اور خدائے قادر کی رضا پر راضی ہوکر عزم فسخ کر دیا۔ لیکن وہ تمام صندوق اور گٹھریاں ویسی ہی بندھی بندھائی توشک خانہ میں رکھوادی گئیں۔ (نشان حیدری)

سلطان حیران تھا۔ کہ میرے سردار جابجا متعین ہیں۔ مگر ان سے کچھ نہیں ہوسکتا یہ بغیر سازش کے ممکن نہیں۔ ان حالات کا یقین کرکے اس نے حرم سرا کی چاروں طرف ایک خندق کھدوا کر بارود بچھوادی۔ کہ انگریز اندر آجائیں تو حفظ ناموس کیلئے حرم سرا

کو اڑا دیا جائے۔ سرداروں کو مع فوج سوار و پیادہ اور توپ خانہ کے ضروری مقاموں پر معمور کیا۔ اور ایک دستۂ فوج انگریزوں کا سامان رسد روکنے کیلئے روانہ کیا۔ لیکن یہاں تو سب ملی بھگت کے سردار تھے۔ سلطان کے کسی حکم کی صحیح تعمیل نہیں ہوئی۔ بلکہ یہاں تک غداری ہوئی کہ کرنل بٹسن اپنی کتاب میں لکھتا ہے :۔

"۳۰ر اپریل اور ۲ر مے کی شب میں لفٹنٹ ہل اور لفٹنٹ لارنس خندق پار ہوکر قلعہ میں ہو آئے تھے۔"

تسخیر سرنگا پٹم اور سلطان کی شہادت

مئے ۴ر تاریخ کی صبح میں دس بجے نجومیوں نے آکر عرض کیا کہ آج کا دن حضور کیلئے نہایت منحوس ہے۔ کچھ صدقہ دینا ضرور ہے۔ چنانچہ سلطان نے غسل فرما کر ایک ہاتھی کالے مخمل کی جھول سمیت جس کی جھالریں کئی سیر موتی اور جواہر ٹکے ہوئے تھے۔ فقراء اور درویشوں کو مرحمت فرمایا۔ اور اس جگہ آیا جہاں قلعہ کی شمالی فصیل ٹوٹی ہوئی تھی۔ فصیل کے معائنہ کے بعد دوپہر میں سلطان نے اسی جگہ جہاں سایہ دار آم کے درخت ہیں۔ بیٹھکر خاصہ طلب فرمایا۔ ابھی ایک لقمہ تناول فرمایا تھا۔ اور دوسرا لقمہ اٹھایا چاہتا تھا۔ کہ لوگ واویلا کرتے ہوئے دوڑے آئے۔ کہ سید غفار وفادار نے اپنی جان کو شہ پر نثار کیا سلطان نے اس لقمہ کو ویسا ہی چھوڑ کر دسترخوان سے ہاتھ اٹھایا۔ عام طور پر مشہور ہے کہ اس وقت سلطان نے ان امراء وزراء پر جو وہاں حاضر تھے نظر ڈالتے ہوئے کہا کہ :۔

"اس غداری کا نتیجہ تمہیں اس وقت معلوم ہوگا۔ جب تم اور تمہاری آئندہ نسلیں اس ملک میں محتاج اور ذلیل ہوکر ایک ایک دانہ چاول اور پیاز کی ایک ایک گٹھی

کو ترسیگی"!

یہ کہکر سلطان نے تلوار پرتلے میں ڈالی۔ اور اپنی دونالی بندوق ہاتھ میں لی۔ اور چھوٹے دروازے سے باہر نکلا۔ اسوقت سلطان نیم رنگ کپڑے کی قبا پہنے ہوئے تھا۔

جس وقت سید غفار کو گولہ لگا، دوپہر کا وقت تھا۔ مگر سپاہ برابر مستعدی کے ساتھ اپنے کام پر لگی ہوی تھی۔ پورنیا نے حکم بھیجا کہ تنخواہ تقسیم ہورہی ہے۔ سپاہی آکر اپنی تنخواہ لے جائیں۔ اور در پردہ سازش یہ تھی کہ جب سپاہ یہاں سے ہٹ جائے تو انگریزی سپاہ کو چڑھ آنے کیلئے اشارہ کیا جائے۔ حسب الحکم سپاہی اپنی تنخواہ لینے کیلئے مسجد اعلےٰ کے پاس چلے گئے۔ اور ادہر انگریزی فوج کو سفید نشان اڑاکر (جس کا پہلے ہی سے سمجھوتہ تھا) خبر دیدی گئی کہ میدان خالی ہے۔ آجائیں۔ چنانچہ تمام انگریزی فوج نہایت آسانی کے ساتھ (ماہ مئے اور گرمی کے دن ہونیسے دریا پایاب تھا) فصیل پر چڑھکر قلعہ میں داخل ہوگئی۔

جنرل میڈوز اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"دوپہر کا وقت تھا۔ جب حملہ کی سب تیاریاں مکمل ہوچکیں تو جنرل بیرڈ انگریزی فوجوں کو خندقوں سے لیکر نکلا۔ اور دریا پار ہوکر فصیل قلعہ پر چڑھا۔ انگریزی فوج میں جو شخص سب سے اول تھا۔ وہ جنرل بیرڈ تھا۔ مگر اس کی راہنمائی کے لئے ایک اور شخص اس سے آگے آگے تھا۔ اور وہ "میر قاسم علی" تھا۔ جو فصیل قلعہ پر بیرڈ سے بھی آگے چڑھا۔"

سلطان ڈڈی دروازے سے باہر نکلکر اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ علم بتیری کیطرف بڑھا۔ یہ خبر اسکے نمکحرام وزراء نے فوراً انگریزی فوج میں پہنچادی (اس واقعہ کی طرف دریا دولت کی ایک تصویر میں صاف طور پر اشارہ ہے کہ سلطان کے سامنے میر صادق

کھڑا ہوا آداب بجالا رہا ہے۔ اور پیچھے مڑ کر انگریزی فوج کو اشارہ بھی دے رہا ہے)۔
سلطان علم تیری کی طرف بڑھا۔ دہلی دروازے کے قریب اس کا اس انگریزی فوج کے
ساتھ مقابلہ ہو گیا۔ جو قلعہ کی اس فصیل پر آ رہی تھی۔ سلطان اور اسکے باڈی گارڈ نے انگریزی
فوج کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا۔ یہاں نہ صرف بندوقوں سے لڑائی ہو رہی تھی۔
بلکہ تلواریں بھی استعمال ہو رہی تھیں (اگر جنوبی فصیل پر سے پورنیا فوج کو نہ ہٹا لیتا
تو جنوبی فصیل پر بھی انگریزی فوج کو روک دیا جاتا) قریباً تین گھنٹے تک سلطان انگریزی فوج
کو بڑھنے سے باز رکھا۔ لیکن اب وہ انگریزی فوج جو پورنیا و میر معین الدین کی غداری
سے جنوبی فصیل اور مشرقی دروازے پر قابض ہو چکی تھی۔ شہر کی اندرونی فصیل پر
قابض ہو کر جنوب طرف سے گولیاں چلانے لگی۔ جس سے مجبور ہو کر سلطان پیچھے ہٹنا
شروع کیا۔ جب ڈڈی دروازے پر پہنچا تو اس کو بند پایا۔ (کیونکہ سلطان کے نکلتے ہی
نمک حرام میر صادق نے اس کو بند کر دیا تھا) سلطان اور آگے بڑھا۔ انگریزی فوج
اندرونی فصیل پر سے برابر گولیاں برساتی رہی۔ لیکن سلطان قدم قدم پر مدافعت کرتے
ہوئے ہٹ رہا تھا۔ اور عین اسوقت جب وہ شہر کے بڑے دروازہ کے قریب پہونچا تو
اس وقت پشت یعنے جنوب مشرق سے بھی آنیوالی انگریزی فوج سے مقابلہ ہو گیا۔ جس کی
وجہ سے سلطان معہ اپنے جاں نثاروں کے تین طرف سے محصور ہو گیا۔

اس موقع پر سلطان کے ایک افسر نے کہا کہ حضرت اپنے آپ کو انگریزوں پر
ظاہر کر دیں۔ سلطان نے پلٹ کر غصہ سے جواب دیا:۔

"گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایکدن کی زندگی اچھی ہے۔"

اس مختصر سی جگہ پر جو دروازے کے سامنے تھی، لڑائی ہونے لگی۔ جوانمردوں نے دل کھولکر داد شجاعت دی۔ خوب گھمسان کی جنگ ہوی۔ ناگاہ ایک گولی سلطان کے گھوڑے کو لگی۔ جس سے وہ وہیں گر گیا۔ لہٰذا سلطان پیادہ ہو کر لڑنے لگا۔ اس موقع پر اس بلا کی خوں ریزی ہوئی کہ چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھی ہو گی۔ سلطانی جاں نثار اخیر دم تک نمک حلالی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے شیر دل آقا پر نثار ہونے لگے۔ غداروں سے یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ سلطان بذاتِ خود اس لڑائی میں شریک ہے۔ تمام انگریزی فوج کی پوری طاقت اس جگہ مصروف کارزار تھی۔ اس دست بدست لڑائی میں جس میں سلطان داد شجاعت دے رہا تھا سلطان کے دل کے قریب۔ ایک گولی لگی۔ جس سے وہ زخمی ہو کر گر گیا۔ گویا دوپہر کے ڈیڑھ بجے سے شام کے سات بجے تک دست بدست جنگ کے بعد سلطان اور اس کے جاں نثار شہید ہوے۔ زخمیوں اور مارے جانیوالوں کی تعداد اس قدر تھی کہ یہ معلوم بھی نہ ہو سکا کہ سلطان کس جگہ ہے۔ اور اس پر کیا گذری بارہ ہزار جاں نثار اپنی اس شمع آرزو کے گرد مثل پروانوں کے فدا ہو چکے تھے۔ اور یہ بھی نہیں معلوم کہ اس شہید ملت سلطان کی روح کب اپنے قفس عنصری سے جدا ہو کر اعلےٰ علیین میں پہونچی۔ مگر قرین قیاس ہے کہ وقت مغرب کا تھا۔ سلطان کی عمر اس وقت سنہ ہجری کے حساب سے پچاس سال اور عیسوی سنہ کے حساب سے ۴۸ سال کے قریب تھی۔

(نوٹ:۔ انگریزی حساب سے اس جنگ میں کل پانچہزار آدمی مارے گئے۔ لیکن کتاب الاعراس میں ۱۲ ہزار کی تعداد بتلائی گئی ہے۔ کتاب الاعراس کے مضمون کی نقل کسی اور جگہ دی گئی ہے۔)

یہ تعجب سے دیکھا جائیگا کہ ان جاں نثارانِ وطن میں جو سلطان کے ساتھ شہید ہوے

تھے۔ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی تھیں۔

کانسٹنس پارسنس اپنی کتاب سرنگاپٹم کے صفحہ ۸۶ میں لکھتی ہے:

"ٹیپو سلطان کی لاش کے نزدیک بے شمار عورتوں کی لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ جن کے لباس، وضع اور قطع سے معلوم ہوتا تھا کہ غالباً حرم سلطانی ہیں۔"

انیسن جان کنگ جو لاشوں کے اٹھانے پر مامور تھا۔ لکھتا ہے:۔

"عورتوں کی ان لاشوں میں ایک خوبصورت برہمن لڑکی کی بھی لاش ملی۔"

کرنل کرک پیاٹرک لکھتا ہے:۔

"معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی فوج میں شامل کیا تھا۔"

ایک اور انگریز افسر لکھتا ہے:۔

"لاشوں میں کئی ایک عورتوں کی بھی لاشیں تھیں۔ جن کے قیمتی کپڑوں سے معلوم ہوتا تھا کہ حرم سلطانی سے تعلق رکھتی ہیں۔" (سرنگاپٹم از پارسنس صفحہ ۸۶)

مقامی روایت ہے کہ:۔

"حرم سلطانی کے پردہ نشینان عفاف اس آخری وقت میں آبروئے وطن وملت کی خاطر اپنی جان دینے کیلئے آمادہ ہوکر میدان جنگ میں آگئی تھیں۔"

جنرل ہارس کے حکم سے سلطان کی لاش پالکی میں ڈالکر محل میں بھیجدی گئی۔ اور محل پر انگریزی فوج کا پہرہ ڈالدیا گیا۔

قلعہ پر حملہ کے متعلق سازش

یوں تو قلعہ کی مدافعت کیلئے ہر جگہ سپاہ متعین اور ان کی کمان مختلف سپہ داروں کے

ہاتھ میں تھی۔ مگر قلعہ کے دو پہلو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جہاں سے انگریزی فوج کا حملہ ممکن تھا۔ ایک پہلو تو وہ ہے جو شمالی فصیل قلعہ پر محل کے بالکل قریب تھا۔ اور یہاں سلطان بذات خود نگرانی کرتا تھا۔ بظاہر انگریزی فوج کی زیادہ تر گولہ باری اسی پہلو پر ہوی (جس کے نشان دیوار قلعہ پر اب بھی نظر آتے ہیں) کہ سلطان کی توجہ دوسری طرف منتقل نہ ہو۔ قلعہ کا دوسرا اہم پہلو علم بتیری ہے۔ جو قلعہ کا جنوب مغربی گوشہ ہے۔ اور اس کے عین مقابل انگریزی فوج باغ میں پڑی ہوی تھی۔ یہ لکھا جا چکا ہے کہ انگریزی فوج اس پہلو سے چڑھکر آئی۔ اور یہیں شگاف پڑا ہوا تھا۔ شگاف کی جو حقیقت ہے وہ ہم ظاہر کر چکے ہیں۔ اور اب واضح طور پر دکھایا جاتا ہے۔ کہ قلعہ پر انگریزی فوج کا حملہ کیوں اسی پہلو سے ہوا۔ یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ قلعہ کا یہ پہلو سب سے کمزور تھا۔ کرنل میڈوز لکھتا ہے کہ :-

"یہ پہلو کمزور تھا۔ میر قاسم علی اسی لئے انگریزی فوج کو اس کے مقابل لاکر ٹھہرایا"

حقیقت میں یہ پہلو کمزور تھا یا نہیں۔ اس کی صحت و عدم صحت اس وقت ناممکن ہے مگر واقعات تبلا رہے ہیں کہ انگریزی فوج نے قلعہ پر حملہ کرنے کیلئے مخصوص طور پر اس جگہ کا انتخاب اپنی جانب سے نہیں کیا تھا۔ بلکہ سلطان کے غدار امراء و وزراء نے کیا تھا۔ اس کا ثبوت کرنل ولکس کی مندرجہ ذیل تحریر سے ملتا ہے :-

"قلعہ کی مدافعت کے لئے جن مختلف ناکوں پر سلطانی سپاہ متعین تھی۔ اس میں قلعہ کے اس جنوب مغربی پہلو پر میر معین الدین متعین تھا۔ اور سپہ دار سید غفار میر معین الدین کے ماتحت تھا"

میر معین الدین کی غداری محتاج ثبوت نہیں. انگریزی فوج جس وقت قلعہ پر چڑھکر آئی تو خندق جس حالت میں تھی. اسکے متعلق میجر بٹسن لکھتا ہے:-

"خاص اس جگہ جہاں فصیل قلعہ میں شگاف پڑا ہوا تھا. خندق میں پانی صرف گھٹنوں برابر تھا. گو دوسری جگہ گہرائی زیادہ تھی"

اس سے پایا جاتا ہے کہ میر معین الدین نے عمداً خندق کو خالی رکھا. یا کوئی ایسی ترکیب کی گئی کہ اس جگہ زیادہ پانی بھرنے نہ پائے.

سید غفار کے ہوتے ہوئے انگریزی فوج کا قلعہ پر چڑھ آنا ممکن نہیں تھا. سید غفار کو پہلے یہاں سے ہٹا دیا گیا. کہ جاکر سلطان کو اطلاع دے آئے. کہ شاید حملہ آج ہی ہو. اس عرصہ میں انگریزی فوج کو اطلاع دیدی گئی. کہ تیار ہو جائے. سید غفار جب فصیل قلعہ پر واپس آئے. تو انہیں نشانہ بنایا گیا اور وہ توپ کے ایک گولہ سے شہید ہو گئے. اور دراصل یہی اطلاع تھی. جو انکی غیر حاضری میں انگریزی فوج کو دی گئی. کہ انہیں نشانہ بنالیا جائے.

(نوٹ:- عام طور پر مقامی روایت جو میسور، سرنگاپٹم اور بنگلور وغیرہ میں مشہور ہے. وہ یہ ہے کہ جب سید غفار سلطان کو انگریزی حملے کی خبر دے کر واپس آئے تو انگریزی فوج کو بتلانے کے لئے ان پر سبز چھتری پکڑی گئی. کہ یہی سید غفار ہیں.)

سید غفار کے شہید ہوتے ہی فوج کو وہاں سے ہٹا لیا گیا. کہ انگریزی فوج کے آنے کیلئے راستہ صاف رہے. پورنیا نے حکم بھیجا کہ فوج آکر اپنی تنخواہ لیجائے. دراصل یہ دونوں غدار پورنیا اور میر معین الدین اس کا بندوبست کر رکھے تھے. فوج کے سپاہی تنخواہ

لینے چلا گئے۔ میدان خالی تھا۔ جھنڈیوں کے ذریعہ میر معین الدین نے انگریزی فوج کو اطلاع دیدی۔ کہ آجائے۔

اگر اس طرح غداری نہ ہوتی تو ممکن نہیں تھا کہ عین دن کے وقت انگریزی فوج اس قدر کم تعداد سے قلعہ پر حملہ کرے۔ جب یہ معلوم تھا کہ قلعہ میں سلطان کی بے شمار فوج موجود ہے۔

انگریزی فوج کے حملے کے متعلق میجر بٹسن لکھتا ہے :۔

"ڈیڑھ بجے جنرل بیرڈ حملہ کرنے کیلئے نکلا۔ حملہ آور پارٹی دو کالموں میں منقسم تھی۔ ہر ایک کالم میں ایک افسر اور بارہ سپاہی تھے۔ اور انکے پیچھے اور ایک کالم تھا۔ فوج کا ایک بڑا حصہ پیچھے تیار رکھا گیا۔ کہ فصیل پر قبضہ ہو جانے کے بعد بڑھے۔"

سلطانی سپاہ یہاں سے ہٹ چکی تھی۔ انگریز اسی لئے اس قدر کم فوج سے اتنی جرأت کے ساتھ بڑھ آئے۔ اگر میر معین الدین نمکحرام نہ ہوتا تو سب سے پہلے حملہ آور انگریزی فوج کا نشانہ وہی بنتا۔ مگر اسکے خلاف وہ اس جگہ کی فوج کو ہٹا کر آپ خود بھی وہاں سے چلا گیا۔

میجر بٹسن لکھتا ہے :۔

"قلعہ کی جنوبی فصیل شگاف سے تین سو گز دوری پر ہم کو تین آدمی نظر آئے۔ جو بظاہر مر گئے تھے۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ ان میں ایک سید صاحب (میر معین الدین) ہے۔ دوسرے دو آدمی اس پر گرے ہوئے تھے۔ جب اس کو اٹھایا گیا تو اس کو تھوڑے وقت بعد ہوش آیا۔ اور اس نے میجر ڈالس کے پیر پکڑ لئے۔"

(نوٹ :۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اتفاقاً کوئی چوٹ لگ گئی تھی)۔

سلطان کو انگریزی فوج کے چڑھ آنے کی اطلاع عین اسی وقت نہیں دیگئی جب سید غفار شہید ہوئے۔ بلکہ انگریزی فوج کے داخل ہو چکنے کے کافی عرصہ بعد اطلاع دی گئی۔ جس کا ثبوت اس طرح ملتا ہے۔ کہ میجر بٹسن نے میر معین الدین کو دیکھکر جب اس سے دریافت کیا کہ سلطان کہاں ہے تو اس نے جواب دیا کہ :-

"محل میں ہے"

میجر بٹسن اور آلن کے بیان سے معلوم ہوگا کہ تمام انگریزی فوج قلعہ میں آجانے کے بعد سب سے اخیر میں یہ دو افسر آئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سلطان کو اطلاع اسوقت دی گئی۔ جب غداروں کی تمام کارروائی مکمل ہو چکی تھی۔

غرض یہ وہ سازش تھی جس کے سبب انگریزی فوج کا قلعہ پر قبضہ ہوگیا۔ سلطان کی شہادت چونکہ مغرب کے وقت ہوئی۔ اس لئے یہ قرین قیاس ہے کہ سلطان کو ڈیڑھ بجے کے وقت اطلاع دی گئی تھی۔

یہ آگے لکھا جا چکا ہے کہ میر قمر الدین سپہ سالار افواج سلطانی تھا۔ اس کو سلطان نے کورگ میں فوج دیکر اس لئے روانہ کیا تھا کہ انگریزی فوج کو پیش قدمی سے روکے۔ مگر انگریزی فوج بغیر مزاحمت بڑھتی آئی۔ یہاں تک کہ اس نے آکر قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ کسی تاریخ میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے کہ میر قمر الدین نے جو قلعہ سے باہر فوج لئے ہوئے تھا کیا کارروائی کی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کہیں اِدھر اُدھر جاکر بیٹھ رہا۔ جب فوج اس کے پاس تھی تو اسے چاہئے تھا کہ وہ مدافعت کرتا کہ انگریزی فوج قلعہ کا محاصرہ نہ کرنے پائے۔ یا اگر محاصرہ ہو چکا تھا تو اس کیلئے نہایت آسان تھا کہ پشت پر سے انگریزوں پر حملہ آور ہوتا اسکی غداری کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ وہ انگریزی فوج کے قریب ہی کہیں پڑا تھا۔ کیونکہ

سلطان کی شہادت کے بعد ہی وہ قلعہ میں آگیا۔

رئیس لکھتا ہے :۔

"قلعہ میں دوسرے دن جن افسروں نے ہتھیار رکھے۔ یا۔ انمیں میر قمر الدین بھی تھا"

میر صادق کا حال پہلے لکھا جا چکا ہے کہ اس غدار نے کیا کارروائی کی۔

قلعہ پر حملہ اور سلطان کی شہادت کے متعلق مختلف بیانات

کرنل بٹسن جو اس جنگ میں شریک تھا۔ اپنی کتاب میں لکھتا ہے :۔

" محاصرہ کے آخری چودہ دن سلطان نے کلالی ڈوڑی کے پاس بسر کیئے۔ یہ ڈوڑی قلعہ کی اندرونی فصیل میں محل کی شمال مغرب میں) ہے۔ اور یہ پانی لانے کیلئے استعمال کی جاتی تھی۔ اس ڈوڑی کے قریب سلطان ایک چھوٹی پتھر کی بنی ہوئی چولتری میں رہتا تھا۔ جو دروازہ میں تھی۔ اس چولتری کے قریب چار چھوٹے خیمے ملازمین کے لئے تھے۔

مئے کی ۴ تاریخ کی صبح کو مسلمان اور برہمن نجومیوں نے سلطان سے آکر کہا کہ آج کا دن ذات سلطانی کیلئے نامبارک ہے۔ دس بجے کے قریب سلطان نے چن پٹن کے سنیاسی کو ایک ہاتھی۔ ایک تھیلا تل اور دو سو روپئے دئے۔ اور دوسرے برہمنوں کو ایک ایک سیاہ بیل ایک ایک گاؤ میش۔ ایک ایک بکری، کپڑے، تیل۔ اور نوّد نود روپیئے دئے۔ اسکے بعد وہ محل میں گیا۔ مگر زنانہ میں داخل نہیں ہوا۔ یہاں سلطان کو معلوم ہوا کہ آج کی شب قلعہ پر چڑھائی ہوگی لیکن

سیّد غفار سپہ دار نے آکر اطلاع دی کہ حملہ دن میں ہوگا۔ لیکن سلطان نے کہا کہ دن کے وقت حملہ نہ ہوگا۔

قریب ایک بجے کے سلطان کلالی ڈڈی پر پہونچا۔ اور یہاں کھانے پر بیٹھا ابھی کھانا ختم نہیں ہوا تھا۔ کہ یکدم شور ہونے لگا۔ سلطان فوراً ہاتھ دہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ہتھیار باندھے۔ عین اسی وقت معلوم ہوا کہ سید غفار سپہ دار شہید ہوگئے سلطان نے کہا :۔

"مجاہد موت سے نہیں ڈرتے۔ سیّد غفار کبھی موت سے نہیں ڈرا"

سیّد قاسم کو حکم بھیجا کہ سید غفار شہید کی جگہ متعین رہے۔

یہاں سے سلطان قلعہ کی فصیل پر چڑھکر اس جگہ گیا۔ جہاں حملہ ہوا تھا۔ (مورخ حملات حیدری اور نشانِ حیدری لکھتے ہیں :۔ سلطان نے طاؤس نامی گھوڑے کو طلب کیا اور اس پر سوار ہوکر نکلا۔ محمود) جب سلطان قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ انگریزی فوج قلعہ پر آچکی ہے۔ اور سامنے راستہ نہیں۔ یہاں سلطان اپنی بندوق سے انگریزی سپاہ پر فائر کرنا شروع کیا۔ جس سے چار پانچ انگریز نشانۂ اجل ہوئے۔ جب ہجوم زیادہ ہونے لگا۔ تو سلطان واپس لوٹا۔ پانی کے دروازہ پر پہنچکر سلطان نے چاہا کہ اندر چلا جائے۔ مگر ہجوم اس قدر تھا کہ راستہ نہ ملا۔ یہاں سلطان کو ایک گولی سیدھے بازو میں لگی۔ سلطان تین چار قدم اور آگے بڑھا۔ کہ ایک اور گولی وہیں سیدھے بازو میں لگی۔ گھوڑی زخمی ہوکر بیٹھ گئی۔ یہاں سلطان نے راجہ خاں سے کہا کہ وہ زخمی ہوگیا ہے۔ راجہ خاں نے کہا حضرت اپنے آپ کو انگریزوں پر ظاہر کردیں۔ سلطان نے کہا :۔

"کیا تم دیوانے ہوگئے ہو۔ خاموش رہو"

راجہ خان نے سلطان کو گھوڑے پر سے اتارا۔ اور اتارتے وقت وزن سہہ نہ سکا سلطان اور وہ دونوں ملکر گرے۔ سلطان کو فوراً ملازمین نے اٹھاکر پالکی میں لٹا دیا۔ اور پالکی دروازے میں رکھدی گئی۔ سلطان پالکی ہی میں تھا۔ کہ ایک انگریز سپاہی کا گذر ادہر سے ہوا۔ جس نے سلطان کی پیٹی اور شمشیر لینی چاہی۔ جب اس نے ہاتھ دراز کیا تو سلطان نے تلوار سے اسکے پاؤں پر ضرب لگائی۔ جس پر اس نے اپنی بھری ہوئی بندوق سلطان پر خالی کردی۔ جس سے سلطان شہید ہوگیا۔

راجہ خان کہتا ہے کہ وہ تمام دوپہر سلطان کے ساتھ رہا۔ سلطان کو تمام وقت حرم سرا کی فکر رہی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں ناموس حرم بچانے کے لئے محل میں پہونچکر اس کو اڑا دینے کا خیال تھا"

اس کے برخلاف دوسرے انگریزی مورخین لکھتے ہیں:۔

"سلطان دست بدست جنگ کرتا رہا۔ اور اس کو گولیاں لگیں"

میڈوز ٹیلر لکھتا ہے:۔

"سلطان دست بدست جنگ کرتا رہا۔ آخر وقت تک داد شجاعت دی۔ ایسے وقت میں اس کو سخت پیاس لگ رہی تھی۔ اور وہ پانی مانگ رہا تھا۔ سلطان کہہ رہا تھا "خدا کیلئے پانی کا ایک قطرہ دو" سلطان کو تین گولیاں لگیں اور وہ تشنہ لب ہی شہید ہوگیا"

قلعہ پر حملہ اور سلطانی محل کا محاصرہ

میجر آلن کا بیان (ہٹسن کی تاریخ سے) :-

" قلعہ پر حملہ کرنے والی فوج کا افسر جنرل بیرڈ تھا۔ اور یہ وہی افسر تھا۔ جو سرنگاپٹم میں تین برس تک مقید تھا۔ وہ میسور کی دوسری جنگ میں کرنل بیلی کی شکست کے معرکہ میں گرفتار ہوا تھا۔ اور جوش انتقام سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے خندق سے نکلکر تلوار میان سے کھینچی اور بآواز بلند کہا کہ :-

"اے مردان دلاور میرے پیچھے چلے آؤ۔ اور آج انگریزی سپاہیوں کی آبرو رکھ لو"

جنرل بیرڈ نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ترتیب یہ تھی کہ شگاف پر چڑھنے کے بعد ایک حصہ جنوبی دیوار پر قابض ہوکر بنگلوری دروازے تک قبضہ کرلے اور دوسرا حصہ شمالی فصیل پر قابض ہوکر اسی دروازے پر آکر ملجائے۔ دریا پایاب تھا اور خندق میں خاص اس جگہ گھٹنوں برابر پانی تھا۔ فوج کے یہ دو حصے لفٹنٹ لارنس کے زیر کمان دیئے گئے۔ (ہم یہ پہلے لکھ چکے ہیں کہ دونوں افسر نمکحرام وزراء کی سازش سے ۳۰ر اپریل اور ۲ر مئی کو قلعہ میں ہو آئے تھے)

خندقوں سے نکلکر شگاف قلعہ تک پہونچنے تک چھ لحظے امید وبیم میں گذرے۔ اب انگریزی فوج نے شگاف پر چڑھکر اپنا جھنڈا بلند کردیا۔ اور چند منٹ کے بعد ہی تمام فوج فصیل قلعہ پر تھی۔ فوج دو حصوں میں ہوکر آگے بڑھی۔ جنوبی فصیل پر جو فوج متعین تھی۔ وہ بغیر کسی مقابلہ کے بنگلوری دروازے

تک پہونچ گئی۔ مگر شمالی فصیل پر جو فوج متعین تھی۔ اس کا سلطان سے مقابلہ ہو گیا۔ جو حملہ کی خبر سنکر آ گیا تھا۔ جنوبی فوج نے آسانی سے ہر مقام پر قبضہ کر لیا۔ قلعہ کی اندرونی دیوار پر محافظت کیلئے کوئی نہیں تھا۔ اس سے سہولت یہ ہوی کہ انگریزی فوج کا قبضہ اندرونی فصیل پر بھی ہو گیا۔ اور اس طرح اس فوج پر جو سلطان کے ساتھ تھی۔ ہر طرف سے گولیاں پڑنا شروع ہوئیں۔ شمالی فصیل پر جو ڈویژن تھی وہ سامنے سے حملہ کرتی تھی۔ اندرونی فصیل پر جو فوج قابض تھی وہ بائیں جانب سے گولیاں برساتی رہی۔ اور شمال کی طرف سے گولے برس رہے تھے۔ اور جنوب میں پانی کے دروازے تک جنوبی فوج فصیل پر قابض ہو کر گولیاں چلا رہی تھی"۔

میجر ڈالس اور میجر آلن کہتے ہیں کہ ہم شگاف پر کھڑے ہوئے شہر اور لڑائی کا نظارہ کر رہے تھے۔ کہ قریب سو فیٹ دوری پر سامنے تین آدمی پڑے ہوئے پائے گئے۔ بظاہر وہ مر چکے تھے۔ ہم ان کو جب دیکھنے کیلئے اٹھایا۔ تو ان میں ایک جاں بلب تھا۔ اور دو مر چکے تھے۔ جب تھوڑا وقت گذرا تو یہ شخص اٹھا اور ہمارے چہرے حیرت سے دیکھنے لگا۔ میجر ڈالس نے اسکو پہچانتے ہوے پکارا۔ سید صاحب! (میر معین الدین)؟

"ہاں میں وہی ہوں۔"

اس نے جواب دیتے ہوئے میجر ڈالس کے پیر پکڑ لئے۔ جب میں نے (میجر آلن) دریافت کیا تو میجر ڈالس نے کہا کہ یہ کسی وقت کمپنی کی فوج میں ملازم تھا۔ سید صاحب کیلئے پالکی منگوائی گئی۔ اس عرصہ میں ہم نے سلطان کے متعلق دریافت

کیا تو اس نے یقین دلایا کہ سلطان محل میں ہے۔ ہم دو سپاہیوں کو سید صاحب کی حفاظت پر متعین کر کے جنرل بیرڈ کو سلطان کی محل میں موجودگی کی خبر دینے کیلئے گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ سید صاحب اٹھ کھڑا ہوا۔ مگر اس کے پیر لڑکھڑا گئے۔ اور وہ گر کر مر گیا۔"

سُلطانی محل کا محاصرہ

میجر آلن لکھتا ہے :۔

"جب ہم بنگلوری دروازے پر پہونچے تو جنرل بیرڈ نے مجھے حکم دیا کہ فوج کا ایک دستہ لیکر سلطانی محل میں جاکر یہ اطلاع دوں کہ اگر وہ بغیر کسی مقابلہ کے اپنے آپ کو حوالے کردیں تو ان کے جان کی حفاظت کی جائیگی۔ ورنہ محل کے ہر شخص کیلئے نتیجہ بُرا ہوگا۔ میں ایک سفید جھنڈا لئے ہوئے محل کے دروازہ پر پہونچا۔ یہاں قلعہ دار سے کہا کہ فوراً اس اعلان کی اطلاع دی جائے۔ اور اس کیلئے میں خود آیا ہوا ہوں۔ قلعہ دار پہلے تو راضی نہ ہوا۔ مگر دھمکانے پر مجھے اور افسروں کو اندر لے گیا۔ محل کے صحن میں چند آدمی ہتیار باندھے کھڑے تھے۔ میں نے ان کو سفید جھنڈا بتلایا۔ اور کہا کہ یہ امن کا جھنڈا ہے۔ اور اطمینان دلانے کیلئے میں نے اپنی تلوار نکالکر ان کے ہاتھ میں دیدی۔ قلعہ دار اندر چلا گیا۔ جب واپسی میں دیری ہوی تو پھر میں نے دوبارہ کہلا بھیجا کہ دیر کرنا انکے لئے خطرناک ہے۔ اس پر قلعہ دار نے آکر مجھے اندر لے گیا۔ یہاں فرش پر سلطان کے دو شہزادے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک شہزادہ معزالدین تھا۔ جو میسور کی تیسری جنگ میں بطور یرغمال انگریزوں کے پاس ٹھہرا ہوا تھا۔ شاہزادے سہمے ہوئے تھے۔ میں نے ان کو تسکین دیتے ہوئے معزالدین

سے کہا کہ سلطان کہاں ہے ہمیں اطلاع دیدو۔ کیونکہ ان کا بچکر جانا محال ہے ۔

معز الدین نے تھوڑے وقفہ کے بعد کہا کہ بادشاہ محل میں نہیں ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ محل کے دروازے کھولدئے جائیں۔ کہ اندر تلاش کر کے اطمینان کر لیا جائے۔ شاہزادے اس پر راضی نہ ہوے۔ کہ بغیر حکم سلطانی وہ اس طرح نہیں کر سکتے۔ میں نے ان کو ہر طرح اطمینان دلایا کہ کوئی بھی بغیر میری اجازت کے اندر نہ آئیگا۔ آخر دروازہ کھولدیا گیا۔ یہاں جنرل بیرڈ اپنے سپاہیوں کے ساتھ کھڑا ہوا ہوا تھا۔ اسوقت جنرل بیرڈ سخت غصہ میں بھرا ہوا تھا۔ اس کو یہ غلط خبر ملی تھی کہ انگریزی قیدیوں کو قتل کر دیا گیا ہے۔ مگر جب شاہزادے اسکے روبرو آئے تو وہ ان سے خندہ پیشانی سے ملا۔ یہاں شہزادوں کو لفٹننٹ کرنل آگنیو اور کپتان میارٹ کی حراست میں دیدیا گیا۔ کہ ان کو انگریزی کیامپ میں پہونچادیا جائے۔ فوج کو ہدایت کی گئی کہ انکی تعظیم بجالائے۔

جنرل بیرڈ سلطان کے لئے تمام محل کی تلاشی لینے پر تلا ہوا تھا صحن میں سپاہیوں کا پہرہ کھڑا کر کے ہم اندر بڑھے۔ قلعہ دار نے نہایت ہی متانت و سنجیدگی سے سمجھایا کہ سلطان محل میں نہیں ہے۔ بلکہ خبر ہے کہ قلعہ کی اندرونی فصیل کے دروازے کے پاس زخمی ہوا پڑا ہے۔ قلعہ دار کو ساتھ لے لیا گیا۔ اور اس سے کہا گیا کہ اگر اسکی اطلاع غلط نکلی تو اس کا نتیجہ اسکے حق میں برا ہوگا۔

ہم دروازے پر پہونچے۔ تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ بے شمار لاشیں پڑی ہوی تھیں۔ تمیز کرنا مشکل تھا۔ لاشوں کو کھینچ کر نکالا گیا۔ مگر یہ ختم نہ ہوتے تھے۔ تاریکی زیادہ بڑھگئی تو مشعلیں منگوائی گئیں۔ اسی تلاش میں ہم کو یہاں راجہ خاں ملا۔ جو

درجہاں نتواں اگر مردانہ زیست　　ہمچو مرداں جاں سپردن زندگی ست



ٹیپو سلطان کی لاش اندھیرے میں ڈھونڈ کر نکالی گئی ہے۔ میر عالم کھڑا ہوا تعجب سے دیکھ رہا ہے

مجروح ہو کر پڑا تھا۔ دریافت پر اس نے وہ جگہ بتلائی۔ جہاں سلطان گھوڑے پر سے گرا تھا۔ یہاں تلاش کرنے پر سلطان کی لاش مل گئی۔ قلعدار نے سلطان کو شناخت کر لیا۔ پالکی منگوا کر لاش محل میں لائی گئی۔

جس وقت سلطان کی لاش ملی۔ اسکی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ جسم اس قدر گرم تھا کہ مجھے اور کرنل ولزلی کو دہوکہ ہو گیا کہ سلطان ابھی زندہ ہے۔ نبض دیکھی گئی تو ساکت تھی۔ سلطان کو گولی کے چار زخم آئے تھے۔ تین جسم پر اور ایک سیدھے کان میں۔ سلطان سفید کپڑے کی قمیص اور پھولدار چھینٹ کا ڈھیلا پاجامہ پہنے ہوئے تھا۔ اور ایک سرخ ریشم کا کپڑا کمر پر باندھے ہوئے تھا۔ ایک قیمتی پیٹی کمر میں تھی۔ عمامہ اس ہنگامہ میں کہیں گر گیا تھا۔ سیدھے بازو پر ایک تعویذ تھی جس کو کھولا گیا۔ ریشم کے کپڑے کے اندر چاندی جیسی ایک دھات پر عربی و فارسی میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

سلطان کا قد ۵ فیٹ ۸ انچ تھا، شانے ابھرے ہوئے، گردن کوتاہ اور موٹی تھی، ہاتھ اور پیر قابل الذکر طور پر چھوٹے اور نازک تھے، رنگ گندمی، آنکھیں بڑی بڑی اور نمایاں تھیں، ابرو کماندار اور ناک خمیدہ تھی، چہرہ پر رعب تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ عام آدمیوں سے اس کی ذات بالا و برتر ہے۔

سلطان کی تدفین

جنرل ہارس کے حکم سے صبح کے وقت سلطان کا دیدار سب شاہزادوں، ندیموں وغیرہ کو دکھلا کر تجہیز وتکفین کا حکم دیا گیا۔ جنازہ نہایت ہی احترام واحتشام کے ساتھ ۲۸ر ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ کو بوقت ظہر قلعہ سے روانہ ہوا۔ تمام شاہزادے، سردار اور عہدہ دار شریک تھے۔ گورہ فوج کی چار کمپنیاں پیچھے پیچھے ساتھ تھیں۔ راستہ میں جس گلی کوچہ سے سلطان کا جنازہ نکلتا۔ وہاں بلاتفریق مذہب وملت مردوزن کی صدائے نوحہ وماتم سے ایک قیامت برپا معلوم ہوتی تھی۔ آگے بڑھکر نواب حیدر علی خاںؒ کے مقبرہ پر جس کو گنبد کہتے ہیں۔ جنازہ ٹھہرایا گیا۔ قاضی شہر نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بارہ ۱۲ ہزار روپئے فقراء کو دیئے گئے۔ اور اس پیکر جلال کو اسکے باپ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اور یہ ایک مدت تک بڑے بوڑھوں کی زبان پر تھا کہ جب جنرل ہارس کو سلطان کی شہادت کی خبر پہونچی اور وہ لاش پر آیا تو فرط خوشی سے پکار اٹھا کہ:۔

"آج ہندوستان ہمارا ہے"

سلطان شہید کی موت درحقیقت اسلامی جاہ وجلال اور اسلامی شان وشوکت کی موت تھی، ہندوستان کی آزادی کی موت تھی، ہندوستان کی غیرت وخودداری کی موت تھی، کہ اس حالت زار پر آسمان کو بھی بغیر آنسو بہائے نہ رہا گیا۔

دفعتاً ایک طوفان اٹھا، بادل کی مہیب گرج اور بجلی کی خوفناک کڑک نے زمین کو ہلا دیا۔ تدفین کے وقت اکثر مقامات پر بجلی گری۔ خصوصاً سلطان کے دیوان خانہ اور محل سرا اور مسجد اعلیٰ پر، دریائے کاویری جو پایاب تھی۔ یکایک پوری طغیانی پر آگئی۔ ایک ایسا ہیبت

ناک وعبرت انگیز سماں چھا گیا۔ کہ گویا اہل زمین پر ایک بہت ہی بڑی مصیبت آگئی تھی جس پر آسمان بھی غم کر رہا ہے۔ اور برق وباد اس کے شریک ماتم ہیں۔

گو اس زمانہ میں اس قسم کے واقعات پر یا تو یقین نہیں کیا جاتا، یا ان سے بے اعتنائی برتی جاتی ہے۔ مگر اس کو کیا کیا جائے کہ تاریخیں اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ اور اس کا بیّن ثبوت دیتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو مافوق الفطرت واقعات کے منکر ہیں۔ خود معترف ہو گئے ہیں۔ ہم نے اوپر جو کچھ لکھا ہے۔ وہ صرف اسلامی تاریخوں میں ہی نہیں بلکہ انگریزی تاریخیں بھی اس کا ثبوت دے رہی ہیں۔

لوئیس رئیس اپنی تاریخ اور بورنگ حیات ٹیپو میں لکھتا ہے :۔

"اس وقت ایک طرف تو قلعہ سے ماتمی توپیں سر ہو رہی تھیں۔ اور دوسری طرف بجلی کی چمک اور بادل کی نہایت خوفناک گرج سے اس عبرتناک واقعہ کی سنجیدگی اور بھی دوبالا ہو گئی تھی"

سرنگاپٹم کے بڑے بوڑھوں کی زبان پر عرصہ تک یہ بات تھی کہ انکی مدت العمر میں اس قسم کا خوفناک طوفان کبھی نہیں آیا تھا۔ جیسا کہ سلطان کی تدفین کے دن آیا۔ اتنی بجلیاں گریں کہ جن کا حساب نہیں۔ معلوم ہو رہا تھا کہ شہر پر کوئی خوفناک مصیبت آگئی ہے در و دیوار لرزہ براندام تھے۔ اور دریا کی طغیانی اس جوش و خروش پر تھی کہ ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ اور انہیں حسرت تھی کہ دریا کیوں ایک دن پہلے نہیں آیا۔ کہ حملہ ہو نہیں سکتا تھا۔

جنرل میڈوز ٹیلر اپنی کتاب ٹیپو سلطان کے صفحہ ۴۴۳ پر لکھتا ہے :۔

"رات ختم ہو گئی۔ صبح ہوئی۔ رات بھر شہر میں خوف وہراس چھایا رہا۔ ہر جگہ

بندوقوں کی آواز اور مجروحوں کے چیخوں اور ستم رسیدوں کے آہ وفغاں کی آوازیں آتی رہیں۔ رات بھر شہر میں لوٹ مار اور قتل وغارتگری ہوتی رہی۔ سلطان کی لاش زخمیوں اور مردوں کے ڈھیر میں شب ہی کو مل گئی تھی۔ غسل دیکر اس کو خاص مکہ کے بنے ہوئے کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ قریب چار بجے کے جنازہ اٹھایا گیا۔ انگریزی فوج جو کل تک سلطان کے خلاف صف آرا تھی۔ آج شہر کے راستوں پر جہاں سے جنازہ گذرنے والا تھا، دورویہ صف بستہ تعظیم کیلئے کھڑی تھی۔ جنازہ کے آگے چار انگریزی کمپنیاں تھیں۔ جنازہ کے ہمراہ سلطنت کے اعیان وامراء اور جنازہ کے پیچھے شہزادہ عبدالخالق، سلطان کا دوسرا شہزادہ برہنہ سر گھوڑے پر سوار تھا۔

جنازہ آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔ راستے میں ہزارہا لوگ انتہائے غم سے نالاں وگریاں تھے۔ ان میں مسلمان بھی تھے۔ اور ہندو بھی۔ سینکڑوں آدمی جنازہ کے آگے آکر لیٹ جاتے تھے۔ بلاتفریق مذہب ہندو اور مسلمان عورتیں سروں پر مٹی ڈال ڈال کر ماتم کرتی تھیں۔ اس طرح جنازہ قلعہ سے نکلکر شہر میں ہوتا ہوا مقبرہ تک پہونچا۔ اور ہر ہر قدم پر آدمیوں کا ہجوم بڑھتا گیا۔

آج کا دن خصوصاً حد درجہ گرم تھا۔ ہوا تمام دن بند رہی۔ ایک پتہ تک کہیں ہلتا نہ تھا۔ آسمان پر سیاہ اور ڈراؤنی بادل چھائے ہوئے تھے۔ اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ان میں سے ایک قسم کی گہری اور مہیب آواز آتی تھی۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آسمان پر بھی کچھ ہو رہا ہے۔ لوگ اس گرمی کو سختی سے محسوس کر رہے تھے۔ فضا کی بھیانک پن سے دلوں پر ایک رعب چھایا

ہوا تھا۔ کبھی کبھی کوئی آدمی سر اٹھاتا تو جلدی ہی خوف سے سر نیچے کر لیتا۔

اسی حالت میں جنازہ لال باغ تک پہنچا۔ ہجوم اس قدر بڑھ گیا تھا۔ کہ لوگوں کی گریہ وزاری کی آواز تمام فضا میں گونج رہی تھی۔ قلعہ سے ماتمی توپیں چھوٹ رہی تھیں۔ مگر انکی آواز لوگوں کی گریہ وزاری میں گم ہو کر رہ گئی تھی۔ اس ہنگامۂ غم والم میں اگر کبھی ایک لمحہ کیلئے وقفہ ہوتا تو معلوم ہوتا کہ آسمان پر بھی کچھ ہو رہا ہے۔ تمام آسمان پر بجلیاں ایک گوشہ سے نکلکر دوسرے گوشہ کی طرف پیہم جا رہی تھیں۔

جنازہ عین مقبرہ کے روبرو پہونچا۔ بیانڈ کا بجنا تھم گیا۔ جنازہ کے آگے چار کمپنیاں جو جلو میں تھیں۔ دورویہ صف باندھکر کھڑی ہو گئیں۔ کہ جنازہ ان کے درمیان سے مقبرہ میں لے جایا جائے۔ جنازہ آہستہ آہستہ لاکر اتارا گیا۔ اور خطیب اور دوسرے لوگ قطاریں باندھ کر نماز کے لئے صف بستہ کھڑے ہو گئے۔

خطیب کی آواز نہایت زوردار تھی اور جیسا ہی اسکی زبان سے تکبیر کہنے کے لئے لفظ "اللہ" نکلا تو یہ معلوم ہوا کہ آسمان ٹوٹ کر زمین پر گر رہا ہے ایک ہیبت ناک کڑاکے کے ساتھ بجلی چمکی۔ اور ایک زور کی روشنی سے سب کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اور ایک زبردست گرج کی آواز نے دلوں کو ہلا دیا۔ اور یہ معلوم بھی نہیں ہوا کہ خطیب کی زبان سے اللہ کے بعد کوئی لفظ نکلا بھی یا نہیں۔

اس کے بعد ایک عرصہ تک خاموشی طاری رہی۔ نماز ختم ہوی۔ لاش کو اس